ماہنامہ حکایت لاہور

ہاتھ آجائے مجھے، میرا مقام اے ساقی!

اکتوبر 2014ء

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
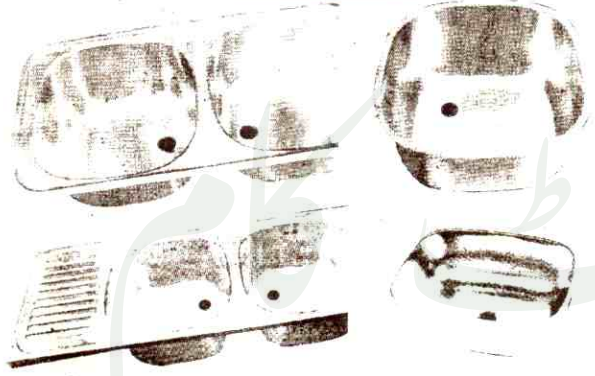
نورِ مبین

اور خدا (کی خوشنودی) کے لئے حج اور عمرے کو پورا کرو۔ اور اگر (رستے میں) روک لئے جاؤ تو جیسی قربانی میسر ہو (کردو) اور جب تک قربانی اپنے مقام پر نہ پہنچ جائے سر نہ منڈاؤ اور اگر کوئی تم میں بیمار ہو یا اُس کے سر میں کسی طرح کی تکلیف ہو تو اگر وہ سر منڈا لے تو اُس کے بدلے روزے رکھے یا صدقہ دے یا قربانی کرے۔ پھر جب (تکلیف دُور ہو کر) تم مطمئن ہو جاؤ۔ تو جو (تم میں) حج کے وقت تک عمرے سے فائدہ اٹھانا چاہے وہ جیسی قربانی میسر ہو کرے اور جس کو (قربانی) نہ ملے وہ تین روزے ایامِ حج میں رکھے اور سات جب واپس ہو۔ یہ پورے دس ہوئے۔ یہ حکم اُس شخص کے لئے ہے جس کے اہل وعیال مکے میں نہ رہتے ہوں اور خدا سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ خدا سخت عذاب دینے والا ہے (۱۹۶)

(سورۃ البقرہ)

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

ماہنامہ
حکایت
لاہور

جلد: 44 | اکتوبر 2014ء | شمارہ: 02

بانی
عنایت اللہؒ
شاہد بن عنایت اللہ

مدیر اعلیٰ: صالحہ شاہد
مدیر: عارف محمود
منتظم: سعد شاہد

قانونی مشیر
وقاص شاہد ایڈووکیٹ

شعبہ تعلقات عامہ
میاں محمد ابراہیم طاہر

سرکولیشن منیجر
فضل رزاق
عرفان جاوید

شعبہ اشتہارات
خرم اقبال
محمد اشفاق مومن

کمپوزنگ
مجید پرائم کمپیوٹرز - لاہور

مجلس مشاورت
ابدال بیلا
عظمت فاروق
میم الف
ڈاکٹر شبیر حسین
ڈاکٹر نصیر اے شیخ
ڈاکٹر نغمہ علی
ڈاکٹر رانا محمد اقبال

مدیر: عارف محمود 0323-4329344
وقاص شاہد 0321-4616461
سرکولیشن منیجر: فضل رزاق 0343-4300564
عرفان جاوید 0322-4847677

قیمت -/80 روپے

ہیڈ آفس
26- پٹیالہ گراؤنڈ لنک میکلوڈ روڈ لاہور 042-37356541

مضامین اور تحریریں ای میل کیجئے:
Monthly_hikayat@gmail.com
primecomputer.biz@gmail.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

اس شمارے میں

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

اس شمارے میں

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

چین کی تقلید کریں!

موجودہ سیاسی صورتِ حال کا اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا؟ اس بارے یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ یہ ایک ایسا سوال ہے جو قوم کو پریشان کیے ہوئے ہے۔ بے یقینی کی کیفیت نے عوام کو ذہنی مریض بنا دیا ہے کیونکہ ہمارے سیاسی اونٹ کی کوئی ایک کل بھی سیدھی نہیں ہے۔ دھرنا دینے والے اور دھرنے کو مسترد کرنے والے پوری ہٹ دھرمی اور ڈھٹائی سے اپنی اپنی جگہ جمے ہوئے ہیں۔ ان کی باہمی چپقلش اور بیان بازی نے عوام کو حیران و پریشان کر رکھا ہے کہ جائیں تو کدھر جائیں۔

جب بھی سیاسی مداریوں اور شعبدہ بازوں کو ضرورت پڑتی ہے، وہ عوام سے قربانی طلب کرتے ہیں اور عوام بے چاری اتنی سیدھی ہے کہ بے دریغ قربان ہو جاتی ہے مگر قوم کے اس جذبے کو سیاسی بازی گروں نے ہمیشہ اپنے مفادات کے لئے استعمال کیا اور بعد میں قوم کو اس کا صلہ نہیں، سزا دی گئی۔

تاریخ میں جن قوموں نے نام پیدا کیا اور اپنی شناخت بنائی، ان کے پیچھے ان کے لیڈروں کی نیک نیتی اور خلوص تھا۔ دور کیوں جائیں ہمسایہ ملک چین کی مثال دیکھ لیں۔ افیون کی ماری اس قوم کا یہ حال تھا کہ کبھی جاپان نے اس کو روند دیا تو کبھی امریکہ نے تسلط جما لیا۔ مگر پھر ان کو ایسے جاں نثار اور ہمدرد لیڈر مل گئے جنہوں نے قیادت اور قومیت کا پرچم بلند کیا اور بے دریغ قربانیاں دے کر آخری امریکی کو بھی اپنی سرزمین سے نکال کر دم لیا۔

آج کا چین ایک ایسی طاقت ہے جس کے سامنے امریکہ بھی دم نہیں مار سکتا۔ چین کے کسی لیڈر نے بازو لہرا لہرا کر اور گلا پھاڑ کر تقریریں نہیں کیں، ایک دوسرے کے خلاف زندہ باد مُردہ باد کے نعرے نہ لگائے، جلسے جلوس نہ نکالے، دھرنے نہ دیئے، اپنے عوام کو سبز باغ نہ دکھائے اور نہ انہیں قربانی کا بکرا بنایا بلکہ سر جھکا کر قوم کو ترقی اور خوشحالی کے لئے مصروفِ عمل ہو گئے۔ وہاں کے قلم کاروں نے عشقیہ شاعری، افسانے اور فلمیں لکھنا بند کر دیں اور صرف دشمن کے خلاف جدوجہد کا درس قوم کے ذہن میں بٹھا دیا کہ دشمن کی طرف سے آنکھیں بند کر لو گے تو وہ پھر تمہیں اپنے پنجۂ غلامی میں دبوچ لے گا۔ ان کے لیڈر جاگیرداروں، صنعت کاروں اور سرمایہ داروں میں سے نہیں اٹھے تھے بلکہ محنت کش طبقے سے اٹھے تھے۔

اِدھر اپنے وطن میں دیکھ لیں غریب کے بچے کو لیڈر کس نے بننے دینا ہے۔ اسے تو اچھے سکول میں داخلہ کوئی نہیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

دیتا۔ سیاست اور الیکشن کروڑوں اربوں کا کاروبار بن گیا ہے جو لگا کر سود کے ساتھ قوم کی ہڈیوں سے پورا کیا جاتا ہے۔ ہمارے حکمرانوں نے ''بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست'' کو فلسفۂ حیات بنا لیا ہے۔ ان کے انداز بادشاہوں والے ہیں۔ جو آتا ہے اپنی کرسی کو مضبوط کرنے کی فکر میں لگ جاتا ہے۔

نہ ''دھرنے'' والوں کو عوام سے دلچسپی ہے نہ ''کرنے'' والوں کو۔ دھرنے والوں نے کبھی بجلی پیٹرول، گیس اور بڑھتی ہوئی مہنگائی کا ذکر نہیں کیا، ان کا سارا زور دھاندلی پر ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ دھاندلی ہوئی ہے مگر اللہ کے بندو! عوام کی نبض پہچانیں، عوام کیا سننا چاہتی ہے، ان کی زبان بولیں، ان کے دل کی آواز بن جائیں تو یہی عوام آپ کو کندھوں پر اٹھا کر اقتدار کے تخت پر پہنچا دیں گے۔

دوسری طرف صاحبِ اقتدار بڑی بے شرمی اور ڈھٹائی سے پیٹرول، بجلی، گیس اور دیگر ضروریاتِ زندگی کے دام بڑھائے چلے جا رہے ہیں۔ لوڈ شیڈنگ کے خاتمے کا دعویٰ کرنے والے لیڈر ایک گھنٹہ بھی لوڈ شیڈنگ کم نہیں کر سکے۔ ہر سال کی طرح اس مرتبہ بھی سیلاب آیا اور اربوں کا مالی اور بے شمار جانی نقصان کر گیا۔ حکمران ہیلی کاپٹروں سے بے بس اور برباد لوگوں کا تماشا دیکھتے رہے اور امداد کے نام پر چند پیکٹ گرائے جاتے رہے۔ سیلاب کوئی اچانک آ جانے والی آفت نہیں ہے، ایسا ہر سال ہوتا ہے۔ یہ لوگ کیوں نہیں اس پر قابو پانے کے لئے منصوبہ سازی کرتے؟

اس وقت پاکستان معاشی اور اخلاقی بدحالی کا شکار ہے، اس کا ذمہ دار ہر جانے اور آنے والا حکمران ہے۔ اس کے نتائج بڑے خطرناک نکل رہے ہیں۔ قومی کردار اور باہمی پیار خلوص اور معاشرتی اقدار ختم ہو چکی ہیں۔ پیسہ چند ہاتھوں میں ہونے کی وجہ سے طبقاتی نفرتیں جنم لے رہی ہیں۔ امیر، امیر تر اور غریب، غریب تر ہوتا جا رہا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہر طرف چھینا جھپٹی اور لوٹ مار کا عالم ہے جس کا جہاں ہاتھ پڑتا ہے وہ پورا فائدہ اٹھاتا ہے۔

ایسے حالات کا ایسا ہی نتیجہ نکلتا ہے۔ اس وقت ایک ایسے لیڈر کی جس کے دل میں ملک وقوم کا درد ہو اور وہ ہر قسم کے سیاسی اثرات سے پاک ہو۔ ملک وقوم کو متحد کرے ورنہ معاشی بدحالی اور افراتفری خدانخواستہ قوم کو بے حوصلہ اور بے دم کر دے گی۔

صالحہ شاہد بنت عنایت اللہ

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہاتھ آجائے مجھے میرا مقام اے ساقی!

جب زندہ رہنے والے ہاتھ اللہ کی راہ میں کٹنے والے ہاتھوں پر مٹی ڈال دیتے ہیں تو روایت بھی مٹی میں دب جاتی ہے اور قوم نیم مردہ ہو جاتی ہے۔

☆ ---------- عنایت اللہ

ہاتھ جو دعا کے لئے اٹھتے ہیں، ہاتھ جو بھیک لینے کے لئے پھیلتے ہیں، ہاتھ جو بھیک دینے کے لئے بڑھتے ہیں، ہاتھ جو کسی کے زخم پر مرہم رکھتے ہیں، ہاتھ جو کسی کے زخم پر نمک چھڑتے ہیں، سب ایک جیسے ہیں۔ ذرا رنگ میں فرق ہے مگر ساخت ایک سی، ہڈیاں ایک سی اور ان پر گوشت پوست ایک سا ہوتا ہے۔

جس خدا نے انسان کو ہاتھ دیئے ہیں اس خدا کی نگاہ میں ہر انسان ایک سا ہے مگر انسان کی نگاہ میں انسان ایک سا نہیں۔ ظاہراً خدا کی عبادت کرتا اور باطن میں اپنی پوجا کرتا ہے۔ سخی بنتا ہے کہ انسان اس سے بھیک مانگیں۔ وہ بھیک دیتا ہے کہ بھکاری اسے ہفت اقلیم کا بادشاہ کہیں۔ امام بنتا ہے اور سب سے کہتا ہے، آؤ میرے پیچھے نماز پڑھو۔ یہ نہیں کہ آؤ مل کر نماز پڑھیں۔ حاکم بنتا ہے کہ اوروں کو محکوم بنائے۔ اوروں سے کہتا ہے کہ اللہ سب سے بڑا ہے اور اس کے سوا عبادت کے کوئی لائق نہیں مگر اللہ کے بندوں سے وہ سجدے اپنے آگے کراتا ہے۔ جھوٹ اور فریب کی کڑیاں جوڑ کر زنجیر بناتا ہے کہ سب کو اس میں باندھ لے اور جب وہ سلطانی کی مسند پر بیٹھ جاتا ہے تو سمجھتا ہے کہ موت بھی اس کی محکوم ہو گئی ہے اور وہ سدا زندہ رہے گا۔

ان سب کے ہاتھ ایک سے ہوتے ہیں اور وہ ہاتھ بھی انہی جیسے ہوتے ہیں جو ان کے جھوٹ اور فریب کی

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

زنجیروں میں بندھے ہوئے ہوتے ہیں اور جو نجی کے آگے پھیلتے ہیں اور جو امام کے پیچھے دعا کے لئے اٹھتے ہیں اور جو حاکم کے سامنے سلام کے لئے ماتھے پر چلے جاتے ہیں۔

جب جسم سے جان نکل جاتی ہے تو ہاتھ بادشاہ کے ہوں یا بھکاری کے، سالار کے ہوں یا سپاہی کے، قاضی کے ہوں یا قاتل کے، رہزن کے ہوں یا راہی کے، چوہدری کے ہوں یا چرواہے کے، منصف کے ہوں یا مجرم کے، معالج کے ہوں یا مریض کے، پارسا کے ہوں یا پاپی کے، مالک کے ہوں یا ملازم کے، ظالم کے ہوں یا مظلوم کے، حاکم کے ہوں یا محکوم کے، جارح کے ہوں یا مجروح کے، فریب کار کے ہوں یا فریب خوردہ کے، سب ایک سی مٹی میں دبا دیئے جاتے ہیں اور کیڑے ہر ہاتھ گوشت سمجھ کر کھا جاتے ہیں۔ مٹی کے لئے اور مٹی کے کیڑوں کے لئے کوئی ہاتھ برتر اور کوئی ہاتھ کمتر نہیں ہوتا، کوئی ہاتھ میٹھا اور کوئی کڑوا نہیں ہوتا، کسی ہاتھ کی کوئی الگ تھلگ پہچان نہیں ہوتی اور جب ہڈیاں رہ جاتی ہیں اور جب گزرتے زمانے کی ہوائیں اور بارشیں قبروں کو بہا کر ہڈیاں ننگی کر دیتی ہیں تو دیکھنے والے کہتے ہیں۔ "یہ کسی انسان کا ہاتھ تھا، معلوم نہیں کون تھا؟"

مگر انسان زندہ ہوتا ہے تو اپنی پہچان اوروں سے الگ، منفرد اور بالا رکھنے کے جتن کرتا ہے۔ اکڑ کر چلتا ہے جیسے زمین کو پھاڑ دے گا۔ زمین ایک نہ ایک روز پھٹ ہی جاتی ہے لیکن اُس وقت اکڑ اکڑ کر چلنے والا اور اللہ کے بندوں کو اپنا بندہ سمجھنے والا زندہ نہیں ہوتا۔ اُسے پھٹی ہوئی زمین میں اتار دیا جاتا ہے۔ اُس کے ہاتھ خالی ہوتے ہیں۔ وہ خالی ہاتھ مٹی کا نوالہ بن جاتا ہے۔

یونان کا سکندر جسے تاریخ نے سکندر اعظم کہا ہے، ساری دنیا کو فتح کرنے نکلا تھا۔ اُس کی فوج سیلاب کی طرح ہر اُس فوج کو خون میں ڈبوتی گئی جو اس کے مقابلے میں آئی۔ سکندر اعظم ہندوستان تک آ گیا مگر موت کے ہاتھ نے اسے روک دیا اور جب سکندر اس دنیا سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہونے لگا تو اُس نے کہا کہ اس کا ایک ہاتھ تابوت سے باہر رکھا جائے کہ سب دیکھیں کہ دنیا کو فتح کرنے کے ارادوں والا دنیا سے خالی ہاتھ جا رہا ہے۔ چنانچہ اس کا تابوت اٹھا کے قبرستان کو چلے تو اس کا ایک ہاتھ تابوت سے باہر تھا اور یہ ہاتھ خالی تھا۔

○

ہاتھ ...... ہاتھ ...... ہاتھ ...... وہ بھی ہاتھ، یہ بھی ہاتھ!

وہ بھی ہاتھ ہیں جو کسی کا گلا گھونٹ دیتے ہیں۔ وہ بھی ہاتھ ہیں جو کسی کے گلے سے پھندا اتار کر اُسے زندگی کی راہ پر ڈال دیتے ہیں۔

وہ بھی ہاتھ ہیں جن کی انگلیاں نبض کو محسوس کر کے درد کی دوا دیتی ہیں۔ وہ بھی ہاتھ ہیں جو کسی کی چلتی نبض کو ہمیشہ کے لئے ساکن کر دیتے ہیں۔

وہ بھی ہاتھ ہیں جو محنت کرتے، کارخانوں کی مشینیں چلاتے اور لوہے کو پگھلانے والی بھٹیوں میں جھلستے ہیں اور مہینے بعد چند روپے جیب میں ڈالتے ہیں اور وہ بھی ہاتھ ہیں جو بسوں میں، بازاروں میں، پُرہجوم جگہوں میں اس جیب کو ایک ثانیے میں صاف کر جاتے ہیں۔

جوتشی کہتا ہے خدا نے ہر کسی کی قسمت اُس کے ہاتھ پر لکھ رکھی ہے۔ لوگ جوتشی تک آگے ہاتھ پھیلا دیتے ہیں۔ جوتشی ہر کسی کو اس کے ہاتھ کی لکیروں اور اپنی زبان کے جادو میں الجھا کر ہاتھ دکھا جاتا ہے۔ حالانکہ قسمت تو ان لوگوں کی بھی ہوتی ہے جن کے پیدائشی ہاتھ ہی نہیں ہوتے۔

پیر کہتا ہے کہ سب کی قسمت میرے ہاتھ میں

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہے۔ میرے ہاتھ کا لکھا ہوا تعویذ سیلاب روک دیتا اور پتھر پھاڑ ڈالتا ہے۔ وہ بھی ہاتھ ہیں جو پیر کے پاؤں چھوتے ہیں مگر ان کے ہاتھ کچھ بھی نہیں آتا سوائے ایک جھوٹی امید کے۔

وہ بھی ہاتھ ہیں جو زمین کا سینہ چیرتے، اس میں بیج ڈالتے، اسے اپنے پسینے سے سینچتے، پروان چڑھاتے، خوشوں سے دانے نکال کر ڈھیر کر دیتے ہیں مگر ان ہاتھوں میں اتنی طاقت نہیں ہوتی کہ ڈھیر سے مٹھی بھر دانے اٹھا لیں۔ یہ ہاتھ مالک کے آگے جُڑ جاتے، بندھ جاتے ہیں۔ اپنی محنت کی اُجرت کی بھیک مانگتے ہیں مگر ایک ہاتھ انہیں دھکا دے کر ڈھیر سے پرے کر دیتا ہے۔

''حرام خور! صبر کر ذرا''۔

O

ایک تصویر دیکھی۔ سعودی عرب کے کسی شہر کی تھی۔ ایک بازار تھا۔ دائیں سے بائیں رسّی بندھی تھی جیسی دُھلے ہوئے کپڑے لٹکانے کے لئے باندھی جاتی ہے۔ اس کے ساتھ تین ہاتھ بازوؤں سے کٹے ہوئے لٹک رہے تھے۔ تصویر کے نیچے لکھا تھا کہ یہ چوروں کے ہاتھ ہیں جو کل کاٹے گئے تھے۔ سعودی عرب میں یہ رواج ہے کہ چور کا ہاتھ کاٹ کر بازار میں لٹکا دیا جاتا ہے کہ لوگ عبرت حاصل کریں۔ تین چار روز بعد ہاتھ وہاں سے ہٹا کر کہیں باہر پھینک دیا جاتا ہے۔

جنگِ ستمبر 1965ء یاد آ گئی۔ ایسا ہی ایک ہاتھ دیکھا تھا۔ یہ ہاتھ لاہور سیکٹر میں جلے ہوئے ایک ٹینک پر اُس جگہ پڑا ہوا بلکہ چپکا ہوا تھا جہاں ڈرائیور کی سیٹ کا ڈھکنا ہوتا ہے۔ یہ ہاتھ بتا رہا تھا کہ کیا ہوا تھا۔ ٹینک کے پہلو میں گولہ لگا اور وہاں سے ٹینک ٹوٹ گیا تھا۔ گولہ اندر پھٹا، ٹینک کا ایمونیشن پھٹا۔ پٹرول کو آگ لگی۔ اس کے تمام آدمی اندر ہی ختم ہو گئے۔ ڈرائیور نے اپنی سیٹ کا ڈھکنا اٹھا کر نکلنے کی کوشش کی۔ ہاتھ کہنی تک باہر آ گیا مگر آگ نے اُسے نکلنے نہ دیا۔ وہ اندر جل گیا اور ہاتھ اوپر چپک گیا۔

اس ہاتھ میں ذرا سی بھی بدبو نہیں تھی۔ قریب ہو کے دیکھا تھا۔ یہ ٹینک پاکستان کا تھا۔ یہ ہاتھ ایک شہید کا تھا۔ یہ ہاتھ پوری قوم کا تھا۔ یہ ہم سب کا ہاتھ تھا۔ ہاتھ جو اللہ کی راہ میں کٹ جاتا ہے اُس کی بدبو نہیں ہوا کرتی۔ جو روایت اللہ کی راہ میں کٹے ہاتھوں سے لکھی جاتی ہے وہ کبھی مٹ نہیں سکتی۔

ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ\
غالب و کار آفریں، کارکشا، کارساز

مگر جب زندہ رہنے والے ہاتھ اللہ کی راہ میں کٹنے والے ہاتھوں پر مٹی ڈال دیتے ہیں تو روایت بھی مٹی میں دب جاتی ہے اور قوم نیم مُردہ ہو جاتی ہے۔

میں نے دو ہاتھ دیکھے۔ وہ ایسے ہی تھے جیسا ایک ہاتھ جلے ہوئے ٹینک کے ساتھ چپکا ہوا تھا۔ یہ دو ہاتھ زندہ تھے جیسے شہید کا ہاتھ بھی زندہ ہوا کرتا تھا۔ یہ دو ہاتھ گوشت سے بھرے ہوئے اور دلکش تھے، پُرشباب تھے۔ شہید کا ہاتھ بھی ایسا ہی بھرا بھرا اور دلکش ہوا کرتا تھا۔ یہ دو

ذرا سوچئے!

☆ اللہ کو پا کر کبھی کسی نے کچھ نہیں کھویا اور اللہ کو کھو کر کبھی کسی نے کچھ نہیں پایا۔ (نسیم سکینہ صدف)

☆ مشکلات کا دورانیہ طویل نہیں ہوتا، یہ صرف آپ کی کتاب زندگی میں تجربے کا نشان چھوڑ کر چلی جاتی ہیں۔

☆ پل اور دیوار ایک ہی میٹریل سے بنتے ہیں لیکن پل لوگوں کو ملاتا ہے اور دیوار تقسیم کرتی ہے۔

(نبیلہ نازش)

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہاتھ جو میں دیکھ رہا تھا، ہتھکڑیوں میں بندھے ہوئے تھے اور زنجیر پولیس کے ایک سپاہی نے پکڑ رکھی تھی۔ یہ ہاتھ ایک خوبرو اور جوان آدمی کے تھے۔ شہید بھی کبھی ایسا ہی خوبرو اور جوان ہُوا کرتا تھا۔

اُسے بھی ایک ماں نے جنم دیا تھا، اسے بھی ایک ماں نے جنم دیا تھا۔ دودھ ایک سا تھا، پھر ان دو بیٹوں کے راستے کہاں الگ ہوئے؟ وہ کس کا ہاتھ تھا جس نے ایک کو مجاہد دوسرے کو مجرم بنایا؟ ایسے ہاتھ ہمارے معاشرے میں موجود ہیں۔

○

وہ بھی ہاتھ تھے جنہوں نے سمندر پار اجنبی ساحل پر اُتر کر کشتیاں جلا ڈالی تھیں کہ واپس نہ آ سکیں اور وہ بھی ہاتھ تھے جنہوں نے وہاں اس لئے ہتھیار ڈالے کہ دشمن سے زندگی کی بھیک مانگ کر زندہ واپس چلے جائیں۔

کیا فرق تھا ان دو ہاتھوں میں؟

واپسی کے ذریعے کو آگ لگانے والے ہاتھوں میں تلوار تھی اور پرچم تھا۔ ہتھیار ڈالنے والے ہاتھوں نے تلوار نیام میں رکھ کر ساقی کے ہاتھ سے جام لے لیا تھا اور جب ان ہاتھوں نے جام ہونٹوں سے لگایا تو پرچم سرنگوں ہو گیا۔

ساقی کے ہاتھ بڑے ہی نازک تھے۔ انگلیاں لانبی اور بن کھلی کلیوں جیسی تھیں۔ یہی ہاتھ کھلتے تھے تو لگتا تھا کنول کھل گیا ہو۔ ان ہاتھوں کے لمس میں وہ سرور، وہ کیف اور خمار تھا جس نے بادشاہوں کے تختے اُلٹے اور تاریخ کے دھارے بدلے ہیں۔ تلوار کی تحریروں پر سیاہی پھیری ہے۔ ان نازک نازک ہاتھوں نے علمبرداروں کے فولاد جیسے مضبوط ہاتھوں سے علم گرائے ہیں۔

○

سب ہاتھ کی صفائی ہے!

وہ فلاں پر ہاتھ صاف کر گیا!

وہ ہاتھ دکھا گیا۔

تالی دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے!

ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا!

ہاتھ پر ہاتھ مار کر نکل گیا!

اپنے ہاتھوں اپنی قبر کھودی!

اِس ہاتھ دے اُس ہاتھ لے!

ہاتھ کنگن کو آرسی کیا!

ہاتھوں ہاتھ لیا!

تمہارا ہاتھ بندھا غلام ہوں!

ان ہاتھوں سے تمہاری گردن کاٹوں گا!

کتنے محاورے ایجاد کئے ہیں ان ہاتھوں نے۔ ہاتھ نہ ہوتے تو کیا ہوتا؟ انسان کی چار ٹانگیں ہوتیں۔ پھر انسان کیا ہوتا؟ انسان تو نہ ہوتا۔ جانور ہوتا، مویشی ہوتا، انسان بھی درندہ ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ اس کی ٹانگیں دو ہیں اور دو ہاتھ ہیں اور عقل بھی ہے۔ دو ہاتھوں اور عقل کی وجہ سے ہی انسان درندہ ہے۔ معصوم بچوں کو اغوا کر کے ان کے بازو اور ٹانگیں توڑ مروڑ دینے والے انسان ہی ہوتے ہیں۔ وہ سانپ ہوتا ہے جو معصوم بچے کے ساتھ کھیلتا ہے، اسے ڈستا نہیں۔

نو دس سال کی عمر کی بچیوں کی آبروریزی کرنے والے بھی انسان ہوتے ہیں۔ ہر روز اخباروں میں خبریں شائع ہوتی ہیں اور یہ شرمناک واقعات بڑھتے ہی جا رہے ہیں۔

کہتے ہیں کتا کتے کا وَیری ہوتا ہے۔ آپ شہروں کے اندر بسوں میں تو سفر کرتے ہوں گے۔ سینما اور ریلوے سٹیشن کی ٹکٹوں والی کھڑکی سے ٹکٹ بھی لیتے ہوں گے۔ انٹر اور سیکنڈ کلاس میں آپ ضرور سفر کرتے ہوں گے۔ آپ کو دھکے پڑتے ہوں گے اور آپ دھکے دیتے ہوں گے۔ ہر کوئی ہر کسی کو بس یا گاڑی سے باہر پھینکنے کی سوچتا ہے۔ ہر کوئی ہر کسی کا وَیری نظر آتا ہے۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

اور جب بازار میں کسی چیز کی قلت ہو جاتی ہے تو اس چیز کی دُکانوں پر بھیڑ لگ جاتی ہے۔ ہر کوئی دوسرے گاہکوں کو دشمن سمجھ کر آگے ہونے کے لئے دھینگا مشتی کرتا ہے۔ لڑائی جھگڑے ہوتے ہیں۔ ہاتھا پائی ہوتی ہے۔ کبھی تو چاقو بھی چل جاتے ہیں لیکن مُنتا کُنتے کا دیری ہوتا ہے۔

انسانوں کو مویشی بنانے والے انسان ہی ہوتے ہیں۔ یہ چھوٹا سا ایک گروہ ہے جس نے اپنے آپ کو شاہی خاندان سمجھ رکھا ہے۔ پاکستان کے تخت و تاج کو وہ اپنی وراثت سمجھتے ہیں۔ انہوں نے حکومت کرنے کا فن انگریزوں سے سیکھا ہے اور اپنے آپ کو انگریزوں کا جانشین بنائے ہوئے ہیں۔ ایک وہ تھے جنہوں نے دوسرے ملک فتح کئے اور انہیں سلطنتِ اسلامیہ میں شامل کیا تھا۔ ایک یہ ہیں جنہوں نے اپنا ہی ملک فتح کر لیا ہے۔

ملک جو فتح کیا جاتا ہے اس کے باشندوں کو رعایا سمجھنا ضروری ہوتا ہے۔ انگریز ہمیں رعایا سمجھا کرتے تھے۔ اپنے بادشاہ بھی ہمیں رعایا سمجھتے ہیں مگر رعایا کی سمجھ بڑی اُلٹی ہے۔ اپنے آپ کو آزاد سمجھتی اور حکومت کرنے کا حق مانگتی ہے۔ انگریز بڑی دانشمند قوم تھی۔ ہمارے ملک میں انگریز نہ آتے تو ریل گاڑی بھی نہ آتی۔ ہمارا ملک خانساموں، بیروں، خوشامدیوں اور غداروں کے معاملے میں کبھی بھی خود کفیل نہ ہو سکتا۔ جاگیردار کوئی نہ ہوتا چند ایک جاگیردار اور باقی سب مزارعے اور غریب کسان نہ ہوتے۔ یہ انگریزی راج کی برکتیں تھیں۔

انگریز چلے گئے اور اپنی ''برکتیں'' یہیں چھوڑ گئے۔ اپنا ایک اصول بھی چھوڑ گئے۔ ''پھوٹ ڈالو، حکومت کرو'' یعنی رعایا کو ایک پلیٹ فارم پر، ایک جھنڈے تلے، ایک لیڈر کی قیادت میں متحد نہ ہونے دو۔ لوگوں کو اتنی سی روٹی دو کہ مریں بھی نہیں اور بھوکے بھی رہیں۔ انہیں بھوک کی اُس سطح پر لے جاؤ کہ وہ دماغ کی بجائے پیٹ سے سوچیں اور جانوروں کی طرح پیٹ کے چکر میں پڑے رہیں۔

ہمارے بادشاہوں نے ''مرنے بھی نہ دو، بھوکا بھی رکھو''۔ کے اصول میں نئے نئے تجربے کئے اور انسان کو دو ٹانگوں اور دو ہاتھوں والا جانور اور مویشی بنا دیا۔ انسان کا مقام تو بڑا ہی بلند تھا مگر مہنگائی اس بلندی سے بھی اوپر چلی گئی اور انسان نیچے آ پڑا۔ قیمتوں کے مصنوعی سیارے دُور اوپر جا کر خلا میں اڑ رہے ہیں اور انسان زمین پر آب و دانے کی مُشک لیتا پھر رہا ہے۔ وہ دو ہاتھوں والا جانور بن گیا ہے۔

روٹی تو بہرطور کما کھائے مچھندر! پیٹ پوجا کے لئے انسان ہاتھ کی صفائی دکھا رہا ہے۔ ہاتھ صاف کر جاتا ہے۔ ہاتھ دکھا جاتا ہے۔ رشوت دیتا بھی ہے لیتا بھی ہے اور کہتا ہے تالی دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے۔ اس ہاتھ دے اُس ہاتھ لے۔ پکڑا نہیں جاتا۔ ہاتھ پر ہاتھ مار کر نکل جاتا ہے۔ ضرورت پڑے تو ہاتھ بندھا غلام بن جاتا ہے۔ موقع لگے تو ہاتھوں سے گردن کاٹنے پر اُتر آتا ہے۔

جس خدا نے ہاتھ دیئے ہیں اُس کی نگاہ میں انسان ایک جیسا ہے مگر انسان کی نگاہ میں انسان ایک سا نہیں۔ کوئی بڑا ہے، کوئی بہت بڑا ہے، کوئی چھوٹا ہے، کوئی بہت چھوٹا ہے۔ سب ہاتھ کی صفائی ہے۔

مقدس ہیں وہ ہاتھ جو اُٹھتے ہیں، ظالم کا ہاتھ روکنے کے لئے، کسی اور کی نجات کی دُعا کے لئے، گرے ہوئے کو اٹھانے کے لئے، کسی کے آنسو پونچھنے کے لئے اور کسی کے زخموں کو سہلانے کے لئے اور کسی بے سہارا کو سہارا دینے کے لئے۔

ڈرو اس وقت سے جب سب سے بڑا ہاتھ یعنی قدرت کا ہاتھ حرکت میں آئے گا۔

▲✱▲

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

1 7000 روپے

سعودی عرب، کویت، اُردن، ایران، سری لنکا، ابوظہبی، بحرین، دوبئ، مسقط، قطر، شارجہ، بھارت، سوڈان، یوگنڈا، کینیا، نائیجیریا اور دیگر افریقی ممالک، مشرقی اور مغربی جرمنی، ڈنمارک، انگلینڈ، ناروے، سویڈن، فرانس، ملائشیا، سوئٹزرلنڈ، سنگاپور، ہانگ کانگ، آسٹریا، برونائی

2 7000 روپے

آسٹریلیا، کینیڈا، فجی، نیوزی لینڈ، بہاماز، وینزویلا، یونان، امریکہ، نورو، برازیل، چلی، کولمبیا، کیوبا، ارجنٹائن، جمیکا، میکسیکو، گریناڈا

- غیر ممالک سے رقوم بھجوانے کے لئے ”وقاص شاہد“ کے نام کا ڈرافٹ بنوائیں۔
- پاکستان کے علاوہ دوسرے ممالک وی پی نہیں جاتی، رقم پہلے بھجوانی ضروری ہے۔
- کتابوں پر ڈاک خرچ خریدار حضرات کے ذمہ ہوگا۔
- خط و کتابت اور بدلِ اشتراک روانہ کرتے وقت خریداری حوالہ نمبر لکھنا ضروری ہے۔

نوٹ تبدیلیٔ پتہ کی اطلاع مہینے کی پندرہ تاریخ سے پہلے دیجئے۔

26- پٹیالہ گراؤنڈ، لنک میکلوڈ روڈ، لاہور- فون: 042-37356541

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

ایٹم بم اور دوسرے مہلک ہتھیار استعمال کئے بغیر دشمن کو تباہ کرنے کا منصوبہ

ماحولیاتی ہتھیار

افضال مظہر انجم

سائنس کی حیرت انگیز ترقی سے دنیا پر نئی نئی ایجادات کے انکشافات ہو رہے ہیں۔
جہاں ایک طرف انسان انسانیت کو بچانے کی سر توڑ کوششوں میں مصروف ہے تو دوسری طرف نسلِ انسانی کی تباہی کا سامان بھی حضرت انسان کے ہی سپرد ہے۔ سپر طاقتیں مخالفین کو زیر کرنے اور دنیا کو اپنے زیر نگیں کرنے کے لئے ایسے ایسے تباہ کن منصوبوں پر عمل کر رہی ہیں۔ اپنے سائنسدانوں، انجینئر ز اور ریسرچ سکالرز کی خدمات ایسے ٹارگٹس کے لئے استعمال کر رہی ہیں جن کے پیچھے ان کے مفادات لیکن دوسرے کی تباہی کے سامان مضمر ہیں۔ سائنس کی طاقت کے بل بوتے پر سمندر پہاڑ میدان اور فضا تو زیر کی جا چکی ہے۔ اب قدرتی آفات پر

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

کنٹرول حاصل کر کے ان کو بطور ہتھیار استعمال کرنے کے کامیاب تجربات بھی کئے جا چکے ہیں۔ ماہرین کے مطابق امریکہ اور روس نے ماحولیاتی ہتھیار بھی بنا لئے ہیں جنہیں سائنسی زبان میں (Seismic Wedpons) کہتے ہیں جنہیں استعمال کر کے زمین کے کسی بھی خطے میں زلزلہ، طوفان یا سیلاب لایا جا سکتا ہے۔ درجہ حرارت میں تبدیلی لائی جا سکتی ہے۔

امریکہ کے قومی سلامتی کے مشیر برزنسکی نے ایک اہم کتاب (Between Two Ages) 1976ء میں لکھی جس میں یہ انکشاف کیا گیا کہ امریکہ کے سائنسدانوں نے ماحولیاتی ہتھیار بنا لئے ہیں۔ ان ہتھیاروں کا استعمال اتنا پیچیدہ ہے کہ عقل اور وہم دونوں اسے قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں لیکن 'کلوننگ' بھی انسانی عقل دنگ کرنے والا سائنسی شاہکار ہے۔ اگر سائنس دان ایک نسل سے دوسری نسل تبدیل کرنے کے اس تجربے میں کامیاب ہو سکتے ہیں تو ماحولیاتی ہتھیاروں کے بنانے میں کامیابی بھی اسی انسانی عقل کے استعمال کا نتیجہ ہے۔ برزنسکی اپنی دوسری کتاب (The Grand Chess Board) جو 1998ء میں منظر عام پر آئی لکھتا ہے کہ یورپ اور ایشیا دنیا کے دو اہم خطے ہیں جن پر دنیا کی اقتصادیات کی بنیاد ہے۔ ان پر کنٹرول حاصل کرنے کے لئے چین اور روس کو کمزور کرنا ہوگا۔ اس کے لئے امریکہ کو انتہائی قدم بھی اٹھانا پڑا تو گریز نہیں کیا جائے گا۔ ایشیا، یورپ میں دنیا کی 75 فیصد آبادی رہتی ہے اور دنیا کے تیل کا 75 فیصد ذخیرہ بھی یہاں پر ہی موجود ہے۔

لاطینی امریکی ممالک ہیٹی اور چلی کا زلزلہ، روس میں جنگلات میں آگ،

پاکستان میں 2010ء کا سیلاب امریکہ کے ماحولیاتی ہتھیار کا نتیجہ ہے؟

ماہرین کے نزدیک اب یہ سوال اٹھ رہے ہیں کہ کیا روس کے جنگلات میں لگنے والی آگ قدرتی طور پر لگی تھی یا یہ کسی ماحولیاتی ہتھیار کے استعمال کا نتیجہ تھا۔ ہیٹی میں آنے والا زلزلہ یا چلی میں آنے والا زلزلہ اور پاکستان میں 2010ء میں آنے والا سیلاب بھی انہی ماحولیاتی ہتھیاروں کے استعمال کا شاخسانہ تھے۔ روسی سائنسدان ڈاکٹر آندرے آرشیو (Dr. Andrey Areshev) کے اخبارات میں شائع ہونے والے انٹرویو کے مطابق "یورو ایشیا اور برصغیر میں طوفانی موسمی تبدیلیاں رُونما ہو رہی ہیں۔ میں نے 6 جنوری 2010ء میں Norway Time Hole کے نام سے ایک مضمون شائع کیا تھا جس میں متنبہ کیا گیا تھا کہ امریکہ نے ٹوٹل گلوبل وار، شروع کرنے کے لئے ہارپ Haarp نامی پروگرام شروع کر دیا ہے جس میں مصنوعی طریقے سے موسم تبدیل کیا جا سکے گا۔ اس پروگرام نے شمالی کرۂ ارض کو خطرات سے دوچار کر دیا ہے۔ ڈاکٹر آندرے نے امریکہ پر یہ الزام بھی عائد کیا کہ اُس نے لاطینی امریکہ کے ممالک چلی اور ہیٹی میں انہی ماحولیاتی ہتھیاروں کا تجربہ کر کے زلزلہ برپا کیا جس میں پانچ لاکھ افراد کو جان سے ہاتھ دھونا پڑے۔ ہیٹی جیسے چھوٹے ملک پر اپنا تسلط قائم رکھنے کے لئے امریکہ نے اس قسم کا تجربہ کیا کیونکہ زلزلہ آنے سے قبل ہی اس نے ہیٹی کے لئے فوجی دستے روانہ کر دیئے تھے۔ کیا امریکہ کو پیشگی پتہ تھا کہ اس ملک میں تباہی آنے والی ہے۔

مصنوعی آفات لانے کے لئے امریکی پروگرام ہارپ (Haarp)

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

جنوری 2001ء میں یونیورسٹی آف اٹاوہ (Otawa) کے پروفیسر مائیکل چوڈورکائی (Michel Chossudorsky) نے ایک آرٹیکل میں اس بات کا انکشاف کیا کہ روس اور امریکہ دونوں نے ہی ماحول کو اپنی مرضی سے تبدیل کرنے کی صلاحیت حاصل کر لی ہے۔ امریکہ جس ٹیکنالوجی کے تحت پروگرام تشکیل دے رہا ہے اسے ہارپ (High-frequency (Haarp) Active Auroral Research Programe کا نام دیا گیا ہے۔ جس کے تحت ریسرچ کرنے والے سائنس دان مصنوعی شعاعیں فضا میں بھیجتے ہیں۔ فضا میں جس مقام پر یہ شعاعیں بھیجتے ہیں اس کو آئنوسفئر (Ionosphere) کہتے ہیں۔ اس فضائی سطح پر جب یہ شعاعیں ٹکراتی ہیں جو خاص قسم کی تبدیلی، توانائی اور رنگ پیدا ہوتے ہیں جن کو آرورا (Aurora) کہتے ہیں۔ یہ شعاعیں ٹکرانے کے بعد واپس آتی ہیں اور مطلوبہ ہدف (زمین) سے ٹکراتی ہیں جس کی وجہ سے ماحول تبدیل ہو جاتا ہے۔ آئیونوسفیئر (Ionospere) فضا کی سب سے اوپر والی تہہ ہوتی ہے۔ یہ تہہ ایکسوسفیئر Exosphere اور تھرموسفیئر (Thermosphere) کے درمیان واقع ہوتی ہے۔ تھرموسفیئر زمین سے 400 کلومیٹر کے فاصلے پر فضا میں واقع ہوتی ہے جبکہ ایکسوسفیئر فضا کی وہ آخری تہہ ہوتی ہے جس کے بعد خلا (Sprace) شروع ہو جاتی ہے۔ زمین سے قریباً 600 کلومیٹر کے فاصلے پر یہ تہہ ہوتی ہے۔ ان دونوں کے درمیان آئنوسفیئر 500 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہوتی ہے۔ اس تہہ پر بجلی، گرج چمک اور ماحولیاتی تبدیلی کے آثار پیدا ہوتے ہیں۔ تجربات کرنے والے سائنسدان آئنوسفیئر پر ہی شعاعیں بھیجتے ہیں جہاں سے یہ زمین پر آتی ہیں۔ جب شعاعیں آئنوسفیئر سے ٹکراتی ہیں تو قطب شمالی اور قطب جنوبی پر خاص قسم کی رنگین روشنی پیدا ہوتی ہے جسے 'ارورا' کہا جاتا ہے۔ یہ روشنی رات کو نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔ اس تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ زلزلے، سیلاب، طوفان مصنوعی طور پر سے پیدا کیے جاسکتے ہیں۔

خلائی جنگ کے بعد ماحولیاتی جنگ سے نقصان پہنچانے کی دوڑ

دنیا کے مشہور سائنس دان روسالی برٹیل (Rosalie Bertell) کا کہنا ہے کہ "امریکی فوجی سائنسدان ماحولیاتی نظام پر کام کر رہے ہیں تاکہ اسے بطور ہتھیار استعمال کیا جاسکے"۔ سابق فرانسیسی فوجی افسر مارک فلٹرمین (Marc Filterman) نے اپنے مضمون میں مختلف غیر روایتی ہتھیاروں کے ذکر میں لکھا ہے کہ موسمی جنگ (Weather War) شروع ہو چکی ہے، امریکہ اور روس کے پاس پہلے ہی ایسی ٹیکنالوجی موجود ہے جس کو استعمال کر کے ماحول کی تبدیلی کے ذریعہ زلزلے اور طوفان لانے کے انتظامات کیے جاسکتے ہیں۔ ان ممالک کے پاس یہ ٹیکنالوجی 1980ء کی دہائی سے موجود ہے۔

بہرحال روس کے جنگلات میں لگنے والی آگ کے بارے میں ماہرین کہتے ہیں کہ روس میں اتنا درجہ حرارت نہیں تھا جس کی گرمی کی شدت سے آگ بھڑک اٹھتی۔ اسی طرح سے 2010ء میں پاکستان میں آنے والے سیلاب کی بھی محکمہ موسمیات کی جانب سے کسی قسم کی پیشنگوئی نہیں کی گئی تھی اور اس کے محرکات کا ماہرین ابھی تک سراغ نہیں لگا سکے۔ بہرحال یہ تو ایک تحقیق تھی جو دنیا کے مختلف ماہرین، چوٹی کے سائنسدانوں کی طرف سے کی گئی تھی اور عام آدمی اس پر رائے زنی کیسے کر سکتا ہے۔ یورپ امریکہ کے علاوہ روس، جاپان، چین جیسے ممالک تحقیق و جستجو کے معاملے میں ہم سے 50 سال

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

آگے نکل چکے ہیں۔ اُن کی حکومتوں، مخیّر حضرات اور اداروں کی طرف سے ریسرچ کرنے والوں کو وافر فنڈز اور کھلے مواقع حاصل ہوتے ہیں تبھی وہاں نئی سے نئی ریسرچ سامنے آتی رہتی ہے۔ میری ناقص رائے کے مطابق ضرور دنیا کے دو تین ممالک موسموں یا ماحول میں تبدیلی کے ذریعے کسی محدود علاقے میں ایسے تجربات کرنے میں کامیابی حاصل کر چکے ہوں گے لیکن یہ طریقہ کار کھلے عام استعمال میں نہیں لایا جا رہا اور نہ ہی آئندہ لایا جا سکے گا کیونکہ اس سے ان بڑے ممالک یا سپر طاقتوں کا سارا امیج خراب ہو کر رہ جائے گا۔ آپ دیکھیں کہ 1945ء کے بعد 70 سال کا عرصہ ہو چکا ہے لیکن امریکہ یا دوسری سپر پاور ایٹم بم کا استعمال دوبارہ نہیں کر سکی حالانکہ محدود تباہی کے لئے بھی اس سے زیادہ مہلک ہتھیار ایجاد ہو چکے ہیں۔ دوسرے اگر ایک ملک ماحولیاتی جنگ میں الجھے گا تو دوسری بڑی طاقت بھی پیچھے نہیں ہٹے گی۔ ہو سکتا ہے کہ ایسے ممالک نے اس قسم کے تجربات کسی ایسے علاقے میں کئے ہوں جس سے انسانی جانوں کو نقصان نہ پہنچتا ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ روس امریکہ کبھی کبھار چھوٹے ممالک پر ماحولیاتی جنگ کے وار کرتے رہتے ہوں لیکن دنیا کے دوسرے ممالک اپنی سائنسی کم علمی کی وجہ سے اُن کی اس حرکت کو سمجھ نہ سکنے کی وجہ سے یہ ممالک بے نقاب ہونے سے بچے رہیں اور اس معاملے میں انہوں نے ایکا کر لیا ہو۔ کیونکہ ایسی حرکات بے نقاب ہونے کی صورت میں دونوں ممالک کو ہی دنیا میں طعن و تشنیع کا نشانہ بننا پڑے گا۔ بہر حال سائنس موجودہ دور میں جس انتہا تک پہنچ چکی ہے یہ باور کرنے میں کوئی عار نہیں کہ یہ ممالک محدود علاقے میں ماحولیاتی تبدیلی پیدا کرنے کے کامیاب تجربات کر چکے ہیں لیکن اس کا کھلے عام استعمال کئی مصلحتوں کی وجہ سے رکاوٹ بنا ہوا ہے اور اسے یہ کس حد تک کس طرح سے استعمال کر رہے ہیں اس کے بارے میں کوئی حتمی رائے قائم نہیں کی جا سکتی۔

انڈیا کے واٹر بم سے تباہی

پاکستان جیسے ملک میں 1950ء سے اب تک آئے ہوئے 22 چھوٹے بڑے سیلابوں میں 12000 افراد موت کے منہ میں جا چکے ہیں اور شہری، دیہاتی جائیداد، فصلوں اور سرکاری عمارت کی صورت میں 4000 ارب روپے سے زائد کا نقصان ہو چکا ہے۔ 1960ء میں انڈیا کے ساتھ ہونے والے سندھ طاس معاہدہ کے تحت جس کے بعد پاکستان نے چار بڑے ڈیم بنانے تھے اور 400 نئی نہروں کی تعمیر کرنا تھی لیکن جنرل ایوب خان کے جانے کے بعد 46 سال کے عرصہ میں ایک ڈیم بھی تعمیر نہیں کیا جا سکا جس کی وجہ سے بجلی کا بحران تو شدید تر ہوتا چلا گیا لیکن سیلاب آنے کی صورت میں پانی کے ذخیرہ کی گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے تباہی و بربادی بھی ہوتی رہی، عوام بھی ڈوبتے رہے اور معیشت کو بھی نقصان پہنچتا رہا۔

اس کے ساتھ ساتھ ہمارا ہمسایہ ملک انڈیا جو پاکستان کے قیام کے روز سے ہی مملکتِ خداداد پاکستان کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتا اپنے مذموم کاموں میں مگن رہا۔ ہمارے ملک میں ایک سے بڑھ کر ایک لٹیری اور کرپٹ حکومت کے آنے اور نااہل حکمرانوں کے اقتدار پر بیٹھنے کی وجہ سے ملک کی تعمیر و ترقی کے کام، عوام کو سیلاب سے ہونے والی تباہی سے محفوظ رکھنے کے پراجیکٹ لٹکائے جاتے رہے۔ انڈیا نے ہماری اس نااہلی اور غفلت کا پورا پورا فائدہ اٹھانا شروع کیا اور ہر ایسا کام کیا جس سے ہمارے ملک کو نقصان پہنچ سکے۔ عوام کی تباہی کی جا سکے، ہماری معیشت پر وار کیا جا سکے۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

دریائے سندھ پر 9 ڈیمز بنا کر پاکستان کی شہ رگ کاٹنے کا منصوبہ

یہ ڈیم لداخ کے بلند علاقہ میں بنائے جائیں گے۔ 1960ء سندھ طاس کے معاہدے کے بعد سے ہی بھارت پاکستان پر واٹر بم جیسے پراجیکٹ بنا کر ہماری معیشت کو برباد کرنے کے منصوبے بنا رہا ہے۔ انہی میں لداخ کے علاقے میں دریائے سندھ پر 9 ڈیمز بنا کر پاکستان کی شہ رگ کاٹنے کے منصوبہ پر عمل درآمد کا پروجیکٹ بھی شامل ہے۔ یہ سارے ڈیمز 1055 میگا واٹ بجلی پیدا کریں گے۔ پاکستان کے معروف آبی ماہر راشد حسین نے بھارت کی اس مذموم حرکت کا انکشاف 2012ء میں اُس وقت کے وزیراعظم یوسف رضا گیلانی کو لکھے گئے اپنے اہم خط/ رپورٹ میں کیا۔ اس خط میں یہ انکشاف کیا گیا کہ بھارت پہلے ہی نموباز گو اور چوتک پراجیکٹس مکمل کرنے والا ہے۔ ان منصوبوں سے پیدا ہونے والی بجلی سیاچین گلیشیر پر موجود بھارتی فوج استعمال کرے گی۔ نموباز گو ڈیم دریائے سندھ پر بنایا جا رہا ہے جبکہ 42 میٹر بلند چوتک پراجیکٹ دریائے سندھ میں گرنے والے سورو دریا پر بنایا جا رہا ہے۔ ان دونوں ڈیمز کی پانی سٹور کرنے کی گنجائش 12 کروڑ کیوسک میٹرز ہے۔ بھارت پاکستان کو بنجر کرنے کے لئے سندھ دریا پر بھی 11 پن بجلی پراجیکٹ بنانے کی منصوبہ بندی کر چکا ہے۔

موجودہ سیلاب میں 'واٹر بم' کا استعمال

بھارت بعض اوقات پاکستان کے دریاؤں کا پانی روک کر خشک سالی جیسے حالات پیدا کرنے کی گھناؤنی وارادات میں ملوث ہوتا ہے اور بعض دفعہ ضرورت سے زائد پانی پاکستانی حکومت کو پیشگی اطلاع دیئے بغیر اور اچانک چھوڑنے سے ملک کے طول و عرض میں پھیلے

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

سینکڑوں دیہاتوں کی تباہی کا باعث بنتا ہے۔ موجودہ سیلاب کا طوفانی ریلا بھی اس بات کا تازہ ترین ثبوت ہے۔

دریائے چناب پاکستان کا دوسرا بڑا دریا ہے جس پر ہماری زراعت کا دارومدار ہے۔ اس دریا سے کئی نہریں نکلتی ہیں جو ہمارے کھیتوں کو سیراب کرتی ہیں۔ دریائے چندرا اور دریائے بھاگا کے یاروئی ہمالیہ میں ٹنڈی کے مقام پر ملاپ سے بنتا ہے جو بھارت کی ریاست ہماچل پردیش کے ضلع راحول میں واقع ہے۔ چناب صوبہ ہماچل اور مقبوضہ کشمیر کی سرحد کے ساتھ ساتھ بہتا ہوا جموں کے ضلع ڈوڈا کی تحصیل کشتواڑ میں داخل ہوتا ہے۔ مقبوضہ کشمیر میں اس کے بہاؤ کا آخری مقام اکھنور ہے۔ اسی مقام پر ہونے والی واٹر ڈسچارج آبزرویشن سے پتہ چلتا ہے کہ چناب میں بھارتی علاقہ سے کتنا پانی پاکستان میں داخل ہوا۔ اکھنور کے بعد یہ دریا پاکستان کے ضلع سیالکوٹ میں داخل ہوتا ہے۔ ہیڈ مرالہ سے اس کے پانی کو ریگولیٹ کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد یہ چلتا چلتا ضلع جھنگ میں تریموں کے مقام پر دریائے جہلم سے ملتا ہے۔ اس کے بعد دریائے راوی کو ملاتا ہوا اوچ شریف کے مقام پر دریائے ستلج سے مل کر پنجند کے مقام پر مٹھن کوٹ میں دریائے سندھ میں جا گرتا ہے۔

دریائے چناب کی لمبائی 960 کلومیٹر ہے اور سندھ طاس معاہدہ کی رُو سے اس کے پانی پر پاکستان کا حق ہے۔ دریائے چناب میں موجودہ سیلاب کے ریلے کے متعلق بھارتی حکام نے آگاہ کیا تھا کہ ساڑھے تین لاکھ کیوسک کا ریلا اس دریا میں سیلابی شکل میں آ رہا ہے اور پاکستانی حکام معمول کے مطابق دریا کے چلنے کی وجہ سے اطمینان سے بیٹھ رہے لیکن یہ سیلابی ریلا 7 لاکھ کیوسک کو بھی کراس کر گیا تو اس وقت ان کے کان کھڑے ہوئے کہ ہمارے ساتھ تو دھوکہ ہو چکا ہے اور ہمیں بھارتی حکومت نے غلط اطلاعات فراہم کی تھیں۔

بھارت نے سلال اور بگلیار ڈیم میں دو سال کا ذخیرہ شدہ 4 لاکھ کیوسک پانی بھی بارشوں کے پانی کے ساتھ چھوڑ دیا تھا اور یہ کل 7 لاکھ کیوسک کی مقدار بن گیا جو پاکستانی علاقے میں تباہی پھیلاتا چلا گیا۔ بارش کا سیلابی پانی صرف 35 فیصد پانی پر مشتمل تھا باقی کا 65 فیصد پانی بھارت کے ڈیموں میں جمع شدہ پانی تھا جو ایک دم بارش کے پانی کے ساتھ چھوڑا گیا تھا حالانکہ ڈیم میں جمع ہونے والے فالتو پانی کو وقت کے ساتھ تھوڑا تھوڑا خارج کیا جاتا تو اتنی تعداد میں ذخیرہ شدہ پانی چھوڑنے کی نوبت نہ آتی جو زبردست تباہی کا باعث بنتی لیکن ایسا نہیں کیا گیا۔ جب پانی کا اتنا بڑا ریلا اپنی پوری رفتار سے پاکستان میں داخل ہوا تو سیالکوٹ، جھنگ، ملتان، مظفرگڑھ کے بعد سندھ کے علاقوں، سکھر، خیرپور میں شدید تباہی پھیلاتا چلا گیا۔

گویا انڈیا نے دانستہ اس غلطی کا ارتکاب کر کے ایک کروڑ سے زائد افراد کو پانی میں ڈبو کے رکھ دیا۔ 30512 گھر تباہ و برباد ہو گئے۔ 350 افراد اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ 2000 کے قریب سکول تباہ و برباد ہو گئے، ہسپتالوں، ڈسپنسریوں اور دیگر سرکاری عمارتوں کی تباہی اپنی جگہ، اربوں روپے کی فصلیں تباہ و برباد ہو کر رہ گئیں۔ واقعی دانا دشمن کے ''واٹر بم' کے استعمال کرنے سے جنگ کیے بغیر ایسی تباہی ہوئی جو جنگ کے دوران بھی نہ ہو سکتی تھی۔ اس واٹر بم کے مقابلے میں ہمارے حکمران، سیاسی جماعتیں 45 سال سے اس بات پر ہی جھگڑ رہے ہیں کہ کالا باغ ڈیم بنانا چاہیے یا نہیں، بنے گا تو ہماری لاشوں پر بنے گا وغیرہ کالا باغ ڈیم کی مخالفت کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ ہر سال ویسے ہی ڈبو دیتا ہے۔ اب بھی وقت ہے سنبھل جاؤ اور اپنے اصلی دشمن کو پہچانو۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

سازشی تھیوری اور اسلام (2)

عالم کفر کسی صورت نہیں چاہتا کہ کسی اسلامی ملک میں صحیح اسلامی قوانین کا نفاذ ہو جائے کیونکہ اکثر لوگوں نے اسلامی نظام کی برکات دیکھ لیں تو اشتراکیت اور سرمایہ دارانہ نظام اپنی موت آپ مر جائے گا۔

☆ 0314-4652230 محمد افضل رحمانی

جنرل محمد ضیاء الحق

جنرل محمد ضیاء الحق کا کردار فوجی اور سیاسی اعتبار سے یقیناً بے مثال ہے۔ شپرہ چشم، دانشور تسلیم نہیں کرتے تو نہ کریں لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ تاریخ کے ایک انتہائی نازک موڑ پر موصوف نے نہ صرف پاکستان کی سالمیت کا تحفظ کیا نہ صرف مشرق وسطیٰ کا نقشہ مسخ ہونے سے بچایا بلکہ روس کی کمر توڑ کر رکھ دی۔ یوگوسلاویہ سے اور مشرقی یورپ سے لے کر وسطِ ایشیا تک بہت سے ممالک کی آزادی کا سبب بن گئے۔ پروگرام کے مطابق اگر روس خدانخواستہ بلوچستان پر قابض ہو جاتا اور بحیرہ عرب اور خلیج فارس پر قبضہ کر لیتا تو لازماً سعودی عرب اور

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

عرب امارات کے تیل کے چشموں پر قبضہ کرنے کی کوشش کرتا۔ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس صورت میں حرمین الشریفین کا تقدس بھی خطرے میں پڑ جاتا اور یہ بات خود ضیاء الحق نے مولانا محمد متین ہاشمی مرحوم کو اس وقت بتائی جب وہ اسلامی نظریاتی کونسل کے دورے پر آئے کہ امریکہ متعدد بار مجھے وارننگ دے چکا ہے کہ ہر حوالے سے ہم آپ کی مدد کرنے کے لئے تیار ہیں لیکن اگر آپ نے اسلامی نظام نافذ کیا تو ہم آپ کو ہرگز برداشت نہیں کریں گے۔

ضیاء الحق نے مولانا کو بتایا کہ مجھے انتظار تھا کہ کسی طرح روس شکست کھا کر افغانستان سے نکل جائے۔ اب وہ نکل گیا ہے میری زندگی کا مقصد پورا ہو گیا ہے۔ اب میں لازماً ملک میں اسلامی نظام نافذ کروں گا بلکہ اس سے بڑھ کر موصوف کے ذہن میں کشمیر کی آزادی کا خواب اور افغانستان میں خائب و خاسر ہو کر لوٹ جانے والے سوویت یونین کی زنجیریں جکڑے مسلمانوں کی آزادی، پاکستان ایران، ترکی اور آزاد افغانستان پر مشتمل ایک اتحاد کی تشکیل جو مسلمانوں کی آزادی کو مکمل کر دے اور صدیوں کے ادبار سے انہیں نجات دلا دے مگر افسوس ان کی اپنی قوم ان کے اس خواب کی رفعت سے آشنا نہ ہو سکی لیکن روسیوں نے اسے جان لیا جنہیں اپنی تاریخ کی سب سے زیادہ المناک شکست کا سامنا کرنا پڑا اور امریکہ تو اسے بخوبی جان چکا تھا جس نے ایٹمی پروگرام اور ایرانی پالیسی پر سمجھوتہ کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

ضیاء الحق نے اپنے پیچھے کوئی جماعت نہ چھوڑی لیکن بے شمار دلوں میں وہ اب بھی زندہ ہیں ان کی شہادت کے بعد 1989ء اور 1990ء کو اتنے لوگ اسلام آباد جمع ہوئے کہ اس شہر نے اپنی تاریخ میں ایسا کوئی اجتماع نہیں دیکھا تھا انہوں نے ایک ایسی جنگ لڑی جسے عجیب ہی کہا جا سکتا ہے۔ تاریخ انسانی کی بڑی چھاپہ مار جنگ تاریخ کی سب سے زیادہ خفیہ جنگ، اپنی قوم اور فوج کے بغیر ایک خفیہ ادارے کے بل پر جنگوں کی تاریخ میں پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا تھا اور شاید آئندہ بھی کبھی ایسا نہیں ہو سکے گا۔ ستم در ستم یہ ہے کہ پاکستان کی سیاسی قیادت حقائق سے بے بہرہ تھی۔ وہ افغانستان میں اس عظیم فتح کی بجائے جو پاکستان کو ایک نئے عہد میں داخل کر دیتی۔ افغان مسئلے سے جلد از جلد نجات کے آرزومند تھے جیسے کوئی بے خبر اور بزدل آدمی جھگڑا چکانے کے لئے ہر شرط ماننے پر آمادہ ہوا۔

اَلْکُفْرُ مِلَّۃٌ وَاحِدَۃٌ

27 دسمبر 1979ء کو روسی افغانستان میں داخل ہوئے اور 1988ء کے آغاز میں گورباچوف اور رونالڈ ریگن کے درمیان افغانستان پر ایک خاموش مفاہمت ہو گئی بظاہر دونوں بڑے ملک اس پر متفق ہو گئے کہ روسی افواج افغانستان سے نکل جائیں گی اور اس عمل میں امریکہ اس حد تک تعاون کرے گا کہ یہ ایک توہین آمیز شکست دکھائی نہ دے ان کے درمیان اس پر بھی اتفاق ہو گیا کہ افغانستان میں ان خطرناک "بنیاد پرستوں" کی حکومت نہ بننے دی جائے۔ گورباچوف نے اعلان کر دیا کہ جنیوا میں معاہدے پر دستخط ہوں یا نہ ہوں روسی فوجی افغانستان سے چلے جائیں گے۔ ضیاء الحق اس بات پر اڑے ہوئے تھے کہ کابل میں ایسی عبوری حکومت قائم کر دی جائے جس میں اصل قوت آزادی کے لئے ایک عشرے کی جدوجہد کرنے والے پاکستان دوست افغان مجاہدین کے ہاتھ ہو۔

مومنانہ فراست و جرأت اور تڑپ

ضیاء الحق کے سیاسی مخالفین ہی نہیں، آغا شاہی سمیت دفتر خارجہ بھی روس سے نبرد آزما ہونے کے حق

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

میں نہیں تھا۔ خارجہ دفتر والوں کا کہنا یہ تھا کہ پاکستان فلسطینیوں کی حمایت کرنے والے عرب ممالک کے سے انجام سے دوچار ہوسکتا ہے۔ دفتر خارجہ کے افسر کہتے تھے کہ روسی جب کسی ملک میں داخل ہوتے ہیں تو پھر وہاں سے انہیں کوئی نکال نہیں سکتا۔ جواب ملا کہ افغانیوں کی تاریخ بھی یہی ہے کہ اُن کے ملک میں آج تک کوئی ٹھہر نہیں سکا۔ 27 دسمبر 1979ء کو روسی افغانستان میں داخل ہوئے تھے انہوں نے حفیظ اللہ امین کو قتل کر ڈالا۔ ان کے دیوہیکل ٹرانسپورٹ طیارے اسلحہ لے کر افغانستان کے ہوائی اڈے پر اترنے لگے۔ ببرک کارمل نے روس کے بخ شعبہ ریڈیو سے پہلی بار اپنی قوم سے خطاب کیا اسے غیر ملکیوں نے اپنی قوم کا آقا بنا دیا تھا۔ اب ایک نیا اور زیادہ بھیانک خطرہ پاکستان کی سرحدوں پر دستک دے رہا تھا۔ شہید ضیاء الحق نے دفتر خارجہ کو اسلام آباد میں اسلامی سربراہی کانفرنس بلانے کی ہدایت کی۔ کانفرنس کی تیاریوں کے دوران دارالحکومت میں بلائے گئے اخبار نویسوں میں سے ایک نے جو جنرل سے کسی قدر بے تکلفی رکھتا تھا، سوال کیا کہ کیا دنیا پاکستان کی مدد کو آئے گی۔ جنرل کا جواب تھا دنیا کمزور اور تنہا لوگوں کی مدد نہیں کرتی ہمیں حالات کا مقابلہ کرنا ہے اور جب ہم کچھ کر دکھائیں گے تو دنیا والے بھی آ پہنچیں گے۔

اسّی ہزار روسی فوج افغانستان کے شہروں، پہاڑوں اور وادیوں میں داخل ہو چکی تھی۔ بھاری بھرکم اور جدید ترین اسلحہ سمیت سوال یہ تھا کہ اب اس کا سامنا کیسے کیا جائے۔ اس سوال کا جواب تلاش کرنے کے لئے جنرل اختر عبدالرحمٰن کو ذمہ داری سونپی گئی۔ ”کسی طرح پاکستان کے لئے دو سال حاصل کر لو“۔ جنرل ضیاء الحق نے جنرل اختر سے اس طرح کہا جیسے ایک بیمار بچے کا باپ ڈاکٹر سے کہے۔ وہ سمجھتے تھے کہ وہ اس اثنا میں دنیا سے مدد حاصل کرنے کے قابل ہو جائیں گے لیکن جب جنرل اختر نے اپنی رپورٹ جنرل کو پیش کی تو وہ حیرت زدہ رہ گئے یہ روسیوں کو افغانستان میں الجھائے رکھنے کا نہیں بلکہ آمو دریا کے اُس پار دھکیلنے کا منصوبہ تھا اور پھر جو کچھ ہوا وہ دنیا کے سامنے ہے۔ وہ بھی جنرل ہی تھا جو بش کے ایک فون پر گھٹنے ٹیک گیا تھا جس کا خمیازہ آج تک قوم بھگت رہی ہے۔ آج جنرل ضیاء الحق کو امریکہ کا پٹھو اور افغان جہاد کو امریکہ کی جنگ کہنے والے عقل سے پیدل لوگوں کو معلوم ہی نہیں کہ جب افغان جہاد شروع ہوا تب امریکہ کی دلچسپی کا دور دور تک سایہ نہ تھا۔ یہ تو بعد میں جب اس نے دیکھا کہ پاکستان کی وجہ سیاس کے حریف کو شکست ہو رہی ہے تب ”بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹے“ کے مصداق اس نے ہر طرح کی مدد کی پیشکش کی جسے جنرل ضیاء الحق نے غیرت کا سودا کئے بغیر منظور کر لیا۔ اس کے پس پردہ حکمت عملی یہ تھی کہ امریکہ کا اعتماد حاصل کرتے ہوئے اندر کھاتے پاکستان کو ایٹمی قوت بنا دیا جائے اور یہی ہوا۔

1984 میں پاکستان ایٹم بم بنانے میں کامیاب ہو چکا تھا لیکن اسے خفیہ رکھا گیا اور مجبوراً بھارتی دھماکوں کے جواب میں 28 مئی 1988ء میں جب نواز شریف وزیراعظم تھے، پاکستان نے ایٹمی دھماکوں کے ذریعے اس راز سے پردہ اٹھا دیا۔ میرے خیال میں پاکستان کو ایٹمی طاقت بنانے کا سہرا بھی ضیاء الحق کے سر پر سجتا ہے۔ جنرل ضیاء الحق نے ملک میں اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے ابتدائی طور پر صلوٰۃ کمیٹیاں بنائیں، نظام زکوٰۃ جاری کیا، حدود آرڈی ننس نافذ کئے، سردار دو جہاں کی عفت و عصمت کے لئے بلاسود بینکاری کا ابتدائی نظام نافذ کرنے کی کوشش کی، ختم نبوت کے ڈاکوؤں کو لگام چڑھائی، نیوز کاسٹر کو دوپٹہ اوڑھنے کا پابند کیا، ریڈیو اور ٹی وی پر اذان شروع کرائی، سیرت کانفرنسوں کا اہتمام کیا، علماء کرام اور مشائخ کو ان کا جائز مقام دلانے کی کوشش

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

کی، حافظ قرآن کو تعلیمی اداروں میں بیس نمبر اضافی دلائے، پاک فوج میں خطیب حضرات کے مشاہروں اور دوسری مراعات میں اضافہ کیا۔ خطاب سے پہلے حمد وثناء کا رواج ڈالا، موصوف خود بھی خطاب سے پہلے خدا کی حمد اور رسول اللہ کی ختم نبوت کا تذکرہ ضرور کرتے تھے اور عربی زبان میں مختصر خطبہ ضرور پڑھا کرتے تھے۔ خود پانچ وقت کے نمازی تھے اور باجماعت نماز کا اہتمام کیا کرتے تھے۔ بیرونی ممالک کے دوروں میں بھی باجماعت نماز کا اہتمام کیا جاتا تھا۔ جس ہوٹل میں ٹھہرتے وہاں جائے نماز اور شناخت قبلہ اور وضو کا انتظام میزبان حکومتوں کے لئے ضروری ہوا کرتا تھا۔ ہمراہی وزراء اور سفراء کے لئے بھی نماز باجماعت ضروری تھی۔ میرے خیال میں پاکستان کا یہ پہلا صدر ہے جو فرضی نمازوں کے علاوہ شب بیدار بھی تھا اور نمازِ تہجد ادا کیا کرتا تھا لیکن وہ انسان تھا فرشتہ نہیں تھا اس سے غلطیاں بھی ہوئی ہوں گی جو انسانی فطرت ہے مگر یہ حقیقت ہے کہ ان کے دور میں امن وامان کی صورتِ حال قابل رشک تھی۔ مہنگائی کا عالم بھی یہ نہ تھا جو مشرف دور سے ایسا بے لگام ہوا کہ ابھی تک بے لگام ہی ہے۔ گیس اور بجلی کی لوڈشیڈنگ نام کو نہیں تھی۔ عوام جمہوریت کا کیا کریں نہ یہ کھانے کے کام آتی ہے نہ پہننے کے اس سے پنکھا اور بلب بھی نہیں جلایا جاسکتا۔ بقول شخصے بموں سے لوگوں کو مارنا دہشت گردی کہلاتا ہے اور بھوک سے مارنا جمہوریت۔

فوجی حکومتیں یا آمریت

کبھی آپ نے غور کیا کہ پاکستان میں بار بار مارشل لاء کیوں لگتا رہا؟ اس کا مختصر جواب ہے۔ ''سیاستدانوں کی نااہلی نہ کہ فوجی جرنیلوں کی ہوس اقتدار'' اور پھر مارشل لاء تو جمہوری حکمرانوں کے لئے ایک نعمت غیر مترقبہ ہے اگر ایوب خاں مرحوم کا مارشل لاء نہ آتا تو بھٹو صاحب کا سیاسی قد کاٹھ اس مرتبہ تک نہ پہنچتا۔ ضیاء الحق نہ آتے تو میاں صاحبان کے نام سے بھی کوئی واقف نہیں تھا۔ مشرف آئے تو چوہدری برادران کے وارے نیارے ہو گئے۔ ضیاء الحق نے جن نازک موقعے پر عنانِ اقتدار سنبھالی جب کہ ملک خانہ جنگی کے دہانے پر پہنچ چکا تھا۔ اس وقت کے حالات لکھوں تو موضوع سے ہٹ جاؤں گا۔ جاننے والے جانتے ہیں کہ اُن سنگین حالات میں فوج کی مداخلت عین حب الوطنی اور وقت کا تقاضا تھا اور اس وقت سیاستدان جو بلی چوہے کا کھیل کھیل رہے ہیں جنرل راحیل کا تماشائی کا کردار اس بات کا بین ثبوت ہے کہ فوج اپنے آپ کو سیاست میں ملوث نہیں کرنا چاہتی اور اگر سیاستدان یونہی دھینگا مشتی میں مصروف رہے تو نظریہ ضرورت کے تحت مجبوراً جنرل راحیل کو مداخلت کرنی پڑتی تو آپ انہیں آمر یا ڈکٹیٹر نہیں کہہ سکتے بلکہ وہ تو ایک مصلح کا روپ دھاریں گے۔ گو میں ذاتی طور پر فوج کے سیاست میں ملوث ہونے کو ٹھیک نہیں سمجھتا لیکن اگر سیاستدان فوج کو مجبور کر دیں تو ایسی ناگوار صورت حال کا ذمہ دار کون ہوگا، فوج یا سیاستدان؟

ناقدری کی حد ہوگئی

سیاسی بزرجمہروں کی ضیاء الحق سے دشمنی یا مخاصمت تو سمجھ میں آتی ہے لیکن افسوس علماء اور مشائخ نے بھی اس مردِ مومن کی قدر نہ کی جس کی وجہ سے انہیں نام ملا تھا۔ مولانا فضل الرحمٰن اور علامہ احسان الٰہی ظہیر آنجہانی صدر کے سخت ترین مخالفوں میں سے تھے جن میں اوّل الذکر تو ماشاء اللہ ابھی زندہ ہیں اور فخر سے کہتے ہیں کہ ہم نے آمریت کے خلاف جدوجہد کی۔ علامہ احسان کی تقریریں آج بھی محفوظ ہیں جو انہوں نے عوامی جلسوں میں جنرل ضیاء الحق کے خلاف کی تھیں اور پھر بدقسمتی سے

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

جنرل مرحوم کے دور میں ہی علامہ احسان الٰہی کو ہلاک کر دیا گیا تو جماعت اہل حدیث نے ان کی ہلاکت کا ذمہ دار جنرل مرحوم کو ہی ٹھہرایا تھا مگر بعد میں جلد ہی پتہ چل گیا کہ ان کے قاتل کون تھے۔ ضیاء الحق علماء کے قدردان تھے، میں تصور بھی نہیں کر سکتا کہ جنرل مسلم امہ کے ایک عظیم سپوت کو قتل کرا سکتے ہیں۔ علامہ احسان بے شک میرے مسلک سے تعلق نہیں رکھتے تھے لیکن میرے نزدیک ان کی ہلاکت مسلم امہ کے لئے کسی سانحہ سے کم نہ تھی۔ کاش! قوم نے جنرل ضیاء الحق کی قدر کی ہوتی۔

اب ہم دیکھیں گے کہ جمہوریت کے ذریعے کب اسلام آتا ہے۔ غیر اسے سمجھ چکے تھے اسی لئے اُسے راستے سے ہٹانے کا فیصلہ ہو گیا۔ 14 اپریل 1988ء کو جنیوا میں ایک معاہدے پر دستخط کردیء گئے جس کے تحت روسی افواج کو فروری 1989ء تک افغانستان سے نکل جانا تھا۔ معاہدے پر پاکستان اور کابل کی انتظامیہ کے علاوہ امریکہ نے ضامن کی حیثیت سے دستخط ثبت کئے۔ ملک کی سیاسی جماعتوں کی حمایت سے وزیراعظم جونیجو نے معاہدے پر دستخط کرنے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ 14 اپریل 1988ء کو جنیوا میں پاکستان اور کابل انتظامیہ نے ایک معاہدے پر دستخط کر دیئے جس کے تحت روسی افواج کو 15 فروری 1989ء تک افغاناستان سے نکل جانا تھا۔ ضیاء نے اس مشکل صورت حال میں بھی کابل میں مجاہدین کی حکومت کے لئے کوشش جاری رکھنے کا فیصلہ کیا لیکن اب اس خطے میں امریکہ اور روس کے مفادات ایک ہو گئے تھے۔ چنانچہ ایک منصوبے کے تحت صدر اور وزیراعظم کے اختلافات میں شدت پیدا کی گئی جس کے نتیجے میں صدر نے 29 مئی 1988ء کو وزیراعظم کو برطرف کیا اور پھر دل و جان سے ملک میں مکمل اسلامی نظام نافذ کرنے کی ٹھان لی مگر اور اسے عملی جامہ پہنانے سے صرف چند روز پہلے امریکہ نے اندرونی سازشی عناصر کو استعمال کرتے ہوئے جنرل کے C-130 کو خیرپور ٹامیوالی کے قریب تباہ کرا دیا۔

امریکہ کی پھرتیاں اور اسلامی سٹیٹ

(آئی ایس آئی ایس)

اسلامی سٹیٹ جس نے حال ہی میں عراق اور شام کے وسیع علاقوں پر قبضہ کرلیا ہے اور جس کا دعویٰ ہے کہ وہ خلافت اسلامیہ کے لئے جہاد کر رہے ہیں۔ تجزیہ نگاروں کے نزدیک اُن کی کامیابیاں حیرت انگیز ہیں اور اُن کے پاس وافر اسلحہ اور پیسہ بھی موجود ہے اور تربیت یافتہ افراد کی بھی کمی نہیں۔ خدا جانے اس گروہ کے عزائم کیا ہیں کیونکہ اتنے سٹرانگ میڈیا کے دور میں بھی ان کی اس تحریک کے اغراض و مقاصد تفصیل سے سامنے نہیں آ سکے یا جان بوجھ کر لائے نہیں جا رہے۔ لہٰذا میں فی الحال ان کے بارے میں کوئی رائے قائم کرنے سے قاصر ہیں۔ علاوہ ازیں علمائے دین نے بھی اُن کے اس دعوے سے اتفاق نہیں کیا۔ ظاہر ہے جب تک علمائے دین ان کے اس پروگرام کو جہاد قرار نہ دیں تب تک مسلمانوں کی غالب اکثریت اسے جہاد ماننے کو تیار نہیں ہوگی۔ پورے عالم اسلام میں ابھی تک کسی مفتی نے اُن کے بارے میں فتویٰ نہیں دیا کہ وہ واقعی اسلامی جہاد کر رہے ہیں حتیٰ کہ القاعدہ اور طالبان بھی خاموش ہیں۔ سوائے افریقی ملک کی ایک تنظیم ''الشباب'' کے کسی نے تادم تحریر ان کی حمایت میں کوئی بیان نہیں دیا لیکن امریکہ اور اس کے اتحادی ممالک کی رات کی نیندیں حرام ہو چکی ہیں۔ شاید وہ بات کی تہہ تک پہنچ چکا ہے کہ کہیں اسلامی سٹیٹ کی دیکھا دیکھی اور تنظیمیں بھی اس راہ پر نہ چل نکلیں۔

جہاد کے لفظ سے امریکن لابی اور صیہونی طاقتیں لرزہ براندام ہو جاتی ہیں حالانکہ اگر کوئی فوری خطرہ اسلامی سٹیٹ سے ہے تو وہ مشرق وسطیٰ کو ہے خصوصاً

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

شام، سعودی عرب، ایران وغیرہ کو۔ ''سو کوس دریا شلوار موڈھے تے'' کا پنجابی محاورہ امریکہ اور اس کے اتحادیوں پر فٹ آتا ہے اور طریقہ کار وہی ہے جو میں پیچھے عرض کر چکا ہوں۔ اپنی زمینی فوج عراق بھیجنے کو تیار نہیں بلکہ عراق کی نئی حکومت کو اسلحہ اور پیسہ دے رہا ہے تاکہ آپس میں ایک دوسرے کو ماریں اور مریں۔ کردوں کو اسلحہ دیا جا رہا ہے مگر بڑے محتاط طریقے سے کہ کہیں وہ اتنے طاقتور نہ ہو جائیں کہ عراقی حکومت کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں کیونکہ عراقی حکومت امریکہ کی کٹھ پتلی ہے اور خود صاحب بہادر صرف فضائی حملے کرنے تک ہی محدود ہے اور تادم تحریر اسلامی سٹیٹ کے ٹھکانوں پر ڈیڑھ سو سے زائد فضائی حملے کئے جا چکے ہیں جن کا سلسلہ روز بروز جاری ہے اور ابھی تک پچاس ملکوں کی حکومتوں کو اپنے ساتھ ملا چکا ہے اور سب نے اسلامی سٹیٹ کے خلاف دامے، درمے، سخنے تعاون کرنے کی یقین دہانی کرا دی ہے لیکن اس کا کیا بنے گا کہ ان ملکوں کے اپنے شہری سینکڑوں کی تعداد میں اسلامی سٹیٹ کے شانہ بشانہ جنگ میں حصہ لے رہے ہیں۔ کیا امریکہ کے لئے یہ بہتر نہیں تھا کہ صدام حکومت کو نہ چھیڑا جاتا اس کی حکومت بزور طاقت ختم کر کے امریکہ کے کون سے مفادات کا تحفظ ہوا ہے اور عراق میں ایک مثالی حکومت قائم ہو گئی ہے۔ میرے خیال میں نہ مستحکم حکومت قائم ہو سکی ہے اور امریکی مفادات سخت خطرے میں پڑ گئے ہیں لیکن اس کے باوجود امریکہ کی مسلم کش پالیسی کامیاب جا رہی ہے۔ اسلامی سٹیٹ والے بھی مسلمان، کرد بھی مسلمان، عراقی حکومتم بھی مسلمان ان تینوں دھڑوں کو ایک دوسرے کو قتل کرنے پر لگا دیا ہے لیکن ہے بڑا عیار صرف کمزور ملکوں پر چڑھائی کرتا ہے وہ بھی اکیلا نہیں بلکہ نیٹو ممالک اور دوسرے دوست ممالک کو ساتھ لے کر لیکن اس کے باوجود کہیں بھی کامیابی نہیں ملی۔ زخمی ریچھ سے بہت ڈرتا ہے اور یوکرائن کے متعلق صرف بیان بازی پر ہی اکتفا کرتا ہے۔ وہاں جرأت نہیں پڑی کہ روس کے خلاف ایک پٹاخہ بھی چلا دیتا۔ شمالی کوریا کے خلاف اب تو بیان بازی بھی نہیں کرتا۔ ایران نے آنکھیں دکھائیں تو انگور کھٹے کہہ کر چپ سادھ لی۔

جیسا کہ میں پیچھے عرض کر چکا ہوں اسلامی سٹیٹ کو ہم جہادی تنظیم نہیں سمجھتے کیونکہ علمائے امت نے ان کے حق میں کوئی بیان جاری نہیں کیا کیونکہ جہاد کے کچھ اصول ہیں۔ میرے ہاتھ میں قلم ہے اور قلم کے بھی کچھ حقوق ہوتے ہیں میں زور دے کر کہنا چاہتا ہوں کہ اسلامی سٹیٹ نے دو امریکی صحافیوں کو قتل کر کے کوئی اچھی مثال قائم نہیں کی بے گناہوں کو مارنا جہاد نہیں ہے۔ عورتوں اور بچوں کو مارنا جہاد نہیں ہے۔ بھرے بازار میں بم بلاسٹ کرنا جہاد نہیں ہے۔ کیا ہماری اسلامی تحریکوں کے سربراہ اس حقیقت سے ناواقف ہیں کہ صدیق اکبرؓ نے جب جہاد شام کے لئے یزید بن ابوسفیان کو روانہ کیا اور جب انہیں الوداع کہنے لگے تو انہیں یہ وصیت فرمائی۔

ابو خالد شام میں تم کو بہت سے مقامات پر تارک الدنیا راہبوں سے واسطہ پڑے گا، ان کو اپنے حال پر چھوڑ دینا اور کوئی تکلیف نہ پہنچانا۔ اس کے علاوہ دس باتوں کا خاص خیال کرنا (1) عورتوں (2) بچوں (3) بوڑھوں پر ہاتھ نہ اٹھانا (4) سبز درختوں کو نہ کاٹنا (5) بستیوں کو ویران نہ کرنا (6) بکریوں اور اونٹوں کو ضرورت کے علاوہ ذبح نہ کرنا (7) درختوں کو آگ نہ لگانا (8) کسی کو پانی میں نہ ڈبونا (9) خیانت نہ کرنا (10) بزدلی نہ دکھانا۔

جنگ اُحد میں ابو دجانہؓ نے ہندہ پر تلوار نہ اٹھائی صرف اتنا کہا کہ ہندہ میں جانتا ہوں تُو رسول اللہؐ کے خلاف زبان درازی کرتی ہے لیکن میں تیرے خون سے اپنی تلوار کو آلودہ نہیں کرنا چاہتا کیونکہ یہ نبیؐ کی تلوار ہے اور یہ کسی عورت پر نہیں اٹھ سکتی اور تاریخ اسلام کا یہ مشہور

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

واقعہ ہے کہ جب جہاد شام میں مسلمانوں کو اطلاع ملی کہ ہرقل نے مسلمانوں کو شام سے نکالنے کے لئے دو لاکھ کا جرار لشکر تیار کیا ہے اور انطاکیہ سے چل پڑا ہے تو مسلمانوں نے باہمی مشورے سے یہ فیصلہ کیا کہ شام کے جن جن شہروں پر ان کا قبضہ ہو چکا ہے وہاں سے فوجیں ہٹالی جائیں اور یہ تمام فوجیں ایک جگہ جمع کر کے رومیوں کا مقابلہ کیا جائے تو اس فیصلہ کے مطابق مسلمانوں نے حمص، دمشق وغیرہ شہروں کو خالی کیا تو وہاں کے باشندوں کو وہ ساری رقمیں جوان سے جزیہ کی مد میں وصول کی تھیں یہ کہہ کر واپس کر دیں کہ اب ہم تمہاری حفاظت نہیں کر سکتے (جزیہ ایک قسم کا ٹیکس ہوتا ہے جو غیر مسلموں سے اس شرط پر وصول کیا جاتا ہے کہ ہم تمہاری جان و مال کی حفاظت کریں گے) پابندی عہد اور رواداری کی ایسی مثال دنیا کی کسی اور قوم کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ مسلمانوں کا یہی اخلاق تھا جس نے بدترین دشمنوں کے دلوں کو بھی مسخر کر لیا۔ اس حُسنِ سلوک سے ان شہروں کے عیسائی اور یہودی اتنے متاثر ہوئے کہ روتے تھے اور دعائیں کرتے تھے کہ خدا ان لوگوں (مسلمانوں) کو جلد واپس لائے۔

بہرحال بات ہو رہی تھی عالم کفر کی مسلمانوں کے خلاف سازشوں کی۔ عالم کفر کسی صورت نہیں چاہتا کہ کسی اسلامی ملک میں صحیح اسلامی قوانین کا نفاذ ہو جائے کیونکہ اکثر لوگوں نے اسلامی نظام کی برکات دیکھ لیں تو اشتراکیت اور سرمایہ دارانہ نظام اپنی موت آپ مر جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ امریکہ کی قیادت میں اگر کہیں سے ان کے کانوں میں بھنک بھی پڑ جائے کہ فلاں ملک میں اسلامی نظام نافذ کرنے کی کوشش ہو رہی ہے تو وہ اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ ان کے خلاف چڑھ دوڑتا ہے۔

بوسنیا

سوویت یونین کو زوال آیا تو یورپ اور وسط ایشیا کی بہت سی ریاستیں آزاد ہوئیں تو یورپ کے وسط میں اشتراکی ملک یوگوسلاویہ نے بھی روس کی تقلید میں اپنے مقبوضات کو آزادی دے دی جس کے نتیجے میں چھ خودمختار ریاستیں وجود میں آ گئیں ان میں سے ایک بوسنیا بھی تھی جو مسلم اکثریت پر مشتمل تھی۔ آزادی کے بعد بوسنیا کے حکمرانوں نے ریاست کو اسلامی جمہوریہ قرار دے دیا اور یہی اعلان اس کی المناک بربادی کا سبب بن گیا۔ یوگوسلاویہ سے آزاد ہونے والی سب سے بڑی ریاست سربیا نے بوسنیا پر حملہ کر دیا اور یورپ کے کم و بیش سارے ہی ممالک نے سربیا کی بھرپور مدد کی۔ روس، جرمنی، فرانس، انگلینڈ اور امریکہ کوئی بھی پیچھے نہ رہا سب نے دامے درمے سخنے سربیا کے ساتھ تعاون کیا اور پھر بوسینا کے ساتھ وہی سلوک کیا گیا جو گدھیں کسی مردار کے ساتھ کرتی ہیں۔ قتل و غارت گری اور سفاکی کا بے مثال مظاہرہ کیا گیا۔ بستیوں کی بستیاں تباہ کر دی گئیں، انسانوں کا یوں شکار کیا گیا جیسے شکاری جانوروں کا کرتے ہیں۔ بچوں، بوڑھوں، جوانوں کسی سے رعایت نہ کی گئی۔ عورتوں کو کثرت سے اجتماعی آبروریزی کا نشانہ بنایا گیا اور ایک لاکھ سے زیادہ بے گناہ مسلمانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا اور یہ کارنامہ یور کے مہذب جمہوری ملکوں نے ساری دنیا کی آنکھوں کے سامنے انجام دیا۔

الجزائر

جنوری 1992ء میں شمالی افریقہ کے مشہور اسلامی ملک الجزائر میں الیکشن ہوئے تو وہاں کی اسلامک سالویشن پارٹی نے ستر فیصد ووٹ لے کر اکثریت حاصل کر لی تو امریکہ کے آشیرباد سے فرانس نے الجزائر پر حملہ کر دیا اور سب کچھ تہس نہس کر کے رکھ دیا۔ اس سے سارے آپریشن میں لاکھ سے زیادہ بے گناہ مسلمانوں کو شہید کر دیا گیا۔ (جاری ہے)

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

تاریخ کے زخم

مصنف : سکندر خان بلوچ

صفحات : 432

قیمت : 450 روپے

ناشر : الفیصل ناشران وتاجران کتب۔
غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور

☆

جو قومیں اپنی تاریخ بھلا دیتی ہیں، تاریخ بھی انہیں فراموش کر دیتی ہے اور پھر دنیا میں ان کا نام و نشان باقی نہیں رہتا۔ تاریخ بڑی ظالم اور بے رحم ہوتی ہے، یہ کسی کو معاف نہیں کرتی۔ جو قوم تاریخ سے سبق نہیں سیکھتی، وہ باقی دنیا کے لئے ایک سبق، ایک عبرت بن جاتی ہے۔ محترم سکندر خان بلوچ نے اس کتاب میں تقسیم ہند اور عسکری تاریخ کے ایسے پوشیدہ گوشے بے نقاب کئے ہیں جن پر قلم اٹھانے کی آج تک کسی قلمکار نے جسارت نہیں کی۔ وہ لکھتے ہیں۔

''تاریخ کے زخم'' ایک ایسی کوشش ہے جس میں ماضی سے سیکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ماضی کے پوشیدہ اوراق سامنے لانے کی کوشش کی گئی ہے۔ میں نے پاکستان کے قیام پر خوشیاں بھی منائیں اور پھر سقوط مشرقی پاکستان پر آنسو بھی بہائے۔ تاریخ اپنی جگہ ایک تلخ حقیقت ہے یہ آنسو بہانے سے تبدیل نہیں ہو سکتی۔

برصغیر کیوں تقسیم ہوا؟ پاکستان کیوں بنا؟ اس پر ہندوستان اور پاکستان میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے مگر یہ تحریریں تعصب سے بھری ہیں۔ بھارتی مؤرخین نے تمام الزامات مسلمانوں کے پلڑے میں ڈال دیئے اور یہی کام پاکستانی مؤرخین نے بھی کیا۔ یوں تاریخ کا اصل چہرہ عوام کے سامنے نہ آ سکا۔

محترم سکندر بلوچ صاحب نے اپنا کوئی نقطۂ نظر پیش کرنے کے بجائے ان مؤرخین کی رائے کو پیش کیا ہے جو حالات کے چشم دید گواہ اور اس تاریخی عمل کا حصہ تھے اور غیر جانبدار بھی تھے۔

کوئی قوم اپنی فوج کے بغیر مکمل نہیں ہوتی اور خاص طور پر نوجوان نسل کو اس کا شعور ہونا چاہیے۔ تقسیم ہند کے وقت پاک فوج پر کیا بیتی؟ اس کے خلاف کیا سازشیں ہوئیں اور کس طرح اپنے حصے کے جنگی ساز و سامان سے محروم کیا گیا، ان سوالوں کے جواب حوالہ جات کے ساتھ پیش کئے گئے ہیں۔

اس کتاب کو پیش کرنے کا بنیادی مقصد ان تاریخی حقائق کو قارئین کے سامنے لانا ہے جو کسی نہ کسی وجہ سے تاحال ہماری نظروں سے پوشیدہ ہیں۔

کتاب کی طباعت عمدہ طریقے سے کی گئی ہے۔ یقیناً یہ کتاب ریفرنس بک کے طور پر تسلیم کی جائے گی۔ تاریخ کے طالب علموں اور محققین حضرات کے لئے نہایت کارآمد کتاب ہے۔ اسے سکولوں کالجوں کی لائبریریوں کے لئے لازمی قرار دیا جانا چاہیے۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

غزل

نسیم سکینہ صدف

رفاقت میں رفیقوں کی ریاکاری بھی بہت ہے
مری آسانیوں میں کارِ دشواری بھی بہت ہے

بجز تصویرِ گل کے باغ میں دیکھوں تو کیا دیکھوں
عقیدت کے اثر میں خود سے بیزاری بھی بہت ہے

نقاہت نیم مردہ ہیں جھکا دیتے ہیں سر اپنا
اطاعت کے عمل میں اپنی لاچاری بھی بہت ہے

مسلسل بند آنکھوں سے مناظر دیکھتی ہوں میں
خیال و خواب میں احساسِ بیزاری بھی بہت ہے

عیاں ہوتے ہیں اب مجھ پر کمالِ فن کے سب جلوے
غمِ خاشاک میں لگتا ہے چنگاری بھی بہت ہے

کبھی وہ خون بہاتا ہے، کبھی آنسو بہاتا ہے
عداوت کی ادا میں طرزِ غم خواری بھی بہت ہے

سمجھنے سوچنے سے ہی نہیں ملتی مجھے فرصت
مری مصروفیت میں شغلِ بے کاری بھی بہت ہے

گداؤں کو ترستے ہیں سبھی جاہ و حشم والے
امیری کی عطا میں لطفِ ناداری بھی بہت ہے

نہ جیتی ہے نہ مرتی ہے عجیب انسان ہے صدفؔ
نئی بیماریوں میں اب یہ بیماری بھی بہت ہے

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

بھکاری خان کی گرفتاری سے اس کے ساتھی امراء خوفزدہ ہو گئے۔
بہت سے لاہور چھوڑ کر بھاگ گئے اور باقی اپنے اپنے گھروں
میں دبک کر بیٹھ گئے۔ مغلانی بیگم کی راہ میں اب کوئی رکاوٹ نہ تھی۔

مغلانی بیگم

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

زندگی خاموشی کی سیاہ چادر اوڑھے گہری نیند سو چکی تھی، شاہی قلعہ کی فصیل پر پہریداروں کے بھاری قدموں کی چاپ سکوتِ شب توڑتی اور فضا میں معدوم ہو جاتی۔ نادر بیگ ایک برج سے دوسرے اور دوسرے سے تیسرے تک پہرہ چیک کرتا ہوا اس مقام تک پہنچا جہاں کالو راوی کی طرف منہ کئے بیٹھا تھا تو مسکرا کر پوچھا۔ ''کتنی لہریں گزریں اب تک؟''

''حضور! میں نے جھوٹ نہیں بولا، میں اپنی ساری برادری کو گواہ پیش کر سکتا ہوں۔ میری بیوی میرے انتظار میں رو رہی ہوگی، مجھے معاف کر دیں''۔ اس نے قلعہ دار کے پاؤں پکڑ لئے۔

''معاف تو تمہیں بیگم عالیہ ہی کر سکتی ہیں، میں تمہیں لہریں گننے کی بجائے ڈیوڑھی میں لے جا سکتا ہوں۔ رات گزار لو صبح بیگم عالیہ کے حضور پیش کر دوں گا''۔ نادر بیگ نے جواب دیا۔

''حضور! میری بیوی مر جائے گی، وہ اب تک جاگ کر میرا انتظار کر رہی ہو''۔ کالو نے منت کی۔

''اس کو سلانے کا بھی کچھ بندوبست کرتے ہیں، تم اٹھو چلو میرے ساتھ''۔ قلعدار نے حکم دیا۔

کالو کانپتا ہوا اٹھا اور نادر بیگ کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ ہاتھی پوڑ کے پہرہ دستہ کے سربراہ کو نادر بیگ نے ہدایات دیں اور اپنے محافظ دستہ کو رخصت کر کے کالو کے ساتھ ڈیوڑھی کی طرف مڑ گیا۔ تھوڑا آگے جا کر وہ گھوم کر شیش محل کی دیوار کے سایہ سایہ چلنے لگا۔ کالو خاموشی سے اس کے پیچھے آ رہا تھا۔ بے آواز قدموں سے چلتے ہوئے وہ ایک کھڑکی کے پاس پہنچ گئے۔ نادر بیگ نے ہلکی سی دستک دی تو کھڑکی میں چھوٹا سا سوراخ نمودار ہو گیا، اندر سے کسی نے موم بتی اوپر اٹھا کر سوراخ میں سے باہر دیکھنا چاہا تو نادر بیگ نے آہستہ سے ''ساتواں جاں نثار'' کہا۔ شمع بردار نے کھڑکی کھول دی، نادر بیگ اندر داخل ہو گیا۔ کالو کھڑا رہا پھر شمع بردار کے اشارے پر جھک کر وہ بھی اس کے پیچھے داخل ہو گیا۔ شمع بردار نے اس کا جائزہ لیا اور جلدی سے کھڑکی بند کر دی۔ اندر دو مسلح سپاہی نیزے تانے کھڑے تھے، انہوں نے قلعدار کو سلام کیا کالو کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ اس کے ساتھ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ ٹھنڈی رات میں اس کا جسم پسینہ پسینہ ہو رہا تھا۔ شمع بردار ایک تاریک راہداری میں داخل ہو گیا، نادر بیگ اس کے پیچھے چلنے لگا اور کالو کو ساتھ آنے کا اشارہ کیا۔ راہداری کے آخری سرے پر سیڑھیاں چڑھ کر وہ ایک نیم روشن کمرے میں پہنچ گئے جس کے درمیان میں شمع جل رہی تھی۔ ایک طرف فرشی نشست لگی تھی اور نشست کے پاس ایک تپائی پر کچھ کاغذات مہریں اور قلمدان رکھے تھے، نادر بیگ اور کالو نشست کے سامنے کھڑے ہو گئے، شمع بردار گھوم کر واپس چلے گیا۔

چند لمحے بعد مغلانی بیگم کمرے میں داخل ہوئی اس کے پیچھے دو کنیزیں چلی آئی تھیں، ایک کنیز کے ہاتھ میں تلوار تھی اور دوسری کے ہاتھ میں طشتری جس پر ریشمی رومال ڈال رکھا تھا۔ نادر بیگ نے بیگم کو سلام کیا تو کالو جھک کر بیگم کے پاؤں میں گر گیا۔ مغلانی بیگم مسکرائی اور نشست پر بیٹھ گئی۔ کنیز نے طشتری تپائی پر رکھ دی اور الٹے قدموں کمرے سے باہر نکل گئی، تلوار بردار کنیز مغلانی بیگم کے پیچھے کھڑی ہو گئی۔

''نادر بیگ! تم نے ہمارے بیٹے کو فصیل کی سیر کرا دی؟'' بیگم نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''جی حضور! کرا دی''۔ نادر بیگ نے جواب دیا۔

''کالو! تم نے کتنی لہریں شمار کیں؟'' بیگم نے پوچھا۔

''قبلہ حضور صاحبہ! میں نے جو کچھ کہا سچ کہا تھا، میں خواجہ خضر کی قسم اٹھا کر کہتا ہوں''۔ وہ رونے لگا۔

''ہم نے مان لیا، تم سچ کہتے ہو مگر لہریں کتنی شمار

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

کیں؟ تم نے''۔ بیگم نے پوچھا۔
''وہ تو جی اتنا اندھیرا ہے باہر، دریا ہے بھی فصیل سے دور''۔ اس نے کانپتے ہوئے جواب دیا۔
''تم تو کہتے تھے تم آوازوں سے آدمی پہچان سکتے ہو، لہروں کی آواز سے ان کی تعداد نہیں جان سکتے؟''
''وہ تو ٹھیک کہتا ہوں جی''۔
''تم نے دربار میں اتنے لوگوں کی آوازیں سنیں کسی کو پہچانا تم نے؟''
''جی ہاں...... جی نہیں''۔ وہ گھبرا گیا۔
''سچ سچ بتاؤ ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ سچ بولو گے تو انعام پاؤ گے''۔ بیگم نے تسلی دی۔
''ایک تو وہ تھے جی، وہ بہت بولتا تھا''۔
''کون رستم جنگ؟''
''جی ہاں، وہی جنگ تھا جی، ان کے ساتھ جو دریا کے پار جاتے ہیں''۔
''اور بھی کوئی پہچانا تم نے؟''
''ایک دفعہ وہ بھی تھا جسے آپ نے برج بھجوایا ہے''۔
''اور کوئی؟''
''اور کوئی شناخت نہیں ہوا حضور!''
''شاباش، کالو! تم ہمارے بیٹے اور امین الملک حاکم کشور پنجاب کے دوست ہو، آج کی رات تم ڈیوڑھی میں گزارو گے، صبح نادر بیگ تمہیں دس جوتے لگائے گا، تم روتے ہوئے جوتے کھاؤ گے۔ یہ لو پچاس اشرفی ہماری طرف سے انعام، ہم آئندہ بھی تمہاری پرورش کرتے رہیں گے۔ ہم سے ملاقات اور انعام کے بارے میں کسی کو کچھ نہیں بتانا۔ اپنی بیوی کو بھی نہیں سب سے کہنا کہ بیگم حضور نے میری بات پر یقین نہیں کیا اور جوتے لگوائے۔ اپنی بستی میں ہمارے خلاف خوب باتیں کرنا مگر جب بھی کوئی فقیر تمہاری جھونپڑی کے سامنے ''آدھی روٹی کا سوال ہے بابا'' کی صدا لگائے تو اس کی ہدایت پر عمل کرنا''۔
''مگر بیگم حضور جی! مجھ سے دس جوتے نہیں کھائے جائیں گے اور وہ میری بیوی تو صبح تک مر جائے گی، انتظار کرتے کرتے''۔ کالو نے اشرفیوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔
''نادر بیگ تمہیں جوتے ایسے لگائے گا جیسے گلاب کے پھولوں کو لگاتے ہیں، کوئی تکلیف نہ ہوگی''۔ مغلانی بیگم نے کہا اور کنیز کی طرف دیکھا۔
نادر بیگ نے آداب عرض کیا اور کالو کو ساتھ لے کر سیڑھیوں کی طرف مڑ گیا۔
مغلانی بیگم نشست سے اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگی، چند لمحے بعد کنیز نے کمرے کے عقبی دروازہ کا ریشمی پردہ ہٹایا تو ایک نوجوان پردے کے پیچھے سے نکل کر سامنے آ گیا اور فرشی سلام کر کے ہاتھ باندھ کر سر جھکا دیا۔
''سرفراز خان! معاملہ کچھ زیادہ بڑھ رہا ہے، بھکاری خان مشرق کے بعد مغرب کی سمت بھی جال پھیلانے کی کوشش کر رہا ہے۔ کالو کی نگرانی کرو اور راوی پار بارہ دری میں چند جوگی متعین کر دو''۔ بیگم نے چلتے چلتے رک کر کہا۔
''حضور کے احکامات کی تعمیل اس جاں نثار کا فرضِ اوّلیں ہے''۔ سرفراز خان نے دایاں ہاتھ سینے پر رکھ کر سر جھکا دیا۔

*

سیّد صابر شاہ کے مزار پر جمعرات کی شام قرآن خوانی کی محفل ہوتی جس میں شاہ کے عقیدت مند اور شہر کے امراء بڑی تعداد میں شرکت کرتے۔ اہلِ لاہور کا خیال تھا کہ ابدالی کی فوجوں کے ہاتھوں شاہنواز خاں کی ذلت آمیز شکست کی وجہ سیّد صابر شاہ کا قتل تھا اور احمد شاہ ابدالی کی کامیابیوں کے پیچھے ان کی اس سیّد خاندان سے

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

عقیدت ہے۔ شہر کے جو امراء احمد شاہ ابدالی کو خوش رکھنا چاہتے تھے وہ اس محفل میں باقاعدگی سے شریک ہوتے اور مزار کے مجاور سے ذاتی تعلقات قائم کرنے کی کوشش کرتے تھے جسے وہ ابدالی کا خاص آدمی سمجھتے تھے۔ مغلیہ حکومت کی کمزوری اور پنجاب میں سکھوں کی غارت گری کی وجہ سے مسلمانوں کا کافی بڑا حصہ سمجھنے لگا تھا کہ احمد شاہ ابدالی ہی لاہور اور پنجاب کو سکھوں سے بچا سکتے ہیں، بیشتر امرائے شہر کو احمد شاہ ابدالی کی آمد کا خطرہ رہتا تھا۔ مغلانی بیگم نے حکومت اپنے ہاتھ میں لیتے ہی سیّد صابر شاہ کے مزار کی دیکھ بھال پر خصوصی توجہ دینا شروع کر دی تھی۔ مزار کے مجاور بابا خان ولی کا ان کے دربار میں بہت احترام کیا جاتا تھا۔ بابا خان ولی سے امراء کی عقیدت کی وجہ ان کی روحانیت سے زیادہ سیّد صابر شاہ سے ابدالی کی عقیدت تھی۔

شاہنواز خاں نے حاکم لاہور اپنے بھائی یحییٰ خاں کو شکست دے کر لاہور پر قبضہ کر کے احمد شاہ ابدالی کو شاہجہان آباد پر حملہ کی دعوت دی تو ابدالی نے اسے قبول کر لیا لیکن جب احمد شاہ ابدالی کا لشکر روہتاس پہنچا تو اسے معلوم ہوا کہ شاہنواز خاں اپنے وعدہ سے منحرف ہو گیا ہے اور اس سے مقابلہ کی تیاریاں کر رہا ہے۔ ابدالی کے پیر کا فرزند سیّد صابر شاہ اس کی فوجوں کے ہم رکاب تھا۔ دریائے اٹک عبور کر کے احمد شاہ ابدالی خود روہتاس کے قلعہ میں مقیم ہوا اور سیّد صابر شاہ کی قیادت میں ایک وفد لاہور بھیجا تاکہ حاکم لاہور کو اس کا مراسلہ اور وعدہ یاد دلا کر مدد پر آمادہ کیا جائے۔ شاہنواز نے قلعہ کے دیوانِ خاص میں وفد سے ملاقات کی۔ بات چیت کے دوران سیّد صابر شاہ نے شاہنواز کو اس کا دعوت نامہ اور مرد کا وعدہ یاد دلایا۔ شاہنواز پھر بھی احمد شاہ کے استقبال پر راضی نہ ہوا تو سیّد زادہ طیش میں آ گیا۔ شاہنواز خاں نے پردے کے پیچھے چھپے جلاد کو اشارہ کیا تو اس نے ایک ہی وار میں سیّد صابر شاہ کا سر تن سے جدا کر دیا۔ احمد شاہ ابدالی کو شاہنواز خان کے رویے اور سیّد صابر شاہ کے قتل کے بارے میں بتایا گیا تو وہ غضبناک ہوا۔ اسی وقت فوج کو کوچ کا حکم دیا اور طوفان کی رفتار سے شاہدرہ پہنچ گیا۔ شاہنواز بھی لڑائی کی تیاریاں کرتا رہا تھا، اس نے شہر اور قلعہ کے دفاع کے مستحکم انتظامات کیے تھے۔ ابدالی کی افواج نے اوپر جا کر راوی عبور کیا اور شہر کی فصیل کے نیچے پہنچ گئیں۔ لڑائی میں شاہنواز خاں کو شکست ہوئی اور وہ شاہجہان آباد بھاگ گیا۔ ابدالی نے اپنے پیر کے فرزند کی قبر پر حاضری دی، فاتحہ پڑھی اور اہل لاہور کو امان دے کر شاہجہان آباد کی طرف کوچ کر گیا۔ اہل لاہور اس امان کی وجہ بھی سیّد صابر شاہ سے ابدالی کی عقیدت ہی سمجھتے تھے اور بڑی تعداد میں قرآن خوانی کی اس محفل میں شریک ہوتے تھے۔

اگلی جمعرات کو بھکاری خان اپنے ساتھیوں اور مصاحبوں کے ہمراہ سیّد کے مزار پر قرآن خوانی کی محفل میں شریک ہوا۔ اس روز بابا خان ولی تھوڑی دیر محفل میں بیٹھے اور پھر اپنے حجرہ میں تشریف لے گئے۔ محفل ختم ہوئی تو اجتماعی دعا کے لئے باہر تشریف لائے اور اعلان کروا دیا کہ طبیعت کی ناسازی کی وجہ سے آج وہ عام لوگوں سے ملاقات نہیں کر سکیں گے اور نہ ہی کوئی گروہ ان کے حجرہ میں حاضر ہوگا۔ جس کسی کو لازماً ملنا ہو وہ اکیلا حاضر ہوگا اور دیدار اور اظہارِ عقیدت کے بعد واپس آ جائے گا۔ بھکاری خان نے حاضری کی درخواست بھجوائی تو بابا خان ولی نے سب سے پہلے انہیں اندر بلوایا مگر فوراً ہی واپس بھیج دیا۔ سب سے پہلے حاضری کے لئے بلانے پر بھکاری خان اور ان کے مصاحب خوش ہوئے تھے مگر کھڑے کھڑے حجرے سے باہر نکال دینے پر انہیں مایوسی ہوئی۔ اس خیال نے انہیں اور بھی پریشان کر دیا کہ بیگم کے پرچہ نویسوں نے سب کچھ دیکھ لیا ہوگا۔ بھکاری

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

خان کے بعد چند ہندو عقیدت مندوں کو حاضری کی اجازت ملی تو بابا خان ولی نے انہیں بھکاری خان سے زیادہ وقت دیا۔ غیر مسلموں کی حوصلہ افزائی کے لئے بابا خان ولی نے بیماری کے باوجود ہندوؤں سے احترام اور محبت کا سلوک کیا۔ مسلمان عقیدت مندوں نے اسے اسلامی اخلاق کا نمونہ قرار دیا۔ سب لوگ جا چکے تو بابا خان ولی ایک بار پھر حجرے سے باہر تشریف لائے۔ سیّد صابر شاہ کی قبر پر فاتحہ پڑھی اور اس روز نذر کی جانے والی رقم چادریں اور پرچم گن کر حکم دیا کہ اگلے روز کا سورج غروب ہونے سے پہلے پہلے سب رقم اور نذرانے شہر کے غرباء میں تقسیم کر دیئے جائیں۔

*

شاہی مسجد کے امام سیّد بخاری کے علم، تقویٰ اور پرہیزگاری کی وجہ سے اہلِ لاہور ان کا بہت احترام کرتے تھے اور حاکم سے عام دُکاندار اور شہری تک شاہی مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھنے آتے تھے۔ سیّد بخاری حاکم پنجاب کے سامنے بھی اسی جرأت اور بے باکی سے کلمہ حق کہتے تھے جس جرأت سے وہ شاہجہان آباد کے تخت پر قابض بادشاہوں کی بداعمالیوں کا ذکر کرتے تھے۔ پنجاب میں سکھوں کی بڑھتی ہوئی شورش اور مغلیہ حکمرانوں کی بے حمیتی اور بے بسی سے عام مسلمان اور علماء سب فکر مند تھے۔ امام بخاری کے خطبہ میں اس فکر مندی کا اظہار ہوتا تھا اگر وہ کسی حاکم کی کسی بات کو پسند فرماتے تو اس کا بھی ضرور ذکر کرتے تا کہ دیگر حاکموں اور ناظموں کو اس کی ترغیب ہو۔

اس جمعہ انہوں نے خطبہ میں دربار لاہور کے امراء کی باہمی سازشوں کا ذکر کیا۔ میر منو مرحوم کے کارناموں کی تعریف کی اور دعا کی کہ اس کی بیوہ اس کے مشن کو جاری رکھ سکے۔ ان کی دعا میں مایوسی اور حسرت دونوں پہلو محسوس کئے جا سکتے تھے۔ میر مومن خان نے اسے اپنے اور مغلانی بیگم پر امام بخاری کی ناراضگی سمجھ کر گردن جھکا لی ان سے تھوڑے فاصلہ پر بیٹھے امیر الامراء بھکاری خان نے اس پر دلی مسرت محسوس کی۔ دعا کے بعد امراء، درباری اور عام شہری محراب تک سیّد بخاری سے مصافحہ کرتے اور الٹے قدموں چلتے ہوئے واپس چلے جاتے۔ لوگ آتے رہے، مصافحہ کر کے واپس جاتے رہے مگر بھکاری خان سر جھکائے وظیفہ پڑھنے میں مصروف رہے۔ میر مومن خان کو سیّد بخاری سے کوئی خاص بات نہیں کرنا تھی پھر بھی وہ بیٹھے تسبیح پڑھ رہے تھے اور بھکاری خان کے اٹھنے کے منتظر تھے۔ ان دونوں کی وجہ سے ان کے مصاحبُ اور محافظ بھی الگ الگ بیٹھے ان کے جلد اٹھنے کی دعائیں مانگ رہے تھے۔ جب ہجوم ذرا کم ہوا تو بھکاری خان محراب تک گئے۔ نہایت عقیدت سے امام بخاری سے مصافحہ کیا اور ان کے سامنے دوزانو بیٹھ گئے انہیں امید تھی کہ سیّد بخاری ان پر توجہ دیں گے لیکن وہ عام لوگوں سے مصافحہ کرنے میں مصروف رہے اور ان کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں دی۔ اگر میر منو زندہ ہوتے تو بھکاری خان ایسے سلوک پر اٹھ کر چلے جاتے لیکن یہ مغلانی بیگم کا دور تھا۔ کافی انتظار کے بعد انہوں نے اجازت حاصل کر کے خود ہی بات شروع کر دی۔ ''اگر حضور ہماری مسجد کا سنگ بنیاد اپنے بابرکت ہاتھوں سے رکھ دیں تو ہم شکر گزار ہوں گے''۔

''لاہور میں پہلے ہی مسجدیں وافر ہیں، آپ ایک اور مسجد بنانے کی بجائے وہی رقم غربا اور بیواؤں پر کیوں خرچ نہیں کر دیتے؟'' سید بخاری نے بھکاری خاں کی درخواست پر پوچھا۔

''دراصل ہمارے محل کے قریب کوئی مسجد نہیں، ہم چاہتے ہیں ایک چھوٹی سی مسجد بنوا دیں تا کہ خدام اور سپاہ باجماعت نماز ادا کر سکیں''۔ بھکاری خان نے وضاحت کی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

''اگر ہر امیر وزیر نے اپنے محل اور باغ میں اپنی اپنی الگ مسجد بنالی تو بڑی مسجدوں میں نہ جانے کا بہانہ میسر آ جائے گا۔ ہم ایسی بلاضرورت مسجدوں کی افادیت سمجھنے سے قاصر ہیں''۔

سید بخاری کا جواب سن کر بھکاری خان کے مصاحبوں نے پہلے اپنے آقا اور پھر بخاری صاحب کی طرف دیکھا۔

''ہمیں حضور کے ارشادات سے مکمل اتفاق ہے مگر ہم چاہتے ہیں اپنی عاقبت کے لئے کچھ جمع کرلیں، زندگی کا کیا بھروسہ''۔ بھکاری خاں نے بڑے ادب سے عرض کیا۔

''آپ اپنے منصب کی ذمہ داریاں دیانتداری سے ادا کریں، خلق خدا کی فلاح اور اس کشور کو سازش سے پاک کرنے میں دلچسپی لیں، مسلمانوں کو دین کے دشمنوں کے خلاف متحد کریں۔ اس سے بڑی کوئی عبادت نہیں، عاقبت کے لئے اس سے بڑا کوئی اور اثاثہ نہیں ہوسکتا''۔ سید بخاری نے نصیحت کی۔

بھکاری خان نے اشارہ کیا، ایک مصاحب نے آگے بڑھ کر نذرانہ پیش کرنا چاہی۔

''ہماری طرف سے یہ کسی غریب اور حاجت مند کو پہنچا دیں، خدا تعالیٰ اجر دے گا''۔ سیّد بخاری نے نذرانہ وصول کرنے سے انکار کر دیا اور مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھا دیا۔

بھکاری خان مصافحہ کر کے اٹھا اور مسجد سے باہر نکل آیا۔ وہ بہت افسردہ تھا اور سب کے رُوبرو اپنے منصب اور مرتبہ کی توہین پر وہ دل ہی دل میں کڑھ رہا تھا۔

میر مومن خاں خاموش بیٹھا سب کچھ دیکھ رہا تھا اور دل میں خوش تھا مگر اس نے اپنے چہرے پر اس خوشی کا کوئی اظہار نہیں آنے دیا۔ اس کے مصاحب اپنے آقا کے مخالف کی تذلیل پر خوش ہوئے۔

وہ اپنی جگہ سے اٹھا سید بخاری کا ہاتھ دونوں ہاتھوں میں لے کر مصافحہ کیا اور الٹے قدموں پیچھے پلٹنے لگا تو سید بخاری نے کہا۔ ''آپ کو اللہ تعالیٰ نے جس مسند پر بٹھایا ہے اس کی بہت سی ذمہ داریاں ہیں۔ سب سے بڑی ذمہ داری عوام کے جان و مال کا تحفظ ہے''۔

وہ رک گیا۔ ''حضور کی رہنمائی اور دعاؤں کے صدقہ ہم ان ذمہ داریوں کو پورا کرنے کی پوری کوشش کریں گے''۔

''خدا تعالیٰ آپ کو خلوص اور کامیابی دے''۔ سید بخاری کی دعا پر سب موجود افراد نے آمین کہا تو میر مومن خاں نے جھک کر سید بخاری کا ہاتھ چوما اور ساتھیوں کے ہمراہ مسجد کے دروازے کی طرف چل دیا۔

طالب علم مسجد سے ملحق اپنے حجروں کی طرف جا رہے تھے اور مڑ مڑ کر بھکاری خان اور میر مومن خاں کو الگ الگ دروازوں کی طرف جاتا دیکھ رہے تھے میر مومن خاں قلعہ کی طرف جا رہے تھے اور بھکاری خان روشنائی دروازہ سے باہر نکل رہے تھے۔

''یہ حاکم کب تک ملت کی حفاظت کرسکیں گے؟'' ایک طالب علم نے دوسرے سے پوچھا۔

وہ چلتا چلتا رک گیا۔ ''جن کے دلوں پر غرض کی مہریں ثبت ہوں ان کے بارے میں مت سوچیں''۔ اس نے جواب دیا۔

*

بھکاری خان برآمد ہوئے تو باوردی خدام آداب کے لئے جھک گئے۔ آج بھکاری خاں کو بہت اہم امور نپٹانا تھے اس لئے وہ معمول سے پہلے ہی برآمد ہو گئے تھے۔ اسی لئے خدام ذہنی طور پر ابھی باجماعت رکوع کے لئے تیار نہیں تھے۔ بھکاری خان عام دنوں میں خدام کی ذراسی غلطی کا بھی سخت نوٹس لیا کرتے تھے مگر آج انہوں نے کسی ملازم کے لباس اور کوتاہی پر کوئی توجہ نہیں دی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

''خواجہ مرزا خان تشریف لے آئے؟'' انہوں نے محافظوں کے کمانڈار سے پوچھا۔

''جی، وہ حضور کے منتظر ہیں''۔ کمانڈار کی بجائے ایک اور افسر نے بتایا۔

''اور طہماس خاں؟'' بھکاری نے دوسرا سوال کیا۔

''وہ بھی حضور کے قدموں میں حاضری کے لئے پہنچ چکا ہے''۔ اسی افسر نے بتایا۔

''طہماس خان کو ہمارے حضور پیش کیا جائے''۔ حکم دے کر وہ اپنی نشست گاہ کی طرف چل دیا۔ اپنے محل میں اسے کوئی خطرہ نہیں تھا اس کے باوجود محافظ دستہ کا کمانڈار نشست گاہ تک ان کے پیچھے چلتا رہا اور جب بھکاری خان کے پیچھے پردہ گرادیا گیا تو وہ دروازے کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔

''کمند خاں سے تمہاری کوئی بات ہوئی؟'' بھکاری خان نے اپنے سامنے دست بستہ کھڑے طہماس خاں سے پوچھا۔

''حضور! کا خادم اپنی ذمہ داریوں سے آگاہ ہو چکا ہے''۔ طہماس خاں نے سر جھکا کر جواب دیا۔

''ہم تم میں اپنا معتمد ساتھی بننے کی صلاحیتیں دیکھ کر خوشی محسوس کر رہے ہیں''۔ بھکاری خان نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے کہا۔

''یہ حضور کی ذرہ نوازی ہے''۔ طہماس خاں نے سر مزید جھکا دیا۔

''اگر آپ نے ہوش سے کام لیا تو ہم ذرہ کو آفتاب بنادیں گے''۔ بھکاری خاں نے اس کی جھکی ہوئی نگاہوں میں جھانکنے کی کوشش کی۔

''بندے کی جان اور آن حضور کی خدمت کے لئے وقف ہے''۔

''مرزا کمند خاں سے رابطہ رکھو اور اپنا کام اس ہوشیاری سے کرو کہ تم پر کسی کی شک کی نظر نہ پڑ سکے''۔ بھکاری خان نے ہدایت کی۔

''غلام کی خدمت کی اطلاع حضور کو اس کی زبان کی بجائے ترک امراء سے ملے گی''۔

''جس طرح ہم نے تمہارے انتخاب میں غلطی نہیں کی اسی طرح تمہیں بھی اپنے آقا کے انتخاب پر کبھی شرمندگی نہیں ہوگی''۔

طہماس خان آداب بجالا کر الٹے قدموں چلتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔

خواجہ مرزا خاں کمرے میں داخل ہوا تو بھکاری خان نے کھڑے ہو کر اس کا استقبال کیا۔ امیر الامراء کے مرتبہ کے ترک جرنیل کی طرف سے تین صد سواروں کے کمانڈار کا اس انداز میں استقبال ان کی روایات کے منافی تھا لیکن اپنے عزائم کی تکمیل کے لئے بھکاری خان کو اس کی ضرورت تھی اور میر منو کی وفات کے بعد خواجہ نے وفاداری کا ثبوت دیا تھا۔

''ہم نے آپ کو وفادار اور بہادر پایا اسی لئے ہم نے آپ کو اپنے اعتماد کے لئے منتخب کیا ہے''۔ بھکاری خان نے بات شروع کی۔

''خادم نے اپنا اور اپنے ساتھیوں کا حال اور مستقبل حضور کے ساتھ وابستہ کر رکھا ہے۔ حضور کا نفع ہمارا نفع اور نقصان ہمارا اپنا نقصان ہے۔ حضور نے خادم کو اعتماد کے لئے چنا ہے تو وہ کبھی ذلت کا سودا نہیں کرے گا''۔ خواجہ مرزا خان نے خوشامدانہ انداز میں جواب دیا۔

''ہم سمجھتے ہیں، جن ترک سرداروں نے ہم سے دغا کیا وہ بھی اب پچھتا رہے ہیں۔ کشور پنجاب کے حالات ابتر ہو رہے ہیں۔ ترکوں کو احساس ہونے لگا ہے کہ اصلاح کے لئے قدم نہ اٹھایا تو سلطنت اور ملت کے لئے شدید خطرات پیدا ہو جائیں گے''۔ بھکاری خان نے بات آگے بڑھائی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

''ریاست اور دربار کے معاملات حضور سب سے بہتر جانتے ہیں۔ ہم سپاہیوں کے پاس جان اور تلواریں ہیں جو ہمہ وقت ملت اور سلطنت کی خدمت کے لئے وقف ہیں''۔ خواجہ مرزا خان نے جواب دیا۔

''ہم نے اصلاح کی بہت کوشش کی مگر کچھ کامیابی نہ ہوئی۔ ہم بیگم صاحبہ کی سوچ اور عمل پر خواجہ سراؤں اور پنجابی دہقانوں کا رسوخ دور نہیں کر سکتے''۔

''خاتون خانہ کی خام سوچ پر یہ اثرات قابلِ فہم ہیں اور حضور سے زیادہ اس کشور کو کوئی نہیں جانتا''۔

''امور مملکت دربار لگانے اور سجانے سے نہیں چل سکتے، ایسا ممکن ہوتا تو میر منو مرحوم سال کے تین سو تین دن میدانوں اور ویرانوں میں نہ گزارتے۔ پنجاب جیسے صوبہ کے لئے تو ایسا حاکم چاہئے جو تلوار چلانا اور فوجوں کو لڑانا جانتا ہو''۔

''خادم حیران ہے کہ مغل شہنشاہ کو اتنی سی بات بھی سمجھ نہ آئی''۔

''مغل بادشاہ کی کچھ مجبوریاں تھیں مگر اب وہ بھی اپنے فیصلے پر پچھتا رہے ہیں''۔ بھکاری خان نے کہا۔

''پچھتانے کی کیا بات ہے، وہ حضور کو پنجاب کا گورنر مقرر کر کے سند بھیج دیں''۔ خواجہ مرزا نے اس کی خواہش کو اپنی زبان میں پیش کیا۔

''اس سند کے کچھ اور پہلو بھی ہیں، ایک بادشاہ کابل وقندھار بھی ہے''۔ بھکاری خان نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

''شاہ قندھار کو حضور خود کیوں نہیں سمجھاتے''۔

''لوگ یہ بھی پوچھنے لگے ہیں کہ کیا مغلوں اور ترکوں میں کوئی ایک بھی مرد نہیں بچا جو ایک کمسن بچے اور خاتون کو حاکم پنجاب بنا دیا ہے۔ بیگم کی وجہ سے ہم سب کی توہین ہو رہی ہے''۔ رستم جنگ نے خواجہ مرزا کی تجویز کے بارے میں کچھ کہنے کی بجائے اسے اپنی بات کی طرف لانے کی کوشش کی۔

''ترک اپنی تلواریں اور کلا ہیں ایک خاتون اور اس کے خواجہ سراؤں کے قدموں میں ڈال دیں، اس خادم نے تو کبھی سوچا تک نہ تھا''۔

رستم جنگ کا تیر نشانے پر لگا۔

کمانداران نے اطلاع دی کہ بابا خان ولی تشریف لائے ہیں تو بھکاری خان استقبال کے لئے دروازے کی طرف بھاگے اور بابا خان ولی کے پیچھے سر جھکائے چلتے ہوئے واپس کمرے میں داخل ہوئے۔ خواجہ مرزا تعظیماً کھڑے رہے۔ بھکاری خاں نے بابا خان ولی کو بتایا کہ خواجہ مرزا خان سکھوں کے خلاف جہاد کے لئے پنجاب آئے ہیں اور کئی معرکوں میں سرخرو رہے ہیں تو بابا خان ولی نے تحسین کی نظروں سے اس کی طرف دیکھا مگر کوئی بات نہیں کی۔

''ہماری خوش بختی ہے کہ حضور کے دستِ مبارک سے اس مسجد کا سنگ بنیاد رکھا جائے گا۔ ہم نے مسجد کا نام بھی تجویز کیا ہے، آپ نے پسند فرمایا تو آج ہی سے اس کا بھی اعلان کر دیا جائے گا تا کہ آپ کی موجودگی نام کو بھی برکت عطا فرما دے''۔ بھکاری خان نے شکریہ اور درخواست ایک ساتھ پیش کر دیئے۔

''کیا نام تجویز کیا ہے آپ نے؟'' بابا خان ولی نے پوچھا۔

''سنہری مسجد''۔ بھکاری خان نے بتایا۔ ''شاہ جہان آباد میں ہمارے بابا کی مسجد کا یہی نام ہے''۔

''بہت مبارک نام ہے، آپ کے بزرگوں کے جذبہ کی نمائندگی کرتا ہے''۔ بابا خان ولی خوش ہو گئے۔

''حضور کا پسند فرمایا نام ان شاء اللہ تا قیامت باقی رہے گا''۔ بھکاری خان کا چہرہ خوشی سے دمک اٹھا۔

خادم تاسوں میں خشک پھل، شہد اور دودھ لے کر حاضر ہوئے تو بابا خان ولی نے خدام کو بھی اندر بلا لیا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

''ہمیں اسلامی تعلیمات پر عمل کا عملی ثبوت دینا چاہئے۔ سنت یہ ہے کہ سب اکٹھے مل کر کھائیں''۔

''سبحان اللہ!'' بھکاری خان نے اس انداز میں کہا جیسے وہ زندگی میں پہلی دفعہ اس سنت کے بارے میں سن رہا ہو۔

رستم جنگ بابا خان ولی اور ان کے ساتھیوں کو اپنے ہاتھ سے اشیاء پیش کرنے لگے تو ان کے خدام پیچھے ہٹ گئے۔ بابا خان ولی کے مقام و مرتبہ سے وہ سب واقف تھے لیکن اپنے آقا کو کسی سے اتنی عقیدت کا اظہار کرتے انہوں نے کبھی نہ دیکھا تھا۔

''میر معین الملک مرحوم کی خواہش تھی کہ سید صابر شاہ کا عالیشان مقبرہ بنایا جائے۔ انہوں نے حضور کے اس خادم کو حکم بھی دیا لیکن حالات کے تغیر نے مرحوم کی خواہش پوری نہ کرنے دی''۔ بھکاری خان نے بابا خان ولی کو بتایا۔

''نواب مرحوم سید صابر شاہ سے بہت عقیدت رکھتے تھے۔ بادشاہ سلامت نے قندھار میں ہمیں آگاہ کیا تھا کہ نواب مرحوم کی کامرانیوں کا ایک سبب ان کی سید شہید سے عقیدت بھی ہے''۔ بابا خان ولی نے پُر وقار انداز میں کہا۔

''کابل و قندھار کے ذیشان حکمران اعلیٰ حضرت احمد شاہ ابدالی کی اپنی شاندار کامیابیوں کی وجہ بھی اس سیّد خاندان سے ان کی عقیدت ہے، یہ سب اہل ہند کی رائے ہے''۔ بھکاری خان نے نیا جال بننا شروع کیا۔

''آپ نے درست کہا، ٹھیک جانا۔ سید بادشاہ دوست کو کبھی دھوکہ نہیں دیتے اور دشمن کی گستاخی معاف نہیں فرماتے''۔ بابا خان ولی نے اسی پُر وقار انداز میں کہا۔ ''اس کی مثال شاہنواز کی ذلت اور رسوائی ہے''۔

''ہمیں افسوس ہے کہ کشور پنجاب میں تغیرات کی وجہ سے ہم سید بادشاہ سے اپنی عقیدت کا ثبوت نہ دے سکے''۔ بھکاری خان بات کو اپنے مقصد کی طرف لے چلا۔

''ہماری دعا ہے خدائے بزرگ و برتر آپ کو اس عقیدت کے اظہار کا موقعہ اور توفیق عطا فرماوے''۔ بابا خان ولی نے دعا کی۔

''پنجاب میں شاہ قندھار کی حکومت اور مسلم ملت کے تحفظ کے لئے ہم حضور کی دعاؤں اور ہدایات کے بھی طلبگار ہیں''۔ بھکاری خان کے چہرے پر خوشی پھیل گئی۔

''مسلم ملت کی بہتری اور شاہ قندھار کی سلطنت کے لئے ہم سب کچھ کریں گے، دعا بھی اور دوا بھی''۔

''کشور پنجاب کی تغیر پذیر حالت سے ملت اور سلطنت کے لئے جو خطرات پیدا ہو رہے ہیں حضور اور بادشاہ معظم لازماً ان سے آگاہ ہیں۔ ہم ان کی اصلاح کے لئے حضور سے رہنمائی کی درخواست کی اجازت چاہتے ہیں''۔ بھکاری خان نے فکرمندی ظاہر کی۔

''ہم چاہیں گے کہ اس جمعرات کو محفل کے بعد آپ اس بارے میں ہمیں تفصیل سے بتائیں''۔ بابا خان ولی نے اس کی حوصلہ افزائی کی۔

بھکاری خان کا چہرہ اور بھی تمتما اٹھا اس کا یہ تیر بھی نشانے پر لگا تھا۔

مسجد کا سنگ بنیاد رکھا جا چکا تو اس نے بابا خان ولی اور ان کے خدام کو نذرانے پیش کر کے رخصت کیا۔

طہماس خان، خواجہ مرزا خان، بابا خان ولی اور مسجد آج اسے سب محاذوں پر توقع سے زیادہ کامیابی ہوئی تھی۔ شاہجہان آباد کے دربار کے بارے میں انہیں زیادہ فکر نہیں تھی۔ وہ وزیراعظم ہندوستان کو ترک امراء اور سالاروں کے ذریعے اپنے ساتھ ملانا کوئی زیادہ دشوار نہ سمجھتے تھے۔ انہیں سب سے زیادہ فکر کابل و قندھار کے بادشاہ کی تھی جن سے رابطہ کا کوئی وسیلہ پیدا نہیں ہو رہا تھا۔ اگر بابا خان ولی کے وسیلہ سے وہ احمد شاہ ابدالی کو

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

حالات اور خطرات سے آگاہ کرسکیں تو اس کے شاہجہان آباد پر بھی اچھے اثرات ہوں گے اور ترک امراء اور سالار بھی کھل کر اس کا ساتھ دیں گے۔ اس نے حالات اور اپنی کارکردگی کا جائزہ لیا تو اس کی آنکھوں میں چمک آ گئی اور اپنے اوپر اعتماد اور بھی مستحکم ہونے لگا۔

اس شام خواجہ مرزا خان انہیں ترک سالاروں سے اپنے مذاکرات سے آگاہ کرنے آیا تو بھکاری خان نے اسے خوشخبری سنائی۔ ''ہماری خواہش ہے کہ جمعرات کو آپ ہمارے ساتھ رہیں اور بابا خان ولی کے حضور حاضر ہوں''۔

خواجہ مرزا خان نے سر تسلیم خم کرتے ہوئے کہا۔ ''حضور کے اعتماد کے بوجھ سے خادم کی گردن پہلے ہی بہت جھک چکی ہے''۔

*

سید صابر شاہ کی قبر پر فاتحہ پڑھنے والوں کا ہجوم تھا۔ نیم روشن کمرہ میں لوبان کی خوشبو اور مرادیں مانگنے والوں کی آہ وزاری کے درمیان اس نے دعا ختم کی تو ایسے محسوس کیا جیسے اس کا دم گھٹنے لگا ہے۔ اس کا دل چاہتا تھا وہ جلدی سے باہر کھلی ہوا میں نکل جائے اور تازہ ہوا سے نتھنوں میں جمع اگربتیوں کی خوشبو دھو ڈالے مگر دل کی خواہش پر قابو کر کے وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا ایک کونے میں جا کر بیٹھ گیا اور جیب سے مروارید کی تسبیح نکال کر پڑھنے لگا مگر اس کے خیالات کا انتشار پھر بھی دور نہ ہوا وہ نگاہ اٹھا کر فاتحہ پڑھنے والوں اور سسکیاں بھرنے والوں کا جائزہ لیتا اور پھر سر جھکا کر اپنی خواہشات کو دھاگے میں پرونے کی کوشش شروع کر دیتا۔ لوگ ایک دروازے سے داخل ہوتے فاتحہ پڑھتے دعائیں مانگتے۔ ایک طرف کھڑا خادم انہیں باہر جانے کا اشارہ کر رہا تھا تا کہ دوسروں کے لئے جگہ بن جائے۔ وہ قبر کے گرد سے گھوم کر باہر نکل جاتے۔ اس نے فاتحہ پڑھنے اور مرادیں مانگنے والوں کی آوازوں پر کان لگا دیئے تا کہ جان سکے کہ وہ کیا مانگ رہے ہیں۔ ایک خادم نے آگے بڑھ کر اس کی طرف دیکھا تو وہ جلدی سے کھڑا ہو گیا اور خاموشی سے خادم کے پیچھے چلتا ہوا باہر نکل گیا۔ فاتحہ پڑھنے اور دعائیں مانگنے والوں میں سے کسی نے اس کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھا۔

بابا خان ولی کھردری چٹائی پر بیٹھے وظیفہ پڑھ رہے تھے اس نے آگے بڑھ کر نہایت عقیدت سے مصافحہ کیا اور سر جھکا کر ان کے سامنے کھڑا رہا۔ ''سید صابر شاہ کے حضور جس کسی نے اپنی خواہش پیش کی کبھی خالی ہاتھ نہیں گیا''۔ بابا خان ولی نے اسے سامنے کی چٹائی پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''خادم کی ایک ہی خواہش ہے، ملت کی فلاح اور نظم مملکت کی اصلاح۔ اس کے سوا سید بادشاہ سے کچھ مانگ نہ سکا''۔ اس نے جواب دیا۔

''ہماری دعا ہے خدا آپ کی یہ پاکیزہ خواہش پوری کرے''۔ بابا خان ولی نے اس کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''جس خواہش میں اپنی ذات اور لالچ کی ملاوٹ نہ ہو وہ ضرور پوری ہوتی ہے''۔

''ملت کی فلاح میں ہی سب کی فلاح ہے، خادم اس سے زیادہ کوئی خواہش نہیں رکھتا''۔ اس کے الفاظ میں اعتماد تھا۔

''ہم دیکھتے ہیں میر منو کی وفات کے بعد سے سید بادشاہ کے حضور حاضری دینے والوں کی دعاؤں میں دکھ بڑھ گیا ہے اور التجاؤں میں ذات اور لالچ کم ہو گئے ہیں''۔

''جس خاتون کے ہاتھ میں اس کشور کا نظم ہے اس کی طبیعت میں استقلال نہیں بغاوت ہے، اس کے پاس تجربہ نہیں ہے۔ اس کے مشیر مرد نہیں خواجہ سرا ہیں اور سید بادشاہ کے حضور حاضری دینے والے یہ سب کچھ دیکھ

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

رہے ہیں اور فکر مند ہیں''۔ اس نے بابا خان ولی کے سوال کا جواب تفصیل سے دیا۔

''جس خاتون کا اپنا سر ننگا ہو وہ ملت کے لئے اس تپش میں چھتری ثابت نہیں ہو سکتی۔ اہلِ فیصلہ و اختیار اس بات کو نہ جان سکے، ہمیں افسوس ہے''۔ بابا خان ولی نے مغلانی بیگم کو سند اختیار دینے پر ناراضگی کا اظہار کیا۔

''اہلِ پنجاب اور اہل لاہور کا اس فیصلے میں کوئی اختیار نہ تھا، وہ دوسروں کے اختیارات اور فیصلوں کی آگ میں جل رہے ہیں''۔اس نے جواب دیا۔

''ہم نے اہل پنجاب کو اس خاتون سے نجات دلانے کا فیصلہ کرلیا ہے''۔ بابا خان ولی کی آنکھیں سرخ ہو گئیں۔''ہم ملت کا زوال اور نظم میں بگاڑ نہیں دیکھ سکتے۔ بادشاہ قندھار شاہجہان آباد کے فیصلوں کے پابند نہیں، کشور پنجاب ان کی سلطنت کا حصہ ہے، ہم انہیں اس خاتون کی سرکشی کچلنے کو کہیں گے''۔ وہ تسبیح کے دانے تیز تیز گرانے لگے۔

یہ حضور کا اہل پنجاب پر کرم ہوگا، ملک وملت پر کرم سمجھا جائے گا''۔اس نے آگے بڑھ کر بابا خان ولی کے ہاتھ چومتے ہوئے کہا۔

''سید صابر شاہ نے جس ملت اور کشور کی بہتری کے لئے اپنی جان عزیز قربان کردی۔ شاہ معظم اس میں بگاڑ برداشت نہیں کر سکتے۔ ضرورت ہوئی تو ہم خود سید بادشاہ کی تقلید کریں گے اور اس سرکش خاتون کے خلاف تلوار اٹھائیں گے''۔ بابا خان ولی طیش میں آ گئے۔

''حضور کے اس جاں نثار کی موجودگی میں حضور کو تلوار اٹھانے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔اس کے لئے بادشاہ کابل وقندھار کا ایک اشارہ ہی کافی ہوگا اور بادشاہ سلامت آپ کی فرمائش ٹال نہیں سکیں گے''۔ اس نے التجا کی۔

''آپ جو چاہتے ہیں مراسلہ میں لکھ دیں ہم اپنی سفارش کے ساتھ مراسلہ قندھار بھجوا دیں گے۔ تیز رفتار سواروں کا انتظام آپ کو کرنا ہوگا''۔ بابا خان ولی نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

''حضور کے ارشاد کی تعمیل خادم پر فرض ہے، کل رات تک تحریری عرض داشت حضور کی خدمت میں پیش کر دی جائے گی۔اس کے ساتھ دربار لاہور کے ان امراء کی فہرست بھی ہوگی جو کابل وقندھار سے وفاداری کا اظہار کرنا چاہتے ہیں''۔اس نے اجازت چاہی۔

''ایسی فہرست مفید رہے گی۔ جمعہ کے دن ہم چلہ کریں گے اور ہفتہ کے دن روزہ سے ہوں گے۔ اس کے بعد بلا اجازت حاضری ہو سکے گی۔ احتیاط لازم ہے اور تم بادشاہ معظم سے درخواست گزار ہوگے، اس فقیر سے نہیں''۔

''حضور بادشاہوں کو حکم جاری کرنے والے ہیں۔ آپ کے کرم سے اس قوم اور کشور کی تقدیر بدل جائے گی''۔

''اب آپ تشریف لے جائیں، ہمارے کام میں حرج ہو رہا ہے''۔ بابا خان ولی نے آنکھیں بند کرتے ہوئے کہا تو اس نے ان کے پاؤں کو ہاتھ لگایا اور ہاتھ چوم کر الٹے قدموں حجرے سے باہر نکل آیا۔

سید صابر شاہ کے مزار سے باہر نکل کر اپنی سواری پر بیٹھا تو اسے محسوس ہوا، وہ ہوا میں اڑ رہا ہے۔ قلعہ کے پاس سے گزرتے ہوئے اس نے اپنے گھوڑے کی باگیں کھینچ لیں اور کافی دیر تک کھڑا فصیل کی طرف دیکھتا رہا۔ اس نے محسوس کیا کہ شاہی قلعہ کی فصیل کی بلندی بہت کم ہوگئی ہے، آسمان پر بادل چھا رہے تھے، ہلکی ہلکی پھوار پڑنا شروع ہوگئی تھی۔ اس کے محافظ دستہ کے کماندار نے ذرا فاصلے سے دیکھا تو اسے شبہ ہوا جیسے بھکاری خان قلعہ پر حملہ کا منصوبہ بنا رہا ہو اور فصیل کی بلندی اور مضبوطی کا جائزہ لے رہا ہو مگر اس نے فوراً ہی یہ شبہ جھٹک دیا۔ ..

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

خلوص دل سے بھکاری خان کے جسم اور ارادوں کا محافظ تھا۔

*

ملاحوں کی بستی اندھیرے کی چادر میں چھپی سو رہی تھی کہ فقیر کی آواز بلند ہوئی۔ ''آدھی روٹی کا سوال ہے بابا''۔

''اتنی رات گئے بارش میں تم آدھی روٹی مانگتے پھر رہے ہو، شام سے بھنگ پی کر پڑے تھے اب ہوش آیا تمہیں آدھی روٹی مانگنے کا''۔ بوڑھے ملاح نے جھونپڑی سے سر نکال کر فقیر کو ڈانٹا۔

فقیر نے اس کی ڈانٹ پر کوئی توجہ نہیں دی اور ''آدھی روٹی کا سوال ہے بابا'' کی آواز لگاتا آگے بڑھتا گیا۔ اگلی جھونپڑی کے پاس سویا کتا جاگ اٹھا اور بھونکنا شروع کر دیا۔ کتے کی آواز سن کر اندر سے ایک نوجوان باہر آیا اور کتے کو پچکارتے ہوئے فقیر کو آواز دی۔ ''جلدی سے نکل جاؤ ورنہ کتا تمہیں پورا چیر پھاڑ دے گا''۔

فقیر نے اس کی تنبیہ پر بھی کوئی دھیان نہیں دیا۔ ''آدھی روٹی کا سوال ہے بابا'' وہ مسلسل آواز لگا رہا تھا۔

کالو اپنی جھونپڑی میں چارپائی پر لیٹا بچوں کو دریائے راوی کی کہانی سنا رہا تھا کہ پہاڑوں کی دیوی نے اسے کیوں اپنی بادشاہت سے نکال دیا تھا اور لاہور کے پاس راوی کی ملاحوں کے بزرگ سے کیسے دوستی ہوئی تھی اور راوی نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ ''وہ جب تک بہتا رہے گا اس کی آل اولاد کی روزی روٹی کا ذمہ دار ہوگا'' وہ یہیں تک پہنچا تھا کہ اس کے کان میں فقیر کی آواز پڑی ''آدھی روٹی کا سوال ہے بابا''۔

وہ جلدی سے اٹھا اور جھونپڑی سے نکل کر آواز دی۔ ''بابا سائیں آدھی روٹی لے جاؤ''۔

اس کی بیوی جھونپڑی کے اندر سے چلائی۔ ''روٹی کس ماں سے لے کر دو گے اتنی رات گئے، اس بے وقتے فقیر کو''۔

کالو نے بیوی کی گالی پر کوئی دھیان نہیں دیا۔ ''اچھا نہ سہی میں اسے بستی سے تو نکال دوں روٹی مانگتا مانگتا کتوں کی خوراک ہی نہ بن جائے''۔

تھوڑی دیر بعد واپس آ کر اس نے بیوی کو ڈانٹا اور بتایا کہ فقیر کوئی بہت پہنچا ہوا بزرگ ہے اور اسی وقت راوی کے دوسرے کنارے جانا چاہتا ہے جہاں وہ خواجہ خضر سے ملاقات کرے گا۔ وہ جلدی جلدی کپڑے بدلنے لگا اور بیوی کو خبردار کیا کہ وہ کسی سے اس ملاقات کی بات نہ کرے ورنہ خواجہ خضر ناراض ہو جائیں گے اور اس کے اور اس کی آل اولاد کے لئے راوی میں کشتی چلانا ممکن نہیں رہے گا۔ اس کی بیوی غصہ بھول کر سہم گئی اور بچے کو سینے سے لپٹاتے ہوئے کہا۔ ''آپ میری طرف سے بابا جی سے معافی مانگنا اور یہ دو روٹیاں میں نے بچوں کے لئے بچا کر رکھی تھیں ایک فقیر بابا کو دے دینا اور دوسری خواجہ خضر کے لئے بھیج دینا اور کہنا ہم غریب ملاح ہیں گھر میں اس وقت یہی دو روٹیاں تھیں''۔

کالو نے جلدی سے روٹیاں پکڑیں اور باہر نکل گیا۔ ''کسی سے بات نہ کرنا میں نے پہلے بھی تمہیں خبردار کیا ہے خواجہ خضر دریاؤں کے بادشاہ ہیں تمہیں تمہارے باپ نے بتایا ہوگا''۔

اس کی بیوی نے بچے کو سینے سے لپٹا کر آنکھیں بند کر لیں جیسے دریاؤں اور ملاحوں کی سلامتی کی دعا کر رہی ہو۔

بارش اور بھی تیز ہو گئی تھی سرد ہوا اور سیاہ رات میں راوی کی لہروں کے اتار چڑھاؤ کا اندازہ صرف کشتی کے ڈولنے سے ہو سکتا تھا کالو کے توانا بازو پانی کا سینہ چیرتی کشتی کو کامران کی بارہ دری کی طرف لے جا رہے تھے۔ فقیر گم صم بیٹھا تھا جیسے وظیفہ پڑھ رہا ہو۔ چھوٹے پانی میں

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

پہنچ کر کالو کشتی سے اتر گیا اور اس سے بندھا رسا پکڑ کر کنارے کی طرف کھینچنے لگا۔ کشتی زمین پر لگی تو اس نے فقیر کو سہارا دے کر اتارا اور خشک کنارے تک پہنچا دیا۔ فقیر نے اسے تھپکی دی۔ ''جب تک ہم واپس آئیں کشتی سے باہر نکل آنا''۔

فقیر باغ میں گم ہو چکا تو کالو کشتی کا رسا کھول کر ٹھنڈی سیلی زمین پر بیٹھ گیا اور کشتی مضبوط جھاڑی سے باندھنے لگا۔ پوہ ماگھ کی جھڑی میں بادل گرجتے ہیں نہ بجلی زیادہ چمکتی ہے بس بار ہوتی رہتی اور سردی بڑھتی جاتی ہے۔ اس نے بزرگوں سے سن رکھا تھا کہ جمعرات کی جھڑی پورا ہفتہ جاری رہتی ہے تو گویا مجھے پورے سات روز جھونپڑی میں گزارنا پڑیں گے؟ وہ سوچنے لگا۔ ہوسکتا ہے فقیر کوئی اور ڈیوٹی لگا دے اور سردی میں ذلیل و خوار ہونا پڑے تیز ہوا کے جھونکے سے راوی میں ذرا بھاری لہر اٹھ کر کشتی سے ٹکرائی تو اس کے ہاتھ میں پکڑے رسے پر دباؤ بڑھ گیا جیسے کسی مچھیرے کی کنڈی سے کوئی بھاری مچھلی لگ گئی ہو اور جان چھڑانے کے لئے کنڈی کھینچ رہی ہو اس نے پوری قوت سے کشتی کو اپنی طرف کھینچا پاؤں اکھڑنے لگے تو جھاڑی کو تھام لیا تا کہ پاؤں نیچے کی مٹی میں جمے رہیں لہریں اور بھی تیز ہونے لگیں۔ کالو نے کشتی کے رسے کا سرا مزید مضبوطی سے باندھ دیا اور کپڑا اوڑھ کر لہروں پر ڈولتی کشتی میں لیٹ کر راوی سے آگے قلعہ کی فصیل ڈھونڈنے لگا۔ چاروں طرف سیاہی کے پہاڑ اگ آئے تھے، ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا تھا، بارش کا پانی اس کی ترپال کی چادر سے پھسل پھسل کر کشتی میں گر گر کر ترنم پیدا کرنے لگا۔

لہروں کا گیت اور ترپال سے بارش کے پانی کے ملاپ کا نغمہ دریا کے کنارے اگی کائی جھاڑیوں اور سرکنڈوں میں سے گزرتی ہوا کا شور اس نے بہت اندھیری راتیں دیکھی تھیں مگر آج کا لمحہ اس کے لئے سب سے مشکل تھا۔ کشتی نہ چھوڑنے کی پابندی نہ ہوتی تو وہ کسی گھنی جھاڑی میں کھوہ بنا کر ترپال تان کر آرام سے بیٹھ جاتا۔ بارش ہوتی رہی وہ کشتی میں لیٹا شاہی قلعہ کی فصیل تلاش کرتا رہا۔ کافی دیر بعد قدموں کی آواز سن کر وہ تیزی سے کشتی سے نکل کر جھاڑی سے بندھا رسا کھولنے لگا۔ آوازیں اور بھی قریب آئیں تو اس نے اندازہ کیا کہ اب اسے ایک کی بجائے تین سواریاں کھینچنا پڑیں گی لیکن اسے اس کی فکر نہیں تھی۔ اس کے بازوؤں میں اتنی طاقت تھی کہ اس چڑھاؤ میں بھی دس افراد کو دریا کے اس پار لے جائے۔

*

سید صابر شاہ کے مزار کے اندر کا دیا بھی بجھ چکا تھا، خدام اپنے اپنے حجروں میں گہری نیند سو رہے تھے جب بابا خان ولی کے حجرے کے سامنے ''جئے بادشاہوں کا بادشاہ سید صابر شاہ'' کی آوازیں بلند ہوئیں۔ اس نے جلدی سے اٹھ کر دروازہ کھول دیا جیسے وہ اسی آواز کے انتظار میں بیٹھا تھا۔ شمعدان کی روشنی تیز کر کے اس نے آنے والوں کا جائزہ لیا اور ہلکی سی مسکراہٹ جو نیم روشنی میں کسی کو نظر نہیں آئی، لبوں پر پھیلا کر کہا۔ ''ہم نے آپ کو بہت زحمت دی مگر معاملہ ہی کچھ اہم تھا''۔

''کوئی زحمت نہیں، آپ کا حکم تھا ہم حاضر ہو گئے''۔ آنے والوں میں سے ایک نے کہا۔

''آپ جلدی سے کپڑے تبدیل کر لیں، ایک جوڑا سرفراز کو پہنچا دیں، ایک ہمارے لئے نکال کر ادھر چھپا دیں ہم خادم کو بلاتے ہیں، وہ آپ کے لئے کچھ لائے''۔ بابا خان ولی نے کہا۔

''کچھ لانے کی ضرورت نہیں، ہمارا انتظار ہو رہا ہے''۔ فقیر نے جواب دیا۔

''پھر بھی خادم کو بلانا ضروری ہے۔ چند ولی یہاں رہے گا، اسے ہدایات دینا ہوں گی''۔ بابا خان ولی یہ کہہ

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

کر باہر نکل گیا۔
فقیر نے اپنی زنبیل سے کپڑے نکال کر رکھ دیئے تو اس کے ساتھی جلدی جلدی کپڑے تبدیل کرنے لگے۔
''یہ ہمارے مہمان ابھی سید بادشاہ کے مزار پر حاضری دیں گے اور رات ہمارے ساتھ عبادت کریں گے۔ جب تک ہم نہ بلائیں کل جمعہ کی نماز تک کوئی ادھر نہیں آئے گا۔ اب تم جاؤ اور جلدی سے جو حاضر ہے کھانے کے لئے لے آؤ۔ دروازے کے سامنے رکھ کر بلند آواز میں تین دفعہ کلمہ شریف پڑھنا اور واپس اپنے حجرے میں چلے جانا، ہم خود اٹھالیں گے''۔ بابا خان ولی نے خادم کو ہدایت دے کر رخصت کردیا اور دروازہ بند کر لیا۔

*

نادر بیگ قلعہ کی فصیل پر پہرہ چیک کرتا ہوا ڈیوڑھی تک آیا اور کمان کا معائنہ کر کے اپنے محافظ دستہ کو رخصت کردیا۔ وہ ڈیوڑھی سے نکل کر اپنے گھر کی طرف جانے کی بجائے فصیل کے ساتھ ساتھ چلتا ہوا شیش محل تک پہنچا تھا کہ باہر سے آواز آئی۔ رام'' والے رام کہو، رب والے رب کہو''۔ وہ واپس مڑا اور ڈیوڑھی سے پہریدار کو ساتھ لے کر قلعہ سے باہر نکل گیا فصیل کے زیر سایہ تین جوگی آنکھیں بند کئے بیٹھے بارش میں بھیگ رہے تھے۔
''آپ اتنی اندھیری رات میں یہاں کیا کر رہے ہیں؟'' نادر بیگ نے کڑک دار آواز میں پوچھا۔
''جاؤ میاں اپنا راستہ لو، تم اتنی اندھیری رات میں کہاں سے آ گئے، ہم سے پوچھنے والے''۔ ایک جوگی نے اس کی طرف دیکھے بغیر جواب دیا۔
''ہم قلعہ کے محافظ ہیں اور کسی کو یہاں بیٹھنے کی اجازت نہیں دے سکتے''۔ نادر بیگ نے سختی سے کہا۔
''ہر چیز کا محافظ رب ہے اگر کوئی بندہ قلعہ کی حفاظت کر سکتا تو آج یہ اسی کے خاندان کے پاس ہوتا جس نے یہ بنوایا تھا۔ خدا کی زمین پر ہمیں کسی کی اجازت کی ضرورت نہیں''۔ جوگی نے بے نیازی سے جواب دیا۔
''آپ بارش میں بھیگ رہے ہیں میرے ساتھ چلیں میں قلعہ کے اندر آپ کے لئے رات بسر کرنے کا انتظام کرادیتا ہوں''۔
''چلیں دیکھ لیں، یہ بھی تماشہ تمہارے قلعہ کی دیواریں ہمیں بند نہ کرسکیں گی''۔ جوگی نے اپنے ساتھیوں کو اٹھنے کا اشارہ کیا۔
''خدا نہ کرے ہماری ایسی خواہش ہو، ہم تو چاہتے ہیں آج کی رات ہمیں خدمت کا موقع عنایت فرما دیں''۔ نادر بیگ کا رویہ بدل گیا۔
جوگی اس کے پیچھے چل دیئے ڈیوڑھی میں پہنچ کر نادر بیگ نے پہریدار کو وہیں چھوڑ دیا۔
''جوگی آج ہمارے مہمان ہوں گے''۔ اس نے پہریداروں کو بتایا۔
''ہم چند گھنٹے سے زیادہ کسی کے مہمان نہیں رہا کرتے۔ اذان سے پہلے ہمیں اپنی ڈیوٹی پر پہنچنا ہے''۔ جوگی نے اس کے ساتھ چلنے سے پہلے پہریداروں کو سنا کر کہا۔
''اذان سے پہلے جوگی بابا آئیں تو دروازہ کھول دیا جائے''۔ نادر بیگ نے ڈیوڑھی کے کماندار سے کہا اور جوگیوں کو لے کر اندھیرے کے سمندر میں اتر گیا۔
تھوڑا آگے جا کر وہ پھر گھوما اور شیش محل کی بیرونی دیوار کے ساتھ ساتھ چلنے لگا بارش تھم چکی تھی مگر ہوا اب بھی بہت سرد تھی۔ پہریدار اپنے اپنے برج میں بیٹھے ٹھٹھر رہے تھے، وہ اطمینان سے چلتے رہے۔ ایک جگہ پہنچ کر نادر بیگ نے ایک کھڑکی پر چوٹ لگائی تو کھڑکی کھل گئی۔
''آپ کی بے وقت آمد کی پہچان'' اندر سے آواز آئی۔
''ساتواں جاں نثار''۔ نادر بیگ نے جواب دیا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

بیرونی سمت کا چھوٹا سا دروازہ کھل گیا۔ اندر موجود مشعل بردار ایک راہداری میں سے ہو کر سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ نادر بیگ اور جوگی اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگے۔ سیڑھیاں ایک چھوٹے سے کمرہ میں کھل گئیں جس کے مشرقی سمت میں ایک اور دروازہ تھا اس نے دروازے پر ہلکی سی دستک دی تو وہ دروازہ بھی کھل گیا۔ مشعل بردار الٹے قدموں واپس لوٹ گیا نادر بیگ اور تینوں جوگی اس دروازہ سے اندر داخل ہو گئے۔ قالینوں اور تکیوں سے آراستہ فرش والے کمرے کے ایک طرف چبوترہ بنا تھا جس پر قیمتی قالین اور ریشمی گاؤ تکیے لگے تھے۔ شمعدان کی مدھم روشنی میں کمرہ طلسماتی کہانیوں کی ملکہ کی خواب گاہ معلوم ہوتا تھا وہ ابھی اس ماحول سے آشنائی کی کوشش کر رہے تھے کہ مغلانی بیگم دوسرے دروازے سے اندر داخل ہوئی اور پُر وقار انداز میں چلتی ہوئی نشست پر جا کر بیٹھ گئی۔ نادر بیگ اور جوگی آداب بجا لانے کے لئے کھڑے ہو گئے۔ بیگم نے انہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا تو وہ چاروں ان کے سامنے قالین پر بیٹھ گئے۔

''اس سرد رات میں اس جگہ موجودگی آپ کی فرض سے خلوص کی دلیل پر ہمیں مسرت ہوئی''۔ مغلانی بیگم جوگیوں سے مخاطب ہوئیں۔

''یہ حضور کی بندہ نوازی ہے۔ حضور نے نہیں ہمیں ہمارے فرض نے مجبور کیا ہے''۔ ایک جوگی نے دست بستہ جواب دیا۔

''بابا خان ولی کے ساتھی کی کیا رپورٹ ہے؟''
مغلانی بیگم نے پوچھا۔

''کیسری مل خود رپورٹ پیش کرے گا''۔ اسی جوگی نے ہاتھ جوڑ کر عرض کیا۔

''ہمیں خوشی ہے کہ کیسری مل آنکھیں اور کان کھلے رکھتے ہیں اور ہر معمولی بات کی بھی خبر دیتے ہیں لیکن آج جس بات کی ہم اطلاع چاہتے ہیں وہ معمولی نہیں اس کا تعلق مملکت سے ہے اور ہم سب کے حال اور مستقبل سے ہے۔ نواب معین الملک مرحوم کے سب جاں نثاروں سے تعلق ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ کیسری مل ہمیں مایوس نہیں کریں گے''۔ مغلانی بیگم نے دوسرے جوگی کو مخاطب کیا۔

جوگی نے کھڑے ہو کر دست بستہ بات شروع کی۔ ''حضور کے اس خادم نے ایمن آباد سے چندو مل کو بلا کر پوچھا ہے وہ اس وقت سید صابر شاہ کے مزار پر موجود ہے۔ شاہدرہ، شرقپور اور شکارگاہوں میں جوگیوں سے خبریں اکٹھی کی ہیں۔ ان کی اطلاع کے مطابق خواجہ مرزا خان دریا کے اس پار مغل اور ترک دستوں سے رابطہ کر رہے ہیں۔ چند روز پہلے وہ شکار کے لئے محمود بوٹی سے آگے بیلے میں داخل ہوئے اور وہاں شاہدرہ کے دستہ کے سربراہ سے ملاقات کی۔ اگلے روز شاہدرہ کے دستہ کے سربراہ دریا کے مغربی جنگل میں شکار کے بہانے گئے اور وہاں ایمن آباد کے دستہ کے سربراہ کے ایک قابلِ اعتماد ساتھی سے ملے۔ ان ملاقاتوں میں بات کیا ہوئی غلام جاننے سے قاصر رہا''۔

''بھکاری خان نے خود بھی کبھی کسی سردار سے ملاقات کی ہے؟'' مغلانی بیگم نے سیدھا سوال کیا۔

''ہمارے کسی جوگی نے اس کی تصدیق نہیں کی''۔ جوگی نے جواب دیا۔

''بابا خان ولی کی کیا اطلاع ہے؟''

''اس غلام کی اطلاع کے مطابق بھکاری خان گزشتہ دو ہفتوں کے دوران شکار کے لئے کہیں نہیں گئے البتہ پٹی میں متعین فوج کے کماندار کے رکھ بھسین تک شکار کھیلنے کی خبر ہے۔ وہ پہلے کبھی ادھر نہیں آیا، اس کا سبب کیا ہوا غلام کچھ کہہ نہیں سکتا''۔

''آپ کے ساتھ بھکاری خان کی ملاقاتوں میں کیا طے پایا؟''

WWW.PAKSOCIETY.COM

''حضور کے اس غلام نے ان سے حضور کے خلاف تلوار اٹھانے اور بادشاہ کابل و قندھار سے انہیں حاکم پنجاب بنانے میں مدد دینے کی سفارش کا وعدہ کرلیا ہے''۔ پہلے جوگی نے دست بستہ عرض کیا۔

''اس منصوبہ پر عمل کا طریق کار طے ہوگیا ہے؟''

''ہم دو روز تک چلہ کشی اور روزہ کی وجہ سے انہیں مل نہیں سکیں گے۔ اس دوران وہ احمد شاہ ابدالی کے نام تفصیلی عرض داشت اور اپنے حامی امراء کی فہرست تیار کریں گے اور پھر ہماری سفارش کے ساتھ ایک تیز رفتار سوار یہ عرضداشت قندھار لے کر جائے گا''۔

''بہت خوب، آپ سے ہمیں یہی امید تھی۔ ہم اس کارکردگی کا ضرور بدلہ دیں گے''۔ مغلانی بیگم خوش ہو گئیں۔

''یہ آپ کی بندہ نوازی ہے، غلام نے اپنا فرض ادا کیا ہے''۔

''ہمیں امید ہے کہ آپ اس طرح اپنا فرض ادا کریں گے کہ بھکاری خان کا سارا منصوبہ ہمارے ہاتھ آ جائے''۔ مغلانی بیگم نے جوگی کو اس کا اگلا کام بتا دیا۔

''غلام امید کرتا ہے کہ سید صابر شاہ کے تعاون سے یہ مرحلہ بھی کامیابی سے طے ہو جائے گا''۔ جوگی نے یقین دلایا۔

مغلانی بیگم نے تالی بجائی تو میاں خوش فہم اندر آیا اور ان کے قدموں میں ایک طشتری رکھ کر آداب بجالا کر الٹے قدموں چلتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔ بیگم نے طشتری پر پڑا ریشمی رومال اٹھایا ہر جوگی کو پچاس پچاس اشرفیوں کی تھیلی دی اور ''سرفراز خاں تم سے کب ملاقات ہو سکتی ہے''۔ پوچھ کر کھڑی ہو گئی۔

تینوں جوگی اور نادر بیگ سر جھکا کر کھڑے ہو گئے۔ ''حضور! جمعہ کی نماز تک غلام کی ڈیوٹی بابا خان ولی کے حجرے میں ہے''۔ تیسرے جوگی نے عرض کیا۔

''کل مغرب کے بعد آپ ہمیں مطلوب ہیں''۔ مغلانی بیگم نے کہا اور کمرے سے باہر نکل گئی۔

*

رات کا سفر ختم ہونے والا تھا لیکن مغلانی بیگم کا کام ابھی ختم نہیں ہو سکتا تھا۔ شیش محل کے ایک اور کمرے میں وہ نائب صوبیدار پنجاب مومن خاں کے ساتھ احمد شاہ ابدالی کے پاس سند حکمرانی کے حصول کی عرضداشت بھیجنے کے انتظامات پر تبادلہ خیال کر رہی تھیں۔ مومن خاں نے عرضداشت پڑھ کر سنائی تو مغلانی بیگم نے اس پر اپنی مہر ثبت کر کے دستخط کیے اور عرضداشت لفافہ میں بند کر کے اپنے سامنے اس پر مہر لگوا کر لفافہ ریشمی غلاف میں بند کروایا۔

''دو وفد دو مختلف راستوں سے روانہ ہوں گے۔ حاکم پشاور جہان خان کا کیمپ حسن ابدال میں ہے۔ دونوں وفد جہان خان کی مملکت میں پہنچ کر اکٹھے ہوں گے اور مل کر عرضداشت اسے پیش کریں گے۔ آگے بادشاہ کے حضور قندھار بھجوانا اس کی ذمہ داری ہے۔ اس کے علاقہ میں خطرے کی کوئی بات نہیں، آپ کو اپنے علاقہ سے وفود کے بحفاظت نکل جانے کا انتظام کرنا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ کے اور ارکان وفد کے علاوہ کسی کو علم نہ ہو کہ ہم نے احمد شاہ ابدالی کے حضور کوئی سفارت بھیجی ہے۔ ہم نے ملک سجاول کو بلوایا ہے۔ لفافہ اس کے پاس ہوگا۔ ہم نے ہدایت کی ہے کہ ہفتہ کی صبح وفد ملک پور سے روانہ ہو کر مشرق کی طرف جائے گا اور ادھر سے اوپر جا کر راوی عبور کر کے پنڈ دادن خاں کی طرف مڑ جائے گا۔ وہاں سے حسن ابدال کی راہ لے گا اس کے ساتھ اس کے اپنے قبیلہ کے نوجوان ہوں گے۔ وہ گھوڑوں کے بیوپاریوں کے روپ میں سفر کریں گے۔ اصل سفارت کی قیادت نواب عبداللہ خاں کریں گے۔ وہ لاہور سے ملتان کی طرف روانہ ہوں گے اور راستہ بدل کر

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

راوی عبور کریں گے اور حسن ابدال پہنچیں گے۔ جو پہلے پہنچ جائے وہ دوسرے کا انتظار کرے گا اور پھر جہان خان کے روبرو پیش ہوں گے۔ ہمیں امید ہے کہ آپ ضروریات سفر صبح تک فراہم کر دیں گے''۔ مغلانی بیگم نے مومن خان کو سفارت کے راستہ اور افراد کی تفصیلات سے آگاہ کیا۔

''ہم حضور کی احتیاط پسندی کے معترف ہیں مگر عرضداشت ملک سجاول کے سپرد کرنے کی مصلحت نہیں سمجھ سکے، اتنی اہم دستاویز کسی ذمہ دار فرد کے سپرد کرنا لازم ہے''۔ مومن خاں نے مشورہ دیا۔

''ملک سجاول کا دل، دماغ اور بازو آزمودہ اور قابلِ اعتماد ہیں۔ نواب معین الملک کی وفات کے وقت وہ ہماری مدد نہ کرتے تو آپ اور ہم آج یہاں نہ ہوتے نواب عبداللہ خان کی سفارت پر کوئی شبہ کر سکتا ہے۔ راستہ میں کوئی حادثہ پیش آ سکتا ہے، بھکاری خاں کے آدمی گڑبڑ کر سکتے ہیں۔ ملک سجاول کو صرف ڈاکوؤں اور سکھوں سے خطرہ ہو سکتا ہے اور ان کے قبیلہ کے لوگ ایسے خطرات سے نبٹنا جانتے ہیں۔ حسن ابدال میں وہ لفافہ نواب صاحب کے حوالے کر دیں گے اور جہاں خان کو وہی پیش کریں گے''۔ مغلانی بیگم نے اسے اپنے فیصلے کی مصلحت سمجھائی۔

''حضور کی دانش پر ہمارا ایمان مزید پختہ ہو گیا ہے''۔ مومن خاں نے سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے کہا۔

''ہمیں آپ کی انتظامی صلاحیتوں پر ہمیشہ اعتماد رہا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ اس انتظام میں بھی آپ امیر الامراء کے تجربہ اور ہوشیاری کو خام ثابت کر دیں گے''۔

''خادم کو حضور کے اعتماد پر فخر ہے''۔ مومن خاں نے دایاں ہاتھ سینے پر رکھ کر جواب دیا۔

''ہم آپ کا مزید وقت نہیں لینا چاہتے، آپ کو کل دو سفارتوں کو تیار کرنا ہے''۔ مغلانی بیگم کھڑی ہو گئیں تو مومن خاں سلام کر کے کمرے سے باہر نکل گیا۔

*

ڈیوڑھی کے محافظ دستہ کے کماندار نے تہجد کی نماز ختم کی تو ایک سپاہی پاس کھڑا تھا۔ ''سب خیریت ہے؟'' کماندار نے سپاہی کی مداخلت پر پریشانی سے پوچھا۔

''باقی سب خیریت ہے، ہم نے تین جوگی پکڑے ہیں جو قلعہ کے اندر کہیں سے آئے ہیں''۔ سپاہی نے جواب دیا۔

''ہم آ رہے ہیں، انہیں روکے رکھیں''۔ کماندار نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے ہوئے کہا۔

''آپ کا پیغام کیا ہے؟'' سپاہی نے باہر آ کر جوگیوں سے پوچھا۔

''پیغام خدا کا ہے، ہمارا صرف پیٹ ہے جسے ہم نے اس لباس سے ڈھانپ رکھا ہے''۔ ایک جوگی نے جواب دیا۔

''آپ خدا کی مخلوق کو خدا تعالیٰ کا کیا پیغام پہنچاتے ہیں؟'' اس نے دوسرا سوال کیا۔

''پیٹ کی غلامی اور دماغ کے فتور سے نجات حاصل کرو، یہاں بھی بھلا وہاں بھی سکھ''۔ جوگی بولا۔

''یہ ہندو کے خدا کا پیغام ہے یا مسلمان کے خدا کا؟'' کماندار نے تفتیش جاری رکھی جو نماز کے بعد وہاں پہنچ گیا تھا۔

''رام والے رام کہو، رب والے رب کہو۔ خدا ہندو کا بھی ہے مسلمان کا بھی''۔ جوگی نے جواب دیا۔

''پہرہ بدلتے وقت ابتدائے شب کے دستہ کے سربراہ نے اسے جوگیوں کی نشانی بتا دی تھی اس نے سپاہیوں کو دروازہ کھولنے کا اشارہ کیا اور اس تکلیف پر معذرت چاہی۔

''معافی اس سے مانگو جو تمہارا پیٹ اندر سے بھرتا

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

اور باہر سے ڈھانپتا ہے۔ ہم بھی اسی سے معافی مانگتے ہیں، آپ بھی اسی سے معافی مانگیں جو اس کے بندے کو تنگ کرتا ہے، اسے ناراض کرتا ہے، وہ قابلِ گرفت ہے۔ ہم کون ہیں معاف کرنے والے؟'' جوگی نے کہا اور تینوں باہر نکل گئے۔

*

بادشاہ کابل و قندھار کے نام عرضداشت تیار ہو چکی تو بھکاری خان کی خوشی تشویش میں بدلنے لگی۔ لاہور کے بہت سے ترک امراء اور سرداروں نے اس سے اتفاق کیا تھا اور ساتھ دینے کا وعدہ کیا تھا۔ بابا خان ولی نے مدد اور سفارشی مراسلہ کی پیشکش کی تھی مگر وہ ان ترک امراء اور سرداروں پر کہاں تک بھروسہ کر سکتا ہے؟ وہ سوچنے لگا تھا اگر کسی طرح یہ بھید کھل گیا تو وہ امراء اور سردار اس کے ساتھ کھڑے رہیں گے؟ بابا خان ولی کے خلوص اور وعدہ پر اسے پختہ یقین تھا اور یہی بات اسے حوصلہ دیتی تھی مگر یہ عرضداشت بھیجنے کے سوا اس کے پاس اب کوئی چارہ بھی تو نہیں رہ گیا تھا۔ اس لئے عرضداشت بھیجنے کا ارادہ کر لیا تھا خواجہ مرزا خان اس کے آزمودہ ساتھی تھے احمد شاہ ابدالی سے رابطہ میں ان کے مشیر بھی تھے۔ ''ہم قندھار کی سفارت پر آپ کو بھیجنا چاہتے ہیں لیکن اس سے بات کھل جائے گی''۔ انہوں نے خواجہ مرزا خاں کی رائے لینے کے لئے کہا۔

حضور کا خادم اس اعتماد پر فخر محسوس کرتا ہے اور حضور سے متفق ہے کسی گمنام فرد کو قندھار بھیجنا مناسب ہو گا''۔ خواجہ مرزا خان نے جواب دیا۔

''ہم چاہتے ہیں کہ بیگم کے پرچہ نویسوں کو شبہ تک نہ ہو اور ایسا انتظام ہو سکے کہ عرضداشت لے جانے والا ڈاکوؤں اور سکھوں سے محفوظ رہ کر پنجاب کی حدود سے نکل جائے''۔

''بابا خان ولی کے عقیدت مند قندھار جاتے رہتے ہیں اگر وہ مدد کرنے پر تیار ہو جائیں تو کسی کو شبہ بھی نہیں ہو گا اور ہمارا آدمی محفوظ بھی رہے گا''۔ خواجہ مرزا خان نے رائے دی۔

بھکاری خان کو یہ تجویز پسند آئی۔ ''یہ طریقہ قابلِ غور ہے''۔

اتوار کی رات بھکاری خان نے بابا خان ولی سے رابطہ کی کوشش کی تو جواب آیا کہ جمعرات سے پہلے ملاقات ممکن نہ ہو گی۔ بابا خان ولی ہندو جوگیوں کے ساتھ چلہ کشی کے بعد سے مسلسل روزے رکھ رہے ہیں اور روزہ کی حالت میں وہ کسی دنیاوی معاملہ پر کسی سے بات نہیں کرتے۔

بھکاری خان ایک ایک دن گنتے رہے اور بابا خان ولی روزے رکھتے رہے اگلی جمعرات مومن خان اور ان کے مصاحب قرآن خوانی کی محفل میں شریک نہیں ہوئے۔ اس کے لئے یہ خوشی کی بات تھی عام و خاص سے ملاقاتوں کے بعد جب بابا خان ولی نے انہیں اپنے حجرے میں طلب فرمایا تو وہ سید صابر شاہ کی قبر کے پاؤں کی طرف وظیفہ پڑھتے پڑھتے تھک چکے تھے۔

''ہم نے سید بادشاہ سے اس نیکی میں مدد کی درخواست کی ہے، ہمیں یقین ہے کہ حضور ہمیں آپ کے سامنے شرمسار نہیں کریں گے''۔ بابا خان ولی نے بھکاری خان کے سلام کا جواب دے کر بتایا۔

''اس دربار سے تو کبھی کوئی عام سائل خالی ہاتھ نہیں گیا، حضور تو قلب و روح کے تعلق والے ہیں''۔ بھکاری خاں نے خوش ہو کر جواب دیا۔

''ہمیں امید ہے آپ نے عرضداشت تیار کر لی ہو گی''۔ بابا خان ولی نے پوچھا۔

''حضور کی دعا سے سب کچھ تیار ہے، صرف حضور کے کرم کی ضرورت ہے''۔ انہوں نے عرضداشت پیش کر دی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

بابا خان ولی نے عرضداشت غور سے پڑھی اس پر درج امراء کے نام بار بار پڑھ کر حافظہ میں محفوظ کر لئے اور بھکاری خان سے مخاطب ہوئے۔ ''سفارت کاری آپ کا فن ہے، یہ آپ جانیں ہم فقیر تو صرف یہ جاننا چاہتے ہیں کہ جن امرائے لاہور کے نام آپ نے اس میں درج کئے ہیں انہوں نے اپنی آزادانہ مرضی سے دستخط کئے ہیں یا آپ نے انہیں کوئی لالچ دیا ہے اور یہ یاد رکھیں کہ فقیر سچ سننے اور سچ بولنے کا عادی ہے''۔

''خادم کی یہ جرأت کہ حضور کے سامنے غلط بات کرے۔ حضور حکم فرمائیں تو ہم انہیں حضور کے سامنے پیش کر سکتے ہیں''۔ بھکاری خاں نے پُر اعتماد انداز میں جواب دیا۔

''ہمیں آپ کی بات پر اعتماد ہے ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ نیکی میں لالچ کی ملاوٹ اس کی طاقت کم نہ کر دے''۔ بابا خان ولی نے عرضداشت اسے واپس کرتے ہوئے کہا۔

''خادم کی درخواست ہے کہ حضور اس عرضداشت کو اپنی مہر مبارک سے ناقابلِ استرداد بنا دیں''۔ بھکاری خاں نے درخواست کی۔

''ہم جس نیکی میں شریک ہوں ایمان کی پوری قوت سے شریک ہوتے ہیں۔ آپ کی خواہش ہے تو ہمیں مہر لگانے سے کوئی انکار نہ ہوگا''۔ بابا خان ولی نے عرضداشت واپس لے کر اس پر اپنی مہر لگا دی۔

''خادم حضور کا بے حد شکر گزار ہے۔ کشور پنجاب اور اس کے مظلوم مسلمانوں پر یہ حضور کا کرم ہے''۔ بھکاری خان نے بابا خان ولی کے دستِ مبارک چوم لئے۔

''کرم اس خالق کا ہے جو سب کشوروں کا مالک و مختار ہے، ہم تو اس کی گنہگار مخلوق ہیں''۔ بابا خان ولی نے عاجزی سے جواب دیا۔

''حضور! یہ عرضداشت بادشاہ معظم تک پہنچانے میں مدد اور رہنمائی فرما دیں تو خادم بہت ممنون ہوگا''۔ بھکاری خان نے عرض کیا۔

''مناسب یہی ہے کہ یہ کام آپ خود کریں، ان معاملات سے آپ ہم سے زیادہ واقف ہیں''۔ بابا خان ولی نے جواب دیا۔

''حضور کے تعاون کے بغیر خادم کے لئے یہ کام مشکل ہوگا''۔ بھکاری خان نے درخواست دہرائی۔

''ہمارے کچھ مرید ایک تجارتی قافلہ کے ساتھ پشاور جا رہے ہیں، آپ مناسب سمجھیں تو اپنے آدمی ان کے ساتھ شامل کر دیں لیکن انتظام ایسا کریں کہ کسی کو شبہ نہ ہو''۔

''یہ حضور کا کرم ہوگا، باقی اہتمام ہم کر دیں گے۔ حضور کے اس کرم سے دربار قندھار تک ہماری سفارت کی رسائی آسانی ہو جائے گی''۔ بھکاری خان نے مسرت اور احسان مندی کا اظہار کیا۔

نصف شب گزرے جب بھکاری خان سید صابر شاہ کے مزار سے اپنے محل کے لئے روانہ ہوئے تو ان کے دل و دماغ پر سے بہت سا بوجھ ہلکا ہو چکا تھا۔ ''خدا تعالیٰ خود اسباب فراہم کر رہے ہیں، کامیابی مقدر ہو چکی ہے''۔ اس نے اپنے آپ کو تسلی دی۔

*

پنجاب میں سب کی نظریں قندھار کی طرف لگی تھیں۔ مغل بادشاہ کے مقرر کردہ صوبیدار کی سرپرست مغلانی بیگم نائب صوبیدار مومن خاں اور امیر الامراء بھکاری خان رستم جنگ امراء اور عام لوگ سب احمد شاہ ابدالی کی سرپرستی کے بغیر اپنے آپ کو غیر محفوظ سمجھنے لگے تھے اور پنجاب پر حکمرانی کے لئے احمد شاہ ابدالی کی خوشنودی کو سلامتی کی سند سمجھا جانے لگا تھا جو پنجاب کے ابتر حالات اور مغل شہنشاہ کی بے بسی کا ثبوت تھا۔ لال

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

قلعہ میں طاؤس و رباب کا راج تھا تو دربار لاہور کے وابستگان ایک دوسرے کے خلاف اقتدار کی سازشوں میں مصروف تھے، عام لوگ ان سے مایوس اور ناامید ہو چکے تھے۔ سکھوں کی شورش اور لوٹ مار مسلسل بڑھ رہی تھی، میر منو کی وفات کے بعد سے مغل فوجدار اور سردار دربار کے کنٹرول سے آزاد ہونے لگے تھے۔ ایک طرف بھکاری خان لالچ اور وعدوں کے ذریعے سرداروں اور کمانداروں کو خرید رہا تھا تو دوسری طرف مغلانی بیگم اور میر مومن خان اس سے زیادہ قیمت لگا کر انہیں اپنے ساتھ ملانے کی کوششوں میں مصروف تھے۔ مقامی آبادی اور سپاہ اس صورتِ حال سے سب سے زیادہ پریشان تھے مگر دربار میں مغلوں اور ترکوں کے اثر ورسوخ اور اجارہ داری کی موجودگی میں وہ کچھ بھی نہیں کہہ سکتے تھے۔ مغلانی بیگم مغلوں اور ترکوں کی بجائے پنجابی امراء اور کمانداروں پر زیادہ بھروسہ کرنے لگی تھی اور انہیں امورِ ریاست میں شریک کرنا چاہتی تھی مگر صدیوں کی اجارہ داری مہینوں میں ختم کرنا اس کے لئے بہت دشوار تھا۔ احمد شاہ ابدالی نے میر منو کو سند حکمرانی دے کر ''فرزند خاص'' کا جو رشتہ قائم کیا تھا مغلانی بیگم نے اسے استوار رکھ کر پٹھانوں کے ذریعے مغل اور ترک سرداروں اور امراء کی قوت کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا لیکن پٹھان اور احمد شاہ ابدالی لاہور سے دور تھے اور ترک دربار سے لے کر اضلاع تک ہر منصب پر قابض تھے۔ اس کے باوجود بیگم نے حوصلہ نہیں چھوڑا اور تلوار کی بجائے سفارت کاری کے ہتھیار سے جنگ جیتنے کی کوششوں میں مصروف ہوگئی۔ شاہجہان آباد اور قندھار کے حکمرانوں سے سند حکمرانی حاصل کر کے دونوں سرپرستی حاصل کرنے کی کوشش کے علاوہ بیگم نے دیسی اور مغلیہ فوج کے سرداروں اور فوجداروں کو انعام واکرام اور ترقی دے کر ساتھ ملانے کی کوششیں تیز کر دیں۔ ترک سرداروں میں قاسم خاں اور اس کے ساتھی سرگرم تھے۔ پنجابی فوج کے کماندار کریم بخش شروع سے ان کے وفادار تھے۔ بھکاری خان اور اس کے ساتھی تجربہ کار امراء کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ بیگم جس نے نہ کبھی تلوار اٹھائی تھی اور نہ مردانہ دستوں کی کمان کی تھی اتنی ہوشیاری سے ان کا مقابلہ کر سکے گی۔ تاشقند کے تجارتی قافلے کے ساتھ سفارت روانہ کرنے کے بعد بھکاری خان بیگم کے زوال کے خواب دیکھنے لگے تھے اور شہر کی مسلمان آبادی اور علماء کے مذہبی جذبات سے فائدہ اٹھانے کے لئے مسجد کی تعمیر کا کام تیز کروا دیا تھا۔ سینکڑوں راج مزدور دن رات کام پر لگا دیئے تھے، نقش ونگار بنانے کے ماہرین راتوں کو شمعیں جلا کر کام کر رہے تھے۔

جنوری کی ایک ٹھنڈی رات سارا لاہور روشن ہو گیا، شیش محل کے ایوانوں سے غرباء کی کٹیا تک ہر جگہ رات بھر شمعیں اور مٹی کے دیے جلتے رہے۔ مغلانی بیگم کی سفارت قندھار سے کامیاب لوٹی تھی اور احمد شاہ ابدالی نے امین الدین اور مومن خان کے لئے اسناد حکومت اور خلعتیں ارسال کی تھیں۔ مغلانی بیگم اور میر مومن خاں کے لئے خوشی وشادمانی کا اس سے بڑا موقع اور کیا ہوسکتا تھا۔ احمد شاہ کی طرف سے سندِ حکمرانی ان کے لئے پیام سرپرستی تھا اور پنجاب اور لاہور کے لوگوں کے لئے خوشی کا پیغام وہ دل سے اس خوشی اور جشن میں شریک ہوئے اور رات بھر خوشیاں مناتے رہے۔ بھکاری خان رستم جنگ اور ان کے ساتھی ساری رات سو نہ سکے۔ مغلانی بیگم نے اس محاذ پر بھی انہیں شکستِ فاش دے دی تھی۔ گیارہ ہفتے کی مختصر مدت میں ان سب کی طرف سے مخالفت اور کوششوں کے باوجود اس نے شاہجہان آباد اور قندھار دونوں شاہی درباروں سے اسنادِ حکمرانی حاصل کر لی تھیں۔ بابا خان ولی کی سفارش خاص کے ساتھ بھکاری خاں نے جو عرضداشت قندھار بھجوائی تھی اس کا ابھی تک

WWW.PAKSOCIETY.COM

کوئی جواب نہیں آیا تھا اور نہ کچھ پتہ چل رہا تھا کہ اس کا انجام کیا ہوا، ایک بات صاف ظاہر تھی کہ مغلانی بیگم کے مقابلے میں ان کا تجربہ اور کوششیں مسلسل ناکام رہی ہیں۔

ان کے لئے یہ شکست اور بھی شرمندگی کا باعث تھی اسناد حکومت جاری کر دینے کے بعد اس کی اپنی سفارت کی کامیابی کا کوئی امکان نہیں رہ گیا تھا پھر بھی وہ امید کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہتے تھے۔ بابا خان ولی نے احمد شاہ ابدالی کی طرف سے اسناد بھیجنے پر ناراضگی کا اظہار کر کے اس کا حوصلہ بڑھایا تھا مگر کیا احمد شاہ ابدالی سید صابر شاہ کے مزار کے مجاور خاص کی رائے کو اتنی اہمیت دیں گے کہ میر امین الدین اور مومن خان کے لئے جاری کردہ اسناد منسوخ کر کے بھکاری خان کی کھلی حمایت کا اعلان کر دیں؟

بھکاری خان زیادہ دنوں تک اپنے ایلچی کا انتظار نہیں کر سکتے تھے، ترک امراء کے مشورہ سے انہوں نے پنجاب کی بدتر انتظامی حالت سے متعلق ایک دستاویز تیار کر کے شاہجہان آباد بھجوا دی اور میر منو کے بھائی وزیراعظم ہندوستان کو مراسلہ بھیجا کہ مغلانی بیگم نے بادشاہ قندھار سے سند حکومت حاصل کر کے مغل شہنشاہ کے خلاف کھلی بغاوت کر دی ہے۔ اگر انہوں نے فوری طور پر مناسب اقدام نہ کیا اور مغل شہنشاہ کی سلطنت کا تحفظ نہ کیا تو مغلیہ سلطنت کے مغربی حصار پر ابدالی کی گرفت مضبوط ہو جائے گی جس کے بعد وہ شاہجہان آباد کا رُخ کر سکتا ہے۔ اس صورت میں سارا الزام آپ پر آئے گا اور ایک خاتون آپ کے خاندان کے زوال اور بدنامی کا سبب بنے گی۔ اس نے مغلانی بیگم کے طرز حکومت اور ذاتی کردار کے بارے میں اشارات کی زبان استعمال کرتے ہوئے لکھا کہ اس نے آپ کے خاندان کی ناموس اور ترکوں کے وقار کے منافی روش اختیار کی ہے۔ یہ دستاویز ملنے پر لال قلعہ کے ترک امراء نے بھکاری خان کی حمایت کی تو انتظام الدولہ نے مغل شہنشاہ سے مشورہ کئے بغیر بھکاری خان کو پنجاب کا نائب صوبیدار مقرر کر کے سند جاری کر دی اور میر مومن خان کو برطرف کر دیا۔ ننھے امین الدین کو صوبیدار مقرر کرنے کی سند مغل شہنشاہ نے خود جاری کی تھی اس کو شہنشاہ ہی اس عہدہ سے الگ کر سکتے تھے۔ میر مومن خاں کی جگہ بھکاری خان رستم جنگ کو پنجاب کا نائب صوبیدار مقرر کر کے وہ امین الدین اور اس کی سرپرست مغلانی بیگم کا اختیار اور اقتدار شاہی قلعہ کی ڈیوڑھی تک محدود کر دینا چاہتا تھا۔ بھکاری خان کے لئے شاہجہان آباد کی سند بہت بڑی کامیابی تھی۔ اس کے حامی امراء اور درباریوں نے بھی سند موصول ہونے پر جشن منایا مگر مغلانی بیگم نے وزیراعظم ہندوستان کی جاری کردہ سند مسترد کر دی اور بھکاری خان کو نائب صوبیدار ماننے سے انکار کر دیا اور جن ترک امراء نے احمد شاہ ابدالی کے نام عرضداشت پر دستخط کئے تھے انہیں نظم ریاست سے الگ کر دیا۔ بھکاری خان کی یہ کامیابی بھی اس کی رسوائی کا سبب بن گئی۔ مغلانی بیگم نے اس کے ساتھیوں کے قلعہ میں داخلہ پر پابندی لگا دی۔ اسی دوران قندھار سے اس کی سفارت ناکام لوٹ آئی تو بابا خان ولی اس سے ہمدردی اور احمد شاہ ابدالی پر ناراضی کے اظہار سے زیادہ کچھ نہ کر سکے۔

*

بھکاری خان نے سیاست سفارت اور میدان جنگ میں ہمیشہ فتح کا پرچم لہرایا تھا۔ اب وہ ہر میدان میں بیگم کے ہاتھوں شکست پر شکست اٹھا رہا تھا۔ مغلیہ سلطنت کے وزیراعظم کی سند اور شاہجہان آباد کے امراء کی حمایت بھی اس کا وقار اور مرتبہ بحال نہیں کر سکی تھی اور ان کے ساتھی ساتھ چھوڑنے لگے تھے۔ وہ صبح سے اپنے کمرے میں بند تھا اور اس شکست کو فتح میں بدلنے کے

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

طریقوں پر غور کر رہا تھا۔ اس نے دروازے پر متعین خادم کو ہدایت کر دی تھی کہ اسے کسی بھی ملاقاتی کی آمد کی اطلاع دینے کے لئے پردہ نہ اٹھایا جائے۔ کمرے کے باہر سورج کی روشنی پھیل چکی تھی مگر اس کی نشست کے سامنے ابھی تک شمع جل رہی تھی اور وہ گاؤ تکیہ سے ٹیک لگائے آنکھیں بند کر کے سازش کی کمند ڈالنے کے لئے بیگم کے حصار کے کمزور مقامات تلاش کر رہا تھا تاکہ یہ شکست اس کے زوال پر مہر ثبت نہ کر دے پھر جیسے اسے روشنی کی کوئی کرن نظر آئی ہو اس نے آنکھیں کھول دیں، روشندان سے آنے والی روشنی سے سورج کی منزل کا جائزہ لیا اور چلتا ہوا دروازے تک گیا، خادم نے جھک کر سلام کیا ''بھوانی داس حاضر ہو چکے؟'' اس نے خادم کے آداب کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

''جی حضور! نواب آدینہ بیگ کے وکیل شرف باریابی کے منتظر ہیں''۔ خادم نے عرض کیا۔

''نواب آدینہ بیگ کے وکیل شرف باریابی کے منتظر ہیں؟'' اسے خادم کا طرز خوشامد پسند نہیں آیا۔ ''ہم سمجھتے ہیں پردہ کی ڈیوٹی کے لئے کوئی مہذب خادم تلاش کرنا پڑے گا''۔ اس کے انداز میں جھنجلاہٹ تھی۔

''غلام گستاخی کے لئے معافی چاہتا ہے۔ خادم کو اپنا جرم سمجھ نہیں آیا؟'' پھر بھی اس نے ہاتھ باندھ کر سر جھکا دیا۔

''تم نے بھوانی داس کی آمد سے ہمیں فوراً باخبر کیا ہوتا؟'' ان کا غصہ ٹھنڈا پڑنے لگا۔

''آقا اپنے غلاموں کی خطائیں معاف کرنے سے عظمت پاتے ہیں''۔ خادم یہ بھی نہ کہہ سکا کہ حضور کا حکم مانع رہا۔ ''خواجہ مرزا خان بھی حاضری کے لئے بے تاب ہیں''۔

''سب سے پہلے بھوانی داس کو حاضر کیا جائے''۔ بھکاری خاں نے حکم دیا اور اپنی نشست پر جا کر بیٹھ گیا۔

بھوانی داس نے لکڑی کی کھڑاویں دروازے سے باہر اتار دیں، آداب کے لئے کمر دوہری کی تو اس کی بودی پیشانی کے اوپر سے قالین کو چھونے لگی۔ اس نے دھوتی کا پلو دونوں ٹانگوں کے درمیان سے پیچھے لے جا کر ٹانگا ہوا تھا اور معلوم ہوتا تھا وہ اشنان کے بعد سیدھا بھکاری خاں کے حضور حاضری دینے آ گیا ہے۔

بھکاری خان نے بھوانی داس کے آداب کا جواب دے کر کہا۔ ''ہمیں اطلاع تک نہ ہوئی کہ آپ تشریف لا چکے ہیں''۔

''حضور کے دروازے پر گزاری گھڑیاں اس غلام کی زندگی کا سرمایہ ہیں''۔ بھوانی داس نے ایک بار پھر کمر دوہری کر دی۔ ''حضور نے اپنے غلام کو حاضری کی سعادت بخش کر اسے سربلند فرمایا ہے، غلام شکر گزار ہے''۔

''ہم سمجھتے ہیں آدینہ بیگ خان بھی بیگم کی سرکشی سے آگاہ ہو چکے ہیں''۔ بھکاری خان نے کسی تمہید کے بغیر پوچھا۔

''حضور کے اس غلام نے حضور کے سایہ میں پرورش پائی ہے، وہ ایسی گستاخی نہیں کر سکتا جس سے حضور کے مقام و مرتبہ کے بارے میں کسی ماتحت ناظم کے دل میں شکست پیدا ہو''۔ بھوانی داس نے خوشامد کی۔

''بیگم کی سرکشی سے آدینہ بیگ خان کا مقام و مرتبہ بھی خطرے میں ہے۔ ہمارا خیال تھا کہ آپ نے انہیں اس خطرے سے آگاہ کر دیا ہوگا۔ آدینہ بیگ مغل شہنشاہ کا جان نثار ہے اور شاہجہان آباد کا کوئی بھی وفادار اب محفوظ نہیں رہ سکتا۔ بیگم نے شہنشاہ کے خلاف کھلی بغاوت کر دی ہے''۔

''اس غلام کے لئے کشور پنجاب میں حضور مغل شہنشاہ کے نمائندہ ہیں، حضور کے حکم کی پابندی غلام پر لازم ہے''۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

''ہماری خواہش ہے کہ اس سرکشی کو جالندھر تک پہنچنے سے پہلے ختم کر دیا جائے''۔ بھکاری خان نے کہا اور بھوانی داس کی آنکھوں میں جھانک کر اس کے ردِعمل کا جائزہ لینے لگا۔

''لاہور کے قلعہ سے شاہجہان آباد کے ایوانوں تک حضور کی فراست اور بہادری مسلم ہیں۔ ناظم دوآبہ حضور کے ہر حکم کی تعمیل کر کے اپنی وفاداری کا ثبوت دے گا''۔ بھوانی داس نے یقین دلایا۔

''ہم آدینہ بیگ کی صلاحیتوں سے مرعوب ہیں اور ان کے اختیارات اور علاقہ میں توسیع سے نظم کو استحکام دینے کا ارادہ رکھتے ہیں''۔

''حضور کی مردم شناسی مسلم ہے''۔ بھوانی داس نے پھر بھی کوئی ایسا اشارہ نہ دیا جس سے بھکاری خان اندازہ کر سکے کہ بیگم کی سرکشی دبانے میں حاکم دوآبہ اس کا ساتھ دیں گے اور وہ انہیں اس کے لئے مراسلہ بھیجے گا۔

''کشور پنجاب پر آل تیمور کی حکمرانی اور اس کے وفاداروں کے تحفظ میں مشکلات میں ہم آدینہ بیگ کی فراست سے کام لینے کا ارادہ رکھتے ہیں ہم چاہتے ہیں کہ آپ انہیں ہماری خواہش سے آگاہ کر دیں'' بھکاری خان نے کھل کر مدد کی درخواست کی۔

''یہ غلام حضور کے فرمان کی تعمیل میں ایک لمحہ کی غفلت بھی پاپ سمجھتا ہے''۔ بھوانی داس نے سر خم کرتے ہوئے جواب دیا۔

''ہمارے پاس وسائل محدود ہیں، وقت کم ہے اور مہم کٹھن ہے''۔ بھکاری خان کوشش کر رہا تھا کہ بھوانی داس کھل کر تعاون کا وعدہ کرے۔

''حضور کا نام اور مقام کامرانی کی سند ہیں، وسائل خود حضور کے قدموں میں حاضر ہوں گے۔ مہم کے آغاز کی بات ہے اور اس آغاز کے لئے وقت واقعی بہت کم ہوتا جا رہا ہے''۔

بھکاری خان نے بھوانی داس کا اشارہ سمجھ کر اپنا مدعا اور بھی صاف بیان کیا۔ ''ترک سردار بیگم کے خزانوں کے اسیر ہو چکے ہیں ان کی رہائی کے لئے ہمارے پاس اتنی دولت نہیں''۔

''لاہور کے ساہوکار اپنے سارے خزانے حضور کے قدموں میں ڈال کر خوش ہوں گے''۔ بھوانی داس نے انہیں راہ دکھائی۔ ''قصور کے افغانوں کی تلواروں کی دھار سے کون واقف نہیں''۔

بھکاری خان کے چہرے پر مسرت قدم جمانے لگی۔ ''ہم امید رکھتے ہیں کہ اس کام میں ہمیں آپ کی مدد میسر ہوگی''۔

''حضور کی خدمت اس غلام کی دولت ہے، حضور کا نام کامرانی کی ضمانت ہے''۔ بھوانی داس نے ترکوں کے انداز میں دایاں ہاتھ سینے پر رکھ کر وعدہ کیا۔

بھکاری خان کی آنکھوں کے سامنے شیش محل کی شمعیں روشن ہو گئیں۔ ''ہماری کامرانی ہمارے وفا شعاروں اور جاں نثاروں کی ذاتی فتح ہوگی''۔

بھوانی داس نے ایک بار پھر مدد کا وعدہ دہرایا اور رخصتی کی اجازت کے لئے پیشانی فرش سے اتنی قریب لے گیا کہ بودی ایک بار پھر قالین سے چھونے لگی۔

خواجہ مرزا خان نے اپنے بھائی کی آٹھ ہزار ازبک سواروں کے ساتھ آمد کی اطلاع دی تو بھکاری خان کو ایک بار پھر امید کی کرن دکھائی دینے لگی۔

*

''تم نے کبھی بازیگر کو رسے پر چلتے دیکھا ہے؟'' مغلانی بیگم نے سرفراز خان سے پوچھا جو ان کے سامنے سر جھکائے کھڑا تھا۔

''جی بیگم عالیہ دیکھا ہے''۔ اس نے آہستہ سے جواب دیا۔

''اگر وہ رسے پر سے گر جائے تو اس کی ہڈی پسلی

WWW.PAKSOCIETY.COM

ایک ہو جائے۔ حکمرانی بھی اونچے بانسوں کے سروں سے بندھے رسے پر چلنے کی بازی گری ہے۔ ہم نے جب اس رسے پر چلنے کا فیصلہ کیا تھا تو ہمیں ان مشکلات کا احساس تھا مگر ہمارے لئے اس کے بغیر چارا نہیں تھا۔ ہم جانتے ہیں کہ بھوانی داس بھکاری خاں کے ساتھ سازش میں شامل ہو چکا ہے اور وہ آدینہ بیگ کی اجازت کے بغیر ایسا نہیں کر سکتا تھا۔ اس کا مطلب ہے انتظام الدولہ آدینہ بیگ اور بھکاری خان ہمارے خلاف متحد ہیں اور اب قصور کے افغان بھی بھکاری خان کی فوج میں بھرتی ہو رہے ہیں انہیں ہم سے کوئی شکوہ نہیں اس دولت سے محبت ہے جو شہر کے ساہوکاروں نے بھکاری خان کو فراہم کی ہے۔ خواجہ مرزا خاں کے بھائی کی فوج بھی اس کے ساتھ مل گئی تو اقتدار کے رسے پر ہمارے پاؤں ڈگمگا سکتے ہیں، اس لئے ہمیں اس بارے میں کچھ کرنا ہوگا ورنہ دیگر ترک بھی ان کے ساتھ ملنا شروع ہو جائیں گے"۔

"ہم نے بہت کوشش کی ہے مگر وہ اپنے بھائی کو چھوڑنے کے لئے آمادہ نہیں ہو سکا"۔ سرفراز خاں کی بجائے میر مومن خاں نے جواب دیا۔

'میر مومن خاں آپ جانتے ہیں خواجہ مرزا خان اور اس کا بھائی کس چیز کی تلاش میں پنجاب آئے ہیں بھکاری خان کے پاس صرف دولت ہے اور مستقبل کے وعدے ہیں۔ ہمارے پاس عہدے بھی ہیں اور خطاب بھی، ہمیں افسوس ہے کہ آپ انہیں مستقبل کے خوابوں کی دنیا سے نکال کر حقیقت کی دنیا میں نہیں لا سکے"۔ مغلانی بیگم کے انداز میں تاسف تھا۔ "خواجہ مرزا خاں جس چیز کی تلاش میں ہے اسے وہ فراہم کر دیں ناممکن، ممکن ہو جائے گا"۔

"حضور کی دکھائی روشنی سے ہم تاریکی کے سائے دور کرنے کی کوشش کرتے ہیں"۔ میر مومن خان نے وعدہ کیا۔

"ہم ان توپوں سے نہیں ڈرتے جو بھکاری خان نے نصب کر دی ہیں۔ ہمیں یہ فکر ہے کہ ہم تاریکی کے سائے دیکھ کر اقتدار کے رسے پر اپنا توازن نہ کھو دیں، یہ کام آپ کو کرنا ہے۔ ہم شیش محل کے ایوانوں میں شمع جلا سکتے ہیں، اس کی روشنی کو قلعہ کی فصیل سے باہر آپ کو لے جانا ہے"۔

"حضور کے خادم اس راستے پر چلتے ہوئے لازماً منزل تک پہنچ جائیں گے"۔ میر مومن خان نے امید ظاہر کی۔

"ہماری خواہش ہے کہ آپ خواجہ مرزا خاں کے بھائی پر توجہ دیں۔ اس کے آٹھ ہزار ازبک ساتھیوں میں بہت سے سردار آپ کی بات سمجھ جائیں گے، انہیں حال اور مستقبل کا فرق سمجھائیں"۔ بیگم کو معلوم تھا کہ اگر بھکاری خان کی بغاوت کامیاب ہوگئی تو اقتدار کے رسے پر سے گر جانے سے اس کے اعضاء بکھر جائیں گے۔

"بھکاری خان لوگوں سے زبردستی روپیہ وصول کر رہا ہے۔ ان عمال کی سرزنش کرو جو اس کام میں اس سے تعاون کر رہے ہیں تاکہ اہل شہر کو احساس ہو کہ ہم اس جبر کے خلاف ہیں"۔

سرفراز خان بدستور سر جھکائے خاموش کھڑا تھا، میر مومن خان کی پریشانی سے پتہ چلتا تھا کہ وہ سوچ رہا ہے کہ جو باتیں اسے بیگم سمجھا رہی ہے وہ خود اس کے دماغ میں کیوں نہ آئیں۔

"ہم آج شب بابا خان ولی کی حاضری لازم سمجھتے ہیں"۔ بیگم نے سرفراز خان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"حضور کے فرمان کی تعمیل ہوگی"۔ سرفراز خان نے سر جھکا دیا۔

"ہم چاہتے ہیں آپ کو اپنے فرائض کی ادائیگی میں تاخیر نہ ہو"۔ بیگم نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

میر مومن خان اور سرفراز خان آداب عرض کر کے

WWW.PAKSOCIETY.COM

کمرے سے باہر نکل گئے۔

*

پوہ کی سرد رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی، شاہی مسجد کے میناروں کے پیچھے سید صابر شاہ کے مزار کے احاطہ میں اندھیرے خیمہ زن تھے۔ ایک آدمی گھپ اندھیرے میں پاؤں جماتا ہوا بابا خان ولی کے حجرہ تک پہنچا اور ہلکی سی دستک دی۔ بابا خان ولی نے جلدی سے کنڈی کھول کر اسے اندر بلایا اور دروازہ بند کر دیا۔ اس نے دیا جلا کر حجرے کے ایک کونے میں اس طرح رکھا تھا کہ دروازے کے باہر سے دیکھنے والے کو پتہ نہیں چل سکتا تھا کہ اندر کوئی جاگ رہا ہے۔

''وقت بہت کم ہے اور مغلانی بیگم سے پنجاب اور اس کے عوام کو نجات دلانے کا کام بہت اہم ہے''۔ بابا خان ولی نے وقت ضائع کئے بغیر بات شروع کی۔

''بھکاری خان نے بہت کوشش کی مگر کوئی کامیابی نہیں ہوئی، شاید بیگم کا ستارہ ابھی عروج کی منزل میں ہے''۔ نووارد نے جواب دیا۔

''ہم ستاروں کے عروج و زوال پر یقین نہیں رکھتے، آپ کی بات مان بھی لیں تو صرف یہ کہہ سکتے ہیں کہ مغلانی بیگم کا ستارہ عروج پر نہیں، بھکاری خان کا ستارہ زوال کی منزل میں داخل ہو گیا ہے۔ اس کے دل میں کوئی میل آ گیا ہے شاید اسی لئے بادشاہ معظم نے بھی اس پر اعتماد نہیں کیا۔ ہمیں خدشہ ہے کہ اس بغاوت کا قندھار کو علم ہوا تو بادشاہ معظم ایک بار پھر مغلانی بیگم کی مدد کے لئے لاہور آ سکتے ہیں۔ اس صورت میں مغلانی بیگم سے نجات ممکن نہ ہو گی''۔ بابا خان ولی نے فکرمندی سے کہا۔

نووارد کچھ سوچنے لگا۔ ''آپ رہنمائی کریں ہم عمل کریں گے''۔ اس نے ایسے جواب دیا جیسے بابا خان ولی کی بات سے اسے دکھ ہوا ہو۔

> یارب! دلِ مسلم کو وہ زندہ تمنا دے
> جو قلب کو گرما دے، جو روح کو تڑپا دے
> پھر وادیٔ فاراں کے ہر ذرّے کو چمکا دے
> پھر شوقِ تماشا دے، پھر ذوقِ تقاضا دے
> محرومِ تماشا کو پھر دیدۂ بینا دے
> دیکھا ہے جو کچھ میں نے اوروں کو بھی دکھلا دے
> (علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ)

''ہم میدان اور سیاست کے آدمی نہیں ہم صرف دعا کر سکتے ہیں اور کر رہے ہیں''۔ بابا خان ولی نے آنکھیں بند کر لیں۔

''حضور کی دعائیں لازماً قبول ہوں گی مگر دعا کے ساتھ دوا مل جائے تو شفاء جلد ملتی ہے''۔ نووارد مدھم روشنی اور نیم اندھیرے میں بابا خان ولی کی آنکھوں میں جھانکنے کی کوشش کرنے لگا۔

''ہم سمجھتے ہیں اس وقت تصادم کی نہیں اعتماد کی ضرورت ہے، ایسے آدمی کی ضرورت ہے جو مغلانی بیگم اور احمد شاہ ابدالی دونوں کا اعتماد حاصل کر سکے، اس کے پاس طاقت بھی ہوتا کہ وہ اندر سے وار کر کے مغلانی بیگم سے اختیار چھین لے۔ بادشاہ معظم سے ایسے جواں مرد کے لئے سند اور سرپرستی حاصل کرنا آسان ہو گا۔ بادشاہ معظم پنجاب اور مسلمانوں کے لئے فکرمند ہیں، وہ پنجاب کے لئے ایسے آدمی کو پسند فرمائیں گے جو دربار اور میدان کا آدمی ہو''۔ انہوں نے آنکھیں کھولے بغیر کہا۔

''آپ کی نظر میں ایسا آدمی کون ہو سکتا ہے؟'' نووارد کی پریشانی زبان پر آ گئی۔

''خواجہ مرزا خان''۔ بابا خان ولی نے آنکھیں کھولے اور گردن اٹھائے بغیر اطمینان سے جواب دیا۔

نوارد کو اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا، اس نے اپنی

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

خواہشات کا جائزہ لیا تو پنجاب کی صوبیداری کی خواہش اس کے دل میں کہیں بہت نیچے تھی۔ ''یہ حضور کا حکم ہے یا خواہش؟'' اس نے کانپتے ہوئے پوچھا۔

''ہم کون ہوتے ہیں، حکم دینے والے۔ ہمارا دل گواہی دیتا ہے کہ یہ مالک کائنات کا حکم ہے کیونکہ ہمارا دل صرف اسی کے حق میں دعا کرنے پر آمادہ ہے''۔

نوارد کچھ کہنا چاہتا تھا مگر الفاظ اس کی زبان سے پھسل پھسل جاتے تھے، اسے کیا جواب دینا چاہئے اس کا دماغ کچھ نہیں بتا رہا تھا۔ اس نے ایک بار پھر سارے حالات کا جائزہ لیا۔ اپنی خواہشات کے پرت الٹے تو اس کے دل کے کسی گوشہ سے آواز آئی۔ ''بابا خان ولی ٹھیک کہتے ہیں۔ بغاوت کی بجائے اعتماد کے ذریعے مغلانی بیگم سے نجات آسان ہوگی''۔ مگر پھر بھی وہ یہ بات زبان پر نہ لا سکا اور نیم تاریکی میں بابا خان ولی کی طرف ٹکٹکی باندھے دیکھتا رہا جو آنکھیں بند کئے تسبیح پڑھ رہے تھے جیسے فیصلہ سنانے کے بعد سکون قلبی کی منزل میں داخل ہو گئے ہوں۔

نووارد نے آگے بڑھ کر دونوں ہاتھوں میں بابا خان ولی کا ہاتھ لے کر بوسہ دیا۔ ''دعا کریں اللہ تعالیٰ مجھے آپ کی امیدیں پوری کرنے کی ہمت دے''۔ اس کے ہونٹ کانپ رہے تھے۔

''خدا تعالیٰ جب کسی آدمی کو کسی کام کے لئے منتخب فرماتے ہیں تو اسے ہمت اور طاقت بھی عنایت فرماتے ہیں۔ یہ آپ کی اپنی خواہش نہیں اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے کہ آپ پنجاب کے لوگوں کو امن دیں اللہ کی مرضی پوری ہو کر رہے گی۔ اللہ کے سب نیک بندوں کی دعائیں تمہارے ساتھ ہیں''۔

اس نے بقیہ رات بابا خان ولی کے حجرے میں گزاری صبح کی نماز کے بعد جب وہ اپنے گھر کے لئے روانہ ہوا تو محسوس کر رہا تھا کہ وہ ایک نیا انسان ہے اور ان نئی راہوں اور منزلوں کے بارے میں سوچ رہا تھا جو بابا خان ولی نے اسے دکھائی تھیں۔ صبح کی ٹھنڈی ہوا میں اس کے جوان خون کی گردش تیز ہوگئی۔

*

اہلِ لاہور دربار لاہور کے معاملات سے پریشان تھے۔ مسجدوں، مدرسوں اور خانقاہوں میں ہر جگہ بھکاری کی بغاوت اور تیاریوں کا تذکرہ ہونے لگا تھا۔ سنہری مسجد مکمل ہوگئی تھی لیکن لوگ اس نیکی کو بھی شک کی نگاہوں سے دیکھتے تھے اور اس کے خلوص پر یقین نہیں کرتے تھے۔ مسجد میں پانچ وقت کی نماز کے ساتھ اس نے درس قرآن بھی شروع کرا دیا تھا اور خود بھی درس میں شریک ہوتا تھا۔ ایک روز درس کے بعد وہ مسجد سے باہر آیا تو داخلہ کے دروازے پر چسپاں بڑا سا کاغذ دیکھ کر رک گیا۔ کاغذ پر موٹے الفاظ میں ایک نظم لکھی تھی وہ نظم پڑھنے لگا نظم ختم ہونے تک اس کا خون کھولنا شروع ہوگیا تھا۔ کسی ملازم کو آواز دینے کی بجائے اس نے اپنے ہاتھ سے کاغذ اتارنے کی کوشش کی مگر کاغذ اس پختگی سے لکڑی پر چسپاں کیا گیا تھا کہ اس کے لئے اتارنا مشکل ہو رہا تھا۔ محافظ اور ملازم دور کھڑے دیکھ رہے تھے مگر ڈر کے مارے کسی میں قریب آنے کا حوصلہ نہیں تھا۔ جب تمام کوشش کے باوجود وہ کاغذ اتار نہ سکا تو سیاہی منگوا کر اپنے ہاتھ سے کاغذ پر لگا دی اور حکم دیا کہ کاغذ اتار کر کواڑ پر نیا رنگ کیا جائے۔ سارا دن محل کے ملازمین چہ میگوئیاں کرتے رہے، ایک دوسرے سے پوچھتے رہے کہ کاغذ پر کیا لکھا تھا۔ شام تک شہر کے ہر شخص کی زبان پر ایک ہی شعر تھا۔

بنا کرد مسجد بھکاری خان بلشت
زر از زندہ بگرفت و از مردہ خشت

(بھکاری خان بالیشتے نے زندہ لوگوں سے دولت چھین کر اور مردوں کی قبروں کی اینٹیں اکھاڑ کر مسجد بنوائی

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہے)

بھکاری خان کونکلوں پر لوٹنے لگا، ایک شعر نے اس کی ساری محنت برباد کردی تھی۔ اس نے حکم دیا کہ نظم لکھنے والے شاعر کو گرفتار کر کے پھانسی پر چڑھا دیا جائے۔ ساری مشینری شاعر کی تلاش میں لگ گئی مگر شاعر ہاتھ نہ آ سکا اور اس کا سارا رعب و دبدبہ ایک شعر کے ذریعے خاک میں مل گیا۔ نظم اہلِ لاہور کی بھکاری خان سے نفرت اور اہلِ فکر و دانش کی اس کے بارے میں رائے کا اظہار تھی۔

اگلے ہی روز اسے اس سے بھی بڑے صدمہ سے دوچار ہونا پڑا، خواجہ مرزا خاں نے مغلانی بیگم کی اطاعت اور وفاداری کا اعلان کر دیا۔ بیگم نے دربار عام منعقد کر کے اسے خطاب اور خلعت سے نوازا اور پرگنہ ایمن آباد کا ناظم مقرر کر دیا مگر اپنے معتمد اور طاقتور ساتھی کے بیگم کی نوکری قبول کر لینے سے بھی بھکاری خان نے ہمت نہیں ہاری، وہ بغاوت کے راستہ پر اتنا آگے جا چکا تھا کہ واپسی کی کوئی صورت باقی نہ رہی تھی۔

خواجہ مرزا خان کا بھائی اپنے ازبک لشکر سمیت مغلانی بیگم کے کیمپ میں پہنچ گیا۔

*

بابا خان ولی نے جمعہ کی شب جوگیوں کے ساتھ سید صابر شاہ کے مزار پر چلہ کشی میں گزاری۔ اگلی شام انہوں نے چھ روز کے لئے روزے رکھنے کا اعلان کر دیا اور ہدایت کی کہ خواہ احمد شاہ ابدالی خود بھی چل کر آ جائے، کوئی ان سے مل نہیں سکے گا لیکن اگر کوئی غیر مسلم اسلام سمجھنا چاہے یا ان کے ساتھ ان کے حجرے میں چلہ کشی کرنے والے جوگیوں کا کوئی ساتھی آئے تو انہیں فوراً اطلاع دی جائے۔ پہلی رات ایک جوگی آیا اور صبح کی نماز سے پہلے رخصت ہو گیا۔ دوسری رات دو جوگی رات بھر ان کے ساتھ رہے۔ تیسری اور چوتھی راتیں خالی گزریں لیکن پانچویں رات کوئی درجن بھر جوگی آ گئے۔ ان کے حجرے میں اتنے افراد کے چلہ کاٹنے کی گنجائش نہیں تھی، انہیں مہمان خانہ میں بھیج دیا گیا۔ وہ تین تین کی ٹولیوں میں بابا خان ولی کے حجرے میں جاتے اور کچھ دیر ان کے ساتھ گزار کر واپس چلے جاتے، تہجد کی نماز سب نے مزار کے احاطہ میں پڑھی صبح کی نماز کے بعد جوگی اپنی منزل کو چل دیئے اور بابا خان ولی پھر سے اپنے حجرے میں بند ہو گئے۔

*

بھکاری خان رات بہت دیر تک اپنے مشیروں سے مشروں میں مصروف رہا۔ مغل امراء نے مشورہ دیا کہ اسے شاہجہان آباد سے مدد کی درخواست کرنا چاہئے کیونکہ مغلانی بیگم نے عملاً مغل شہنشاہ کے خلاف بغاوت کر دی ہے لیکن اسے اس سے اتفاق نہیں تھا۔ ''شہنشاہ ہند احمد شاہ ابدالی سے تصادم پسند نہیں فرمائیں گے''۔ اس نے جواب دیا۔ ''ہم ان کی مشکلات کم کرنا چاہتے ہیں، ان میں اضافہ نہیں کرنا چاہتے''۔

''اس غلام کو کچھ عرض کرنے کی اجازت ہے''۔ بھوانی داس نے اپنی بودی انگلی کے گرد لپیٹتے ہوئے پوچھا۔

''ہم آپ کے مشوروں کے منتظر ہیں''۔ بھکاری خان نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

''دوآبہ جالندھر کا ناظم شہنشاہ ہند اور حضور کا ملازم ہے اور اس کی قوت کا باغی سکھ بھی لوہا مانتے ہیں۔ حضور اس کو حکم دیں، وہ حاضر ہو جائے گا''۔ بھوانی داس نے تجویز پیش کی۔ ''آدینہ بیگ کی آمد کامیابی کی ضمانت ہو گی، مغلانی بیگم کے حامی سردار حضور کے ساتھ ملنے کی خود درخواستیں گزاریں گے اور وہ تو حضور جانتے ہی ہیں......'' بھوانی داس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

''ہم آدینہ بیگ کی وفا اور قوت پر بھروسہ کرتے

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہیں''۔ بھکاری خان نے کچھ سوچ کر کہا۔

''غلام بے ادبی کے لئے معافی کا خواستگار ہے۔ بیگم حضور کے کردار کے بارے میں لوگ جو کچھ کہتے ہیں وہ مغل اور ترک سرداروں نے بھی تو سنا ہوگا''۔ بھوانی داس نے اپنی ادھوری بات مکمل کردی۔

سب کی نگاہیں اس کی طرف اٹھ گئیں، بھکاری خان کو یاد آیا کہ طہماس خان نے کہا تھا میری کارکردگی کا ثبوت لوگوں کی زبانیں دیں گی۔

مشاورت برخاست ہوئی تو بھکاری خان نے بھوانی داس کو روک لیا اور آدینہ بیگ کو بلانے کے بارے میں الگ مشورہ کرتا رہا۔

باقی رات گزارنے کے لئے جب وہ بستر پر لیٹا تو سارے مشورے اس کے دماغ میں گڈمڈ ہونے لگے، ایک خیال کی ڈوری تھوڑا آگے چل کر دوسرے مشورہ میں الجھ جاتی۔ حالات اس تیزی سے بدل رہے تھے کہ کوشش کے باوجود اس کا اپنے اوپر اعتماد متزلزل ہونے لگا تھا اور اس نے اپنے ساتھیوں کے مشوروں پر بھی شبہ کرنا شروع کردیا تھا۔ ''بھوانی داس میرا وفادار ہے یا نہیں؟'' اس نے اپنے آپ سے پوچھا۔ ''تنخواہ آدینہ بیگ سے لے کر وفاداری میری کیوں کرے گا''۔ اس نے خود ہی اپنے سوال کا جواب دیا، آدینہ بیگ کا ماضی اس کی بند نظروں کے سامنے گھومنے لگا۔

مغلانی بیگم کے مقابلہ میں مسلسل پسپائی اور اس مہم جوئی میں ناکامی کے نتائج کے بارے میں سوچ نے اس کی آنکھوں سے نیند چھین لی تھی۔ وہ بستر سے اٹھا شمع روشن کی اور کمرے میں ٹہلنے لگا لیکن پوہ کی سرد سیاہ رات اسے بہت ہی طویل معلوم ہوتی تھی۔ اس نے خادم کو طلب کیا، پانی منگوا کر وضو کر کے نفل پڑھنے لگا۔ کچھ عرصہ سے وہ رات کا پچھلا پہر نفل ادا کرنے اور وظائف پڑھنے میں گزارتا تھا اور لمبی لمبی دعائیں مانگنے لگا تھا مگر اس کی سب دعائیں قبولیت کے منتظر خانہ میں جمع ہوتی جا رہی تھیں۔ خادم نے مسجد میں صبح کی اذان کی خبر دی تو وہ لباس تبدیل کر کے مسجد کی طرف چل دیا ڈیوڑھی میں پہریدار مستعد کھڑے تھے انہوں نے سلام کیا اور ان کے حفاظتی دستہ کے دو سپاہی ان کے پیچھے چلنے لگے۔ حویلی سے باہر آ کر بھکاری خان نے ان توپوں کی طرف دیکھا جو اپنے سیاہ چہرے دھند کے پردوں میں چھپائے کھڑی تھیں۔ توپوں کا حفاظتی عملہ اونگھ رہا تھا۔ بھکاری خان چشم تصور سے ان توپوں کو آگ برساتے دیکھتا ہوا مسجد کی طرف چلتا رہا۔ اس کے دماغ کی بھٹی میں بھوانی داس اور مغل سرداروں کے مشورے پک رہے تھے۔

محافظ مسجد کے دروازے کے سامنے کھڑے ہو گئے اور بھکاری خان اندر داخل ہو گیا۔ شمع کی مدھم روشنی میں مؤذن نے گردن گھما کر دیکھا، وہ سلام کے لئے اٹھنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ نواب صاحب نے نماز کی نیت باندھ لی۔ باہر اندھیرا کم ہو رہا تھا مگر دھند بڑھتی جا رہی تھی۔ ایسے موسم میں نوتعمیر شدہ سنہری مسجد میں نمازیوں کی تعداد زیادہ نہیں ہوتی تھی اس لئے جب چھ سات نمازی اکٹھے اندر آئے تو مؤذن نے ایک بار پھر گردن گھما کر انہیں دیکھا پھر سیڑھیوں پر قدموں کی تیز آواز سن کر وہ دروازے کی طرف لپکا، باہر ایک سوار دستہ کھڑا تھا اور نواب کے محافظوں کی مشکیں باندھ کر انہیں گھوڑوں پر لاد رہا تھا۔ وہ خوفزدہ پیچھے مڑا تو نمازیوں نے نواب بھکاری خان کے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے تھے، مؤذن ایک کونے میں دبک گیا۔

خواجہ مرزا خان نواب بھکاری خان کی حویلی کے حفاظتی انتظامات اور نواب صاحب کے معمولات سے بخوبی آگاہ تھے۔ بابا خان ولی کے حجرے سے نکل کر وہ شاہی قلعہ کے عقب میں اپنے بھائی کے ڈیرے پر پہنچے، اپنا جوگیوں والا لباس تبدیل کیا اور نماز ادا کرنے سنہری

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

مسجد پہنچ گئے لیکن ان کی مہم بغیر کسی مزاحمت کے اتنی آسانی سے مکمل ہو جائے گی، انہیں امید نہ تھی۔

نماز فجر کے بعد نمازی شاہی مسجد سے باہر آئے تو سامنے میدان میں مسلح سواروں کے دستہ کے درمیان میں امیر الامراء بھکاری خان رستم جنگ سر ڈالے کھڑے تھے۔ ان کے بازو پشت پر بندھے تھے، سر پر نہ کلاہ تھی نہ کوئی نشانِ فضیلت۔ نمازی خاموشی سے گزرتے رہے، دستہ اور بھکاری خان وہیں کھڑے رہے۔ جب سب نمازی جا چکے تو دستہ کا کماندار انہیں قلعہ کے اندر لے گیا جہاں انہیں کالے برج کے تہہ خانہ میں بند کر دیا گیا۔

جس کسی نمازی نے بھکاری خان کو اس حالت میں دیکھا اس نے اپنے گھر اور محلہ والوں کو بتایا، گھر اور محلہ والوں نے جو بھی ملا اسے یہ خوشخبری سنائی۔ طلوعِ آفتاب تک لاہور کے جملہ باسی بھکاری خان کی گرفتاری پر خوش ہونے والوں میں شامل ہو چکے تھے اور اس کی حویلی کے بہت سے محافظ اور پہریدار کسی کو بتائے بغیر بھاگ گئے تھے۔

کامران کی بارہ دری کی محراب میں کھڑے خواجہ مرزا خان نے قلعہ کی فصیل کے اوپر سے شیش محل کے کنگروں کو دیکھا تو اس کی آنکھوں میں نور اتر آیا، ہونٹوں پر توانا مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے سیّد صابر شاہ کے مزار کو وہیں سے سلام کیا اور گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے دستہ کے ساتھ ایمن آباد روانہ ہو گیا جہاں سے وہ اس خاص مہم کے لئے آیا تھا اور جہاں اس کے فرائض منصبی اس کے منتظر تھے۔

بھکاری خان کی گرفتاری سے اس کے ساتھی امراء خوفزدہ ہو گئے۔ بہت سے لاہور چھوڑ کر بھاگ گئے اور باقی اپنے اپنے گھروں میں دبک کر بیٹھ گئے۔ مغلانی بیگم کی راہ میں اب کوئی رکاوٹ نہ تھی، دونوں بادشاہوں کی عطا کردہ اسناد حکمرانی اس کے پاس تھیں اور اس کا سب سے بڑا مخالف اس کی قید میں تھا، وہ صوبہ میں اصلاحِ احوال کے منصوبوں پر غور کرنے لگی۔

*

ملک سجاول نے تلوار اٹھائی اور تیز تیز چلتا ہوا حویلی سے باہر آ گیا۔ ”اپنے گھوڑے اور ہتھیار تیار کریں اور گاؤں سے باہر نکل کر دشمن کا مقابلہ کریں“۔ اس نے بلند آواز میں کہا۔ جس کسی نے سنا اپنے گھوڑے کی طرف دوڑ پڑا۔ سکھوں نے آج تک ان کے گاؤں پر حملہ نہیں کیا تھا۔ دن کی روشنی میں سکھ ان پر حملہ کرنے کی جرأت کریں گے۔ انہوں نے کبھی سوچا تک نہ تھا اس لئے جب انہیں اطلاع دی گئی کہ مشرق کی طرف سے مسلح سواروں کا دستہ گاؤں کی طرف آ رہا ہے تو انہیں ملک قاسم کی ضرورت محسوس ہونے لگی جو اپنے دستہ کے ہمراہ پرگنہ پٹی کے سکھوں کے خلاف مہم کے ساتھ گئے ہوئے تھے۔ پٹی سے آگے امرتسر سے بٹالہ کلانور اور پٹھان کوٹ کے پرگنوں پر عملاً سکھوں کی حکومت تھی، اس لئے مشرق کی طرف سے مسلح سواروں کی آمد تشویشناک تھی۔

بھکاری خان کو قید میں ڈالنے کے بعد مغلانی بیگم نے سکھوں کی سرکشی دبانے کے سلسلہ کی پہلی مہم پٹی کی طرف بھیجی تھی۔ اس مہم کا کماندار انہوں نے قاسم خان کو بنایا تھا جس نے میر منو کی وفات کے بعد سے ہر مشکل میں اس کا ساتھ دیا تھا۔ جب سارے ترک سردار بھکاری خان کے ساتھ مل گئے تھے تو وہ اس وقت بھی بیگم کا وفادار رہا تھا اور انہیں بھکاری خان سے الگ کر کے بیگم کے ساتھ ملانے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ اس کی ان خدمات اور وفاشعاری کی وجہ سے بیگم نے اسے ”فرزند عزیز“ کا خطاب دیا تھا۔ مہم کا سربراہ مقرر کر کے بیگم نے اسے بھاری رقم دی تا کہ وہ اخراجات پورے کر سکے۔ اس کے اپنے قبیلہ کے سواروں کے علاوہ مقامی دستے اور وہ تین صد بدخشانی اور ایک سو ترک سوار بھی اس کی کمان میں

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

دے دیئے جو چند روز پہلے لاہور پہنچے تھے۔ بیگم اس پہلی مہم کو ہر صورت کامیاب بنانا چاہتی تھی اس لئے ہر قسم کا اسلحہ اور توپیں بھی اس کے ساتھ بھیجی گئیں۔ بیگم کے حکم پر ملک قاسم بھی قاسم خان کی مہم کے ساتھ گئے تھے۔

ملک سجاول ہتھیار لگا کر گھوڑے پر سوار گاؤں سے باہر کھڑے تھے، ان کے قبیلہ کے نوجوان اور بزرگ سب جمع ہو چکے تھے۔ ''اگر سکھ تھے تو اب تک تو انہیں یہاں ہونا چاہئے تھے؟'' ایک بزرگ نے اپنا گھوڑا ملک سجاول کے قریب کر کے کہا۔

''معلوم ہوتا ہے وہ دریا کی طرف نکل گئے ہیں''۔

ملک سجاول نے جواب دیا۔ ''پھر بھی احتیاط لازم ہے''۔

ابھی انہوں نے جواب مکمل ہی کیا تھا کہ ایک نوجوان جو آگے پتہ کرنے گیا تھا، واپس آتا ہوا دکھائی دیا وہ سرپٹ گھوڑا دوڑاتا آ رہا تھا۔ ''لیجئے پیغام آ گیا ہے، اب تیار ہو جائیں''۔ بزرگ نے ملک سجاول کی طرف دیکھا۔

ملک سجاول گھوڑے کا رخ موڑ کر نوجوانوں کو ہدایات دینے لگے۔

قریب پہنچ کر نوجوان اچھل کر بھاگتے گھوڑے کی پیٹھ پر کھڑا ہو گیا، اپنی تلوار ہوا میں اچھال دی، گھوڑے کی لگامیں چھوڑ کر اسے چابک رسید کی اور بھاگتے گھوڑے سے کود گیا۔

سب نے قہقہہ لگایا۔

نوجوان کے تلوار ہوا میں اچھالنے اور گھوڑے سے کود جانے سے انہیں معلوم ہو گیا تھا کہ خطرہ کی کوئی بات نہیں پھر بھی ملک سجاول نے گھوڑا آگے بڑھا کر پوچھا۔

''کیا خبر لائے ہو''۔

''سردار حملہ آور تالاب کے کنارے باجماعت نماز عصر ادا کر رہے ہیں اور فارغ ہوتے ہی یہاں پہنچنے والے ہیں''۔ نوجوان مسکرا رہا تھا۔

نوجوان اور بزرگ سب اس کے گرد جمع ہو چکے تھے۔ ''تم ان کے امام کا گھوڑا بھی نہ بھگا سکے''۔ ایک بزرگ نے قہقہہ لگایا۔

''آپ بابا سے اجازت لے دیں، میں امام صاحب کو بھی اٹھا لاؤں گا''۔ نوجوان نے ملک سجاول کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

''تو کیا قاسم واپس آ گیا ہے؟'' ملک سجاول جانے پوچھا۔

''جی بابا! وہ اپنے دستہ کے ہمراہ تالاب پر وضو کر رہے تھے، میں آپ کو اطلاع دینے بھاگ آیا ہوں''۔ نوجوان نے بتایا۔

ملک سجاول نے سب کو ہتھیار اتار دینے اور گھوڑے باندھنے کو کہا اور خود دو بزرگوں کے ہمراہ تالاب کی طرف چل دیئے۔ وہ مہم کے بارے میں جاننے کے لئے بے تاب تھے، آگے بڑھ کر اپنے سواروں کو کامیابی پر مبارکباد دینا چاہتے تھے۔

ملک قاسم اور ان کے ساتھی نماز سے فارغ ہو کر گھوڑوں پر سوار ہونے والے تھے کہ اپنے بزرگوں کو آتے دیکھ کر پیدل ان کی طرف چل دیئے۔ ملک سجاول اور دونوں بزرگ گھوڑوں سے اتر آئے، نوجوانوں نے ان کے گھوڑوں کی لگامیں پکڑ لیں۔

''ہمیں مہم کی کامیابی پر مبارکباد میں تاخیر گوارا نہ تھی''۔ ملک سجاول نے قاسم سے بغلگیر ہوتے ہوئے کہا۔

''معلوم ہوتا ہے بابا نے ابھی نماز ادا کرنا ہے؟''

قاسم نے اس کے سوال کا جواب نہیں دیا اور سر جھکا لیا۔

''تمہارا اندازہ درست ہے''۔ ملک سجاول نے قاسم کی آنکھوں میں اپنے سوال کا جواب پڑھ لیا تھا۔

ملک سجاول اور دونوں بزرگ نماز پڑھنے لگے، قاسم نے تالاب کے کنارے فرش بچھوا دیا اور بزرگوں

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

کے لئے تکئے لگا دیئے۔ اسے معلوم تھا کہ ملک سجاول نماز سے فارغ ہوتے ہی مہم کا حال سننا چاہیں گے۔ سورج تالاب کے مغربی کنارے کے ساتھ دور تک پھیلے قبرستان کے درمیان میں واقعہ مزار کی اونچی محراب کے پیچھے سے ان کی طرف جھانک رہا تھا۔ تالاب کی بے جان سطح پر شعاعوں کے غازہ کی ہلکی ہلکی تہہ جم گئی تھی۔ چاروں طرف پھیلا جنگل بھی مہم کا حال سننے کے لئے بالکل خاموش تھا نماز سے فارغ ہو کر ملک سجاول اور بزرگ فرش پر آ کر بیٹھ گئے تو باقی جوانوں نے ان کے گرد نیم دائرہ بنالیا۔

''تمہاری خاموشی سے ہمیں اپنے سوال کا جواب مل چکا ہے پھر بھی ہم چاہتے ہیں کہ تم ہمیں اس کی تفصیل بتاؤ''۔ ملک سجاول نے کہا۔

''اس مہم کے پینتیس چالیس دنوں میں ہم نے جو کچھ دیکھا وہ بیان کریں تو آپ کو تکلیف ہوگی''۔ ملک قاسم نے جواب دیا۔

''جو کوئی سچ سننے کی تکلیف سے بچتا ہے اسے حقیقت سے فرار کے عذاب سے گزرنا پڑتا ہے''۔ ملک سجاول نے قاسم کی طرف اس انداز سے دیکھا جیسے اسے سچ کہنے کا حکم دے رہا ہو۔

''بیگم حضور مہم اور قاسم بیگم خان کو کامیاب دیکھنا چاہتی تھیں''۔ ملک قاسم نے بتایا۔ ''انہوں نے بڑی تیاریوں اور دھوم سے فوج کو قلعہ سے روانہ کیا لیکن قاسم بیگ خان پہلے پڑاؤ میں ہی کامیابی کا جشن منانے لگا''۔

ملک سجاول نے ''جشن کامیابی منانے'' پر قاسم کی طرف غور سے دیکھا۔

اس نے اپنی بات جاری رکھی۔ ''لکھپت رائے کے باغ میں دو راتیں اور دن اس نے جشن منایا جو روپیہ بیگم نے مہم کے لئے دیا تھا اس میں سے بہت سا روپیہ ناچنے گانے والیوں پر وار دیا۔ قاسم بیگ خان نے سب ترک سرداروں اور سواروں میں روپیہ تقسیم کیا تاکہ وہ حسب خواہش ان ناچنے گانے والیوں کو بیلیں دے سکیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا یہ سکھوں کی سرکشی دبانے نہیں جا رہے ہیں، ان پر مکمل فتح حاصل کر کے واپس آئے ہیں۔ اس سے اگلے پڑاؤ پر قاسم خان نے جو کچھ کیا وہ سکھوں نے بھی کبھی مسلمانوں کے ساتھ نہیں کیا ہوگا۔ پڑاؤ سے نزدیک مسلمانوں کا ایک گاؤں تھا، فوج کی آمد کی خبر سن کر دہاں کے لوگ بہت خوش ہوئے۔ گاؤں کا سربراہ معززین کے ساتھ اپنی خوشی کا اظہار کرنے اور کماندار کو مبارکباد دینے آیا تو قاسم خان کے حکم پر ان سب کو گرفتار کر کے ان کی مشکیں کس دی گئیں۔ اگلے روز ترک فوجیوں نے سارا گاؤں لوٹ لیا، عورتیں اور بچے گرفتار کر کے لے آئے اور ان کے گرد پہرہ بٹھا دیا۔ ایک ماہ بعد انہیں رہائی نصیب ہوئی وہ بھی سکھوں کی کامیابی کی وجہ سے''۔

''ان مسلمانوں نے کیا جرم کیا تھا؟'' ملک سجاول نے دکھ سے کروٹ بدلتے ہوئے پوچھا۔

''ان کا جرم صرف یہ تھا کہ وہ مسلمان تھے۔ قاسم خان نے گاؤں کے سربراہ کی تذلیل کرتے ہوئے پوچھا۔ ''تمہیں معلوم نہیں سکھ حکومت کے باغی ہیں''۔ اس نے جواب دیا کہ معلوم ہے تو اس نے پوچھا کہ پھر تم نے ان کے خلاف جہاد کیوں نہیں کیا؟ انہوں نے جواب دیا کہ ان کے پاس اتنی طاقت نہیں تو قاسم خان طیش میں آ گیا اور کہا کہ تم سکھوں کے ساتھ ملے ہوئے ہو اسی لئے انہوں نے تمہارا گاؤں نہیں لوٹا۔ سکھوں سے پہلے ہم تمہیں سبق سکھائیں گے اور پھر گاؤں لوٹنے اور سب آبادی کو قید کرنے کا حکم دے دیا اور جب تک وہاں رہا کسی ایک بچے کو بھی رہا نہیں کیا''۔

''انہیں رہائی کیسے ملی؟'' ایک بزرگ نے پوچھا۔

''ان مسلمانوں کی حالتِ زار کے بارے میں سن

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

کر اردگرد کے دیگر دیہات کے مسلمان اپنے گھر چھوڑ کر بھاگ گئے اور فوج کی آمد کی اطلاع پا کر سکھ لشکر گاہ پر چھاپے مارنے لگے۔ ایک ماہ بعد سکھوں کے ہاتھوں تنگ آ کر قاسم خان نے پڑاؤ اٹھایا تو ان بے چاروں کو رہائی نصیب ہوئی''۔ اس نے بتایا۔

''پٹی پر حملہ کا کیا انجام ہوا؟'' ملک سجاول نے سوچ کے سمندر سے سر نکال کر پوچھا۔

''پٹی پہنچنے سے پہلے ہی ترک فوج کو سکھوں نے مار بھگایا پہلی لڑائی میں ہی سکھ غالب رہے اور قاسم خان کی فوج مشکل سے لشکر گاہ تک پہنچی اس کے بعد سے وہ سکھوں سے صلح کی کوشش کر رہے ہیں''۔

''قاسم خان سکھوں سے صلح کر رہا ہے؟'' ملک سجاول نے حیرانی سے پوچھا۔

''آپ اجازت دیں تو میں صلح کی بجائے سازش کہوں گا''۔

''میں ہر بات پر یقین کرنے کو تیار ہوں''۔ ملک سجاول نے آہستہ سے کہا۔

''سورج کے غرق تالاب ہونے کے شواہد نایاب کرنے کے لئے دست فطرت نے اس کی سطح پر سیاہی کا لیپ شروع کیا تو وہ ایک بار پھر خدا کے حضور سر بہ سجود ہو گئے۔

ملک قاسم نے محسوس کیا کہ اس کے بابا کی دعا میں سوز بڑھ گیا ہے۔

''کیا یہ درست ہے کہ چوغتہ بادشاہ عورتوں والا لباس پہنتا ہے؟'' ایک بزرگ نے ملک سجاول سے پوچھا۔

''میں اس کی تردید نہیں کر سکتا، مغل شاہنشاہ کو مردوں کی بجائے عورتوں کی صحبت زیادہ پسند آتی ہے اور ان محفلوں میں وہ اکثر زنانہ لباس پہن کر شریک ہوتا ہے''۔ ملک سجاول نے جواب دیا۔

''زیادہ وقت اپنے گھر میں عورتوں میں گزارتا ہے تو بادشاہی کیسے چلاتا ہے، چوغتہ بادشاہ؟'' دوسرے بزرگ نے پوچھا۔

''چاچا گھر کی عورتوں میں نہیں بادشاہ اس قسم کی عورتوں کی صحبت میں خوش رہتا ہے جس قسم کی عورتوں میں قاسم خان دو دن رات مغلانی بیگم کا روپیہ تقسیم کرتے رہے تھے''۔ ایک نوجوان نے اپنے بزرگ کو سمجھایا۔

''چوغتہ بادشاہ عورتوں والا لباس پہن کر ناچ گانا کرتا ہے، پنجاب کی صوبیدار نقاب اوڑھ کر مردوں پر حکم چلاتی ہے، اس کا کمانداز ناچنے گانے والیوں پر وارنے کے لئے روپیہ تقسیم کرتا ہے، ان کا سلطنت کی کیا بنے گا؟'' اسی بزرگ نے حیرانی سے پوچھا۔

ملک قاسم نے اپنے بابا کی طرف دیکھا مگر وہ خاموش تھا شاید اسے اپنے بزرگ کے سوال کا جواب نہیں مل رہا تھا۔ مغلانی بیگم سکھوں کی سرکشی دبا سکیں گی؟'' اس کے ذہن میں خلفشار پیدا کرنے والا سوال زبان پر آ گیا۔

ملک سجاول نے اپنے گرد بیٹھے جوانوں اور بزرگوں کی طرف دیکھنے کی بجائے مزار کی بلند محراب کے اس پار جہاں سورج غروب ہوا تھا کچھ تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہوئے جواب دیا۔ ''جس کی فوج مسلمانوں کے گھر اور گاؤں لوٹ رہی ہے اس سے سکھوں کی سرکشی دبانے کی امید نہیں کی جاسکتی''۔

''پھر ہم اس کا ساتھ کیوں دے رہے ہیں؟'' جو سوال قاسم نہیں کر سکتا تھا بزرگ نے پوچھ لیا۔

''اس لئے کہ ہم سکھوں کا ساتھ نہیں دے سکتے''۔ اندھیرا گہرا ہونے لگا تھا ملک سجاول نے اٹھتے ہوئے جواب دیا۔ ''جن قوتوں سے اصلاح احوال کی کچھ امید ہو سکتی ہے ان کا ساتھ دینا ہماری مجبوری ہے''۔

(جاری ہے)

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

بھکاری خان کی گرفتاری سے اس کے ساتھی امراء خوفزدہ ہو گئے۔
بہت سے لاہور چھوڑ کر بھاگ گئے اور باقی اپنے اپنے گھروں
میں دبک کر بیٹھ گئے۔ مغلانی بیگم کی راہ میں اب کوئی رکاوٹ نہ تھی۔

مغلانی بیگم

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

زندگی خاموشی کی سیاہ چادر اوڑھے گہری نیند سو چکی تھی، شاہی قلعہ کی فصیل پر پہریداروں کے بھاری قدموں کی چاپ سکوتِ شب توڑتی اور فضا میں معدوم ہو جاتی۔ نادر بیگ ایک برج سے دوسرے اور دوسرے سے تیسرے تک پہرہ چیک کرتا ہوا اس مقام تک پہنچا جہاں کالو راوی کی طرف منہ کئے بیٹھا تھا تو مسکرا کر پوچھا۔ ”کتنی لہریں گزریں اب تک؟“

”حضور! میں نے جھوٹ نہیں بولا، میں اپنی ساری برادری کو گواہ پیش کر سکتا ہوں۔ میری بیوی میرے انتظار میں رو رہی ہو گی، مجھے معاف کر دیں“۔ اس نے قلعہ دار کے پاؤں پکڑ لئے۔

”معاف تو تمہیں بیگم عالیہ ہی کر سکتی ہیں، میں تمہیں لہریں گننے کی بجائے ڈیوڑھی میں لے جا سکتا ہوں۔ رات گزار لو صبح بیگم عالیہ کے حضور پیش کر دوں گا“۔ نادر بیگ نے جواب دیا۔

”حضور! میری بیوی مر جائے گی، وہ اب تک جاگ کر میرا انتظار کر رہی ہو“۔ کالو نے منت کی۔

”اس کو سلانے کا بھی کچھ بندوبست کرتے ہیں، تم اٹھو چلو میرے ساتھ“۔ قلعہ دار نے حکم دیا۔

کالو کانپتا ہوا اٹھا اور نادر بیگ کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ ہاتھی پوڑ کے پہرہ دستہ کے سربراہ کو نادر بیگ نے ہدایات دیں اور اپنے محافظ دستہ کو رخصت کر کے کالو کے ساتھ ڈیوڑھی کی طرف مڑ گیا۔ تھوڑا آگے جا کر وہ گھوم کر شیش محل کی دیوار کے سایہ سایہ چلنے لگا۔ کالو خاموشی سے اس کے پیچھے آ رہا تھا۔ بے آواز قدموں سے چلتے ہوئے وہ ایک کھڑکی کے پاس پہنچ گئے۔ نادر بیگ نے ہلکی سی دستک دی تو کھڑکی میں چھوٹا سا سوراخ نمودار ہو گیا، اندر سے کسی نے موم بتی اوپر اٹھا کر سوراخ میں سے باہر دیکھنا چاہا تو نادر بیگ نے آہستہ سے ”ساتواں جاں نثار“ کہا۔ شمع بردار نے کھڑکی کھول دی، نادر بیگ اندر داخل ہو گیا۔ کالو کھڑا رہا پھر شمع بردار کے اشارے پر جھک کر وہ بھی اس کے پیچھے داخل ہو گیا۔ شمع بردار نے اس کا جائزہ لیا اور جلدی سے کھڑکی بند کر دی۔ اندر دو مسلح سپاہی نیزے تانے کھڑے تھے، انہوں نے قلعدار کو سلام کیا کالو کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ اس کے ساتھ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ ٹھنڈی رات میں اس کا جسم پسینہ پسینہ ہو رہا تھا۔ شمع بردار ایک تاریک راہداری میں داخل ہو گیا، نادر بیگ اس کے پیچھے چلنے لگا اور کالو کو ساتھ آنے کا اشارہ کیا۔ راہداری کے آخری سرے پر سیڑھیاں چڑھ کر وہ ایک نیم روشن کمرے میں پہنچ گئے جس کے درمیان میں شمع جل رہی تھی۔ ایک طرف فرشی نشست لگی تھی اور نشست کے پاس ایک تپائی پر کچھ کاغذات مہریں اور قلمدان رکھے تھے، نادر بیگ اور کالو نشست کے سامنے کھڑے ہو گئے، شمع بردار گھوم کر واپس چلے گیا۔

چند لمحے بعد مغلانی بیگم کمرے میں داخل ہوئی اس کے پیچھے دو کنیزیں چلی آئی تھیں، ایک کنیز کے ہاتھ میں تلوار تھی اور دوسری کے ہاتھ میں طشتری جس پر ریشمی رومال ڈال رکھا تھا۔ نادر بیگ نے بیگم کو سلام کیا تو کالو جھک کر بیگم کے پاؤں میں گر گیا۔ مغلانی بیگم مسکرائی اور نشست پر بیٹھ گئی۔ کنیز نے طشتری تپائی پر رکھ دی اور الٹے قدموں کمرے سے باہر نکل گئی، تلوار بردار کنیز مغلانی بیگم کے پیچھے کھڑی ہو گئی۔

”نادر بیگ! تم نے ہمارے بیٹے کو فصیل کی سیر کرا دی؟“ بیگم نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

”جی حضور! کرا دی“۔ نادر بیگ نے جواب دیا۔

”کالو! تم نے کتنی لہریں شمار کیں؟“ بیگم نے پوچھا۔

”قبلہ حضور صاحبہ! میں نے جو کچھ کہا سچ کہا تھا، میں خواجہ خضر کی قسم اٹھا کر کہتا ہوں“۔ وہ رونے لگا۔

”ہم نے مان لیا، تم سچ کہتے ہو مگر لہریں کتنی شمار

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

کیں؟ تم نے''۔ بیگم نے پوچھا۔

''وہ تو جی اتنا اندھیرا ہے باہر، دریا ہے بھی فصیل سے دور''۔ اس نے کانپتے ہوئے جواب دیا۔

''تم تو کہتے تھے تم آوازوں سے آدمی پہچان سکتے ہو، لہروں کی آواز سے ان کی تعداد نہیں جان سکتے؟''

''وہ تو ٹھیک کہتا ہوں جی''۔

''تم نے دربار میں اتنے لوگوں کی آوازیں سنیں کسی کو پہچانا تم نے؟''

''جی ہاں...... جی نہیں''۔ وہ گھبرا گیا۔

''سچ سچ بتاؤ ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ سچ بولو گے تو انعام پاؤ گے''۔ بیگم نے تسلی دی۔

''ایک تو وہ تھے جی، وہ بہت بولتا تھا''۔

''کون رستم جنگ؟''

''جی ہاں، وہی جنگ تھا جی، ان کے ساتھ جو دریا کے پار جاتے ہیں''۔

''اور بھی کوئی پہچانا تم نے؟''

''ایک دفعہ وہ بھی تھا جسے آپ نے برج بھجوایا ہے''۔

''اور کوئی؟''

''اور کوئی شناخت نہیں ہوا حضور!''

''شاباش، کالو! تم ہمارے بیٹے اور امین الملک حاکم کشور پنجاب کے دوست ہو، آج کی رات تم ڈیوڑھی میں گزارو گے، صبح نادر بیگ تمہیں دس جوتے لگائے گا، تم روتے ہوئے جوتے کھاؤ گے۔ یہ لو پچاس اشرفی ہماری طرف سے انعام، ہم آئندہ بھی تمہاری پرورش کرتے رہیں گے۔ ہم سے ملاقات اور انعام کے بارے میں کسی کو کچھ نہیں بتانا۔ اپنی بیوی کو بھی نہیں سب سے کہنا کہ بیگم حضور نے میری بات پر یقین نہیں کیا اور جوتے لگوائے۔ اپنی بستی میں ہمارے خلاف خوب باتیں کرنا مگر جب بھی کوئی فقیر تمہاری جھونپڑی کے سامنے ''آدمی روٹی کا سوال ہے بابا'' کی صدا لگائے تو اس کی ہدایت پر عمل کرنا''۔

''مگر بیگم حضور جی! مجھ سے دس جوتے نہیں کھائے جائیں گے اور وہ میری بیری تو صبح تک مر جائے گی، انتظار کرتے کرتے''۔ کالو نے اشرفیوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''نادر بیگ تمہیں جوتے ایسے لگائے گا جیسے گلاب کے پھولوں کو لگاتے ہیں، کوئی تکلیف نہ ہوگی''۔ مغلانی بیگم نے کہا اور کنیز کی طرف دیکھا۔

نادر بیگ نے آداب عرض کیا اور کالو کو ساتھ لے کر سیڑھیوں کی طرف مڑ گیا۔

مغلانی بیگم نشست سے اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگی، چند لمحے بعد کنیز نے کمرے کے عقبی دروازہ کا ریشمی پردہ ہٹایا تو ایک نوجوان پردے کے پیچھے سے نکل کر سامنے آ گیا اور فرشی سلام کر کے ہاتھ باندھ کر سر جھکا دیا۔

''سرفراز خان! معاملہ کچھ زیادہ بڑھ رہا ہے، بھکاری خان مشرق کے بعد مغرب کی سمت بھی جال پھیلانے کی کوشش کر رہا ہے۔ کالو کی نگرانی کرو اور راوی پار بارہ دری میں چند جوگی متعین کر دو''۔ بیگم نے چلتے چلتے رک کر کہا۔

''حضور کے احکامات کی تعمیل اس جاں نثار کا فرضِ اوّلیں ہے''۔ سرفراز خان نے دایاں ہاتھ سینے پر رکھ کر سر جھکا دیا۔

*

سیّد صابر شاہ کے مزار پر جمعرات کی شام قرآن خوانی کی محفل ہوتی جس میں شاہ کے عقیدت مند اور شہر کے امراء بڑی تعداد میں شرکت کرتے۔ اہلِ لاہور کا خیال تھا کہ ابدالی کی فوجوں کے ہاتھوں شاہنواز خاں کی ذلت آمیز شکست کی وجہ سیّد صابر شاہ کا قتل تھا اور احمد شاہ ابدالی کی کامیابیوں کے پیچھے ان کی اس سیّد خاندان سے

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

عقیدت ہے۔ شہر کے جو امراء احمد شاہ ابدالی کو خوش رکھنا چاہتے تھے وہ اس محفل میں باقاعدگی سے شریک ہوتے اور مزار کے مجاور سے ذاتی تعلقات قائم کرنے کی کوشش کرتے تھے جسے وہ ابدالی کا خاص آدمی سمجھتے تھے۔ مغلیہ حکومت کی کمزوری اور پنجاب میں سکھوں کی غارت گری کی وجہ سے مسلمانوں کا کافی بڑا حصہ سمجھنے لگا تھا کہ احمد شاہ ابدالی ہی لاہور اور پنجاب کو سکھوں سے بچا سکتے ہیں، بیشتر امرائے شہر کو احمد شاہ ابدالی کی آمد کا خطرہ رہتا تھا۔ مغلانی بیگم نے حکومت اپنے ہاتھ میں لیتے ہی سیّد صابر شاہ کے مزار کی دیکھ بھال پر خصوصی توجہ دینا شروع کر دی تھی۔ مزار کے مجاور بابا خان ولی کا ان کے دربار میں بہت احترام کیا جاتا تھا۔ بابا خان ولی سے امراء کی عقیدت کی وجہ ان کی روحانیت سے زیادہ سیّد صابر شاہ سے ابدالی کی عقیدت تھی۔

شاہنواز خاں نے حاکم لاہور اپنے بھائی یحیٰی خاں کو شکست دے کر لاہور پر قبضہ کر کے احمد شاہ ابدالی کو شاہجہان آباد پر حملہ کی دعوت دی تو ابدالی نے اسے قبول کر لیا لیکن جب احمد شاہ ابدالی کا لشکر روہتاس پہنچا تو اسے معلوم ہوا کہ شاہنواز خاں اپنے وعدہ سے منحرف ہو گیا ہے اور اس سے مقابلہ کی تیاریاں کر رہا ہے۔ ابدالی کے پیر کا فرزند سیّد صابر شاہ اس کی فوجوں کے ہم رکاب تھا۔ دریائے اٹک عبور کر کے احمد شاہ ابدالی خود روہتاس کے قلعہ میں مقیم ہوا اور سیّد صابر شاہ کی قیادت میں ایک وفد لاہور بھیجا تا کہ حاکم لاہور کو اس کا مراسلہ اور وعدہ یاد دلا کر مدد پر آمادہ کیا جائے۔ شاہنواز نے قلعہ کے دیوان خاص میں وفد سے ملاقات کی۔ بات چیت کے دوران سیّد صابر شاہ نے شاہنواز کو اس کا دعوت نامہ اور مرد کا وعدہ یاد دلایا۔ شاہنواز پھر بھی احمد شاہ کے استقبال پر راضی نہ ہوا تو سیّد زادہ طیش میں آ گیا۔ شاہنواز خاں نے پردے کے پیچھے چھپے جلاد کو اشارہ کیا تو اس نے ایک ہی وار میں سیّد صابر شاہ کا سر تن سے جدا کر دیا۔ احمد شاہ ابدالی کو شاہنواز خان کے رویے اور سیّد صابر شاہ کے قتل کے بارے میں بتایا گیا تو وہ غضبناک ہوا۔ اسی وقت فوج کو کوچ کا حکم دیا اور طوفان کی رفتار سے شاہدرہ پہنچ گیا۔ شاہنواز بھی لڑائی کی تیاریاں کرتا رہا تھا، اس نے شہر اور قلعہ کے دفاع کے مستحکم انتظامات کئے تھے۔ ابدالی کی افواج نے اوپر جا کر راوی عبور کیا اور شہر کی فصیل کے نیچے پہنچ گئیں۔ لڑائی میں شاہنواز خاں کو شکست ہوئی اور وہ شاہجہان آباد بھاگ گیا۔ ابدالی نے اپنے پیر کے فرزند کی قبر پر حاضری دی، فاتحہ پڑھی اور اہل لاہور کو امان دے کر شاہجہان آباد کی طرف کوچ کر گیا۔ اہل لاہور اس امان کی وجہ بھی سیّد صابر شاہ سے ابدالی کی عقیدت ہی سمجھتے تھے اور بڑی تعداد میں قرآن خوانی کی اس محفل میں شریک ہوتے تھے۔

اگلی جمعرات کو بھکاری خان اپنے ساتھیوں اور مصاحبوں کے ہمراہ سیّد کے مزار پر قرآن خوانی کی محفل میں شریک ہوا۔ اس روز بابا خان ولی تھوڑی دیر محفل میں بیٹھے اور پھر اپنے حجرہ میں تشریف لے گئے۔ محفل ختم ہوئی تو اجتماعی دعا کے لئے باہر تشریف لائے اور اعلان کروا دیا کہ طبیعت کی ناسازی کی وجہ سے آج وہ عام لوگوں سے ملاقات نہیں کر سکیں گے اور نہ ہی کوئی گروہ ان کے حجرہ میں حاضر ہوگا۔ جس کسی کو لازماً ملنا ہو وہ اکیلا حاضر ہوگا اور دیدار اور اظہارِ عقیدت کے بعد واپس آ جائے گا۔ بھکاری خان نے حاضری کی درخواست بھجوائی تو بابا خان ولی نے سب سے پہلے انہیں اندر بلوایا مگر فوراً ہی واپس بھیج دیا۔ سب سے پہلے حاضری کے لئے بلانے پر بھکاری خان اور ان کے مصاحب خوش ہوئے تھے مگر کھڑے کھڑے حجرے سے باہر نکال دینے پر انہیں مایوسی ہوئی۔ اس خیال نے انہیں اور بھی پریشان کر دیا کہ بیگم کے پرچہ نویسوں نے سب کچھ دیکھ لیا ہوگا۔ بھکاری

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

خان کے بعد چند ہندو عقیدت مندوں کو حاضری کی اجازت ملی تو بابا خان ولی نے انہیں بھکاری خان سے زیادہ وقت دیا۔ غیر مسلموں کی حوصلہ افزائی کے لئے بابا خان ولی نے بیماری کے باوجود ہندوؤں سے احترام اور محبت کا سلوک کیا۔ مسلمان عقیدت مندوں نے اسے اسلامی اخلاق کا نمونہ قرار دیا۔ سب لوگ جا چکے تو بابا خان ولی ایک بار پھر حجرے سے باہر تشریف لائے۔ سیّد صابر شاہ کی قبر پر فاتحہ پڑھی اور اس روز نذر کی جانے والی رقم چادریں اور پرچم گن کر حکم دیا کہ اگلے روز کا سورج غروب ہونے سے پہلے پہلے سب رقم اور نذرانے شہر کے غرباء میں تقسیم کر دیئے جائیں۔

*

شاہی مسجد کے امام سیّد بخاری کے علم، تقویٰ اور پرہیزگاری کی وجہ سے اہلِ لاہور ان کا بہت احترام کرتے تھے اور حاکم سے عام دکاندار اور شہری تک شاہی مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھنے آتے تھے۔ سیّد بخاری حاکم پنجاب کے سامنے بھی اسی جرأت اور بے باکی سے کلمہ حق کہتے تھے جس جرأت سے وہ شاہجہان آباد کے تخت پر قابض بادشاہوں کی بداعمالیوں کا ذکر کرتے تھے۔ پنجاب میں سکھوں کی بڑھتی ہوئی شورش اور مغلیہ حکمرانوں کی بے حمیتی اور بے بسی سے عام مسلمان اور علماء سب فکر مند تھے۔ امام بخاری کے خطبہ میں اس فکرمندی کا اظہار ہوتا تھا اگر وہ کسی حاکم کی کسی بات کو پسند فرماتے تو اس کا بھی ضرور ذکر کرتے تاکہ دیگر حاکموں اور ناظموں کو اس کی ترغیب ہو۔

اس جمعہ انہوں نے خطبہ میں دربار لاہور کے امراء کی باہمی سازشوں کا ذکر کیا۔ میر منو مرحوم کے کارناموں کی تعریف کی اور دعا کی کہ اس کی بیوہ اس کے مشن کو جاری رکھ سکے۔ ان کی دعا میں مایوسی اور حسرت دونوں پہلو محسوس کئے جا سکتے تھے۔ میر مومن خان نے اسے اپنے اور مغلانی بیگم پر امام بخاری کی ناراضگی سمجھ کر گردن جھکا لی ان سے تھوڑے فاصلہ پر بیٹھے امیر الامراء بھکاری خان نے اس پر دلی مسرت محسوس کی۔ دعا کے بعد امراء، درباری اور عام شہری محراب تک سیّد بخاری سے مصافحہ کرتے اور الٹے قدموں چلتے ہوئے واپس چلے جاتے۔ لوگ آتے رہے، مصافحہ کر کے واپس جاتے رہے مگر بھکاری خان سر جھکائے وظیفہ پڑھنے میں مصروف رہے۔ میر مومن خان کو سیّد بخاری سے کوئی خاص بات نہیں کرنا تھی پھر بھی وہ بیٹھے تسبیح پڑھ رہے تھے اور بھکاری خان کے اٹھنے کے منتظر تھے۔ ان دونوں کی وجہ سے ان کے مصاحب اور محافظ بھی الگ الگ بیٹھے ان کے جلد اٹھنے کی دعائیں مانگ رہے تھے۔ جب ہجوم ذرا کم ہوا تو بھکاری خان محراب تک گئے۔ نہایت عقیدت سے امام بخاری سے مصافحہ کیا اور ان کے سامنے دوزانو بیٹھ گئے انہیں امید تھی کہ سیّد بخاری ان پر توجہ دیں گے لیکن وہ عام لوگوں سے مصافحہ کرنے میں مصروف رہے اور ان کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں دی۔ اگر میر منو زندہ ہوتے تو بھکاری خان ایسے سلوک پر اٹھ کر چلے جاتے لیکن یہ مغلانی بیگم کا دور تھا۔ کافی انتظار کے بعد انہوں نے اجازت حاصل کر کے خود ہی بات شروع کر دی۔ ''اگر حضور ہماری مسجد کا سنگ بنیاد اپنے بابرکت ہاتھوں سے رکھ دیں تو ہم شکر گزار ہوں گے''۔

''لاہور میں پہلے ہی مسجدیں وافر ہیں، آپ ایک اور مسجد بنانے کی بجائے وہی رقم غربا اور بیواؤں پر کیوں خرچ نہیں کر دیتے؟'' سید بخاری نے بھکاری خاں کی درخواست پر پوچھا۔

''دراصل ہمارے محل کے قریب کوئی مسجد نہیں، ہم چاہتے ہیں ایک چھوٹی سی مسجد بنوا دیں تاکہ خدام اور سپاہ باجماعت نماز ادا کر سکیں''۔ بھکاری خان نے وضاحت کی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

''اگر ہر امیر وزیر نے اپنے محل اور باغ میں اپنی اپنی الگ مسجد بنالی تو بڑی مسجدوں میں نہ جانے کا بہانہ میسر آ جائے گا۔ ہم ایسی بلا ضرورت مسجدوں کی افادیت سمجھنے سے قاصر ہیں''۔

سید بخاری کا جواب سن کر بھکاری خان کے مصاحبوں نے پہلے اپنے آقا اور پھر بخاری صاحب کی طرف دیکھا۔

''ہمیں حضور کے ارشادات سے مکمل اتفاق ہے مگر ہم چاہتے ہیں اپنی عاقبت کے لئے کچھ جمع کرلیں، زندگی کا کیا بھروسہ''۔ بھکاری خاں نے بڑے ادب سے عرض کیا۔

''آپ اپنے منصب کی ذمہ داریاں دیانتداری سے ادا کریں، خلق خدا کی فلاح اور اس کشور کو سازش سے پاک کرنے میں دلچسپی لیں، مسلمانوں کو دین کے دشمنوں کے خلاف متحد کریں۔ اس سے بڑی کوئی عبادت نہیں، عاقبت کے لئے اس سے بڑا کوئی اور اثاثہ نہیں ہوسکتا''۔ سید بخاری نے نصیحت کی۔

بھکاری خان نے اشارہ کیا، ایک مصاحب نے آگے بڑھ کر نذرانہ پیش کرنا چاہی۔

''ہماری طرف سے یہ کسی غریب اور حاجت مند کو پہنچا دیں، خدا تعالیٰ اجر دے گا''۔ سیّد بخاری نے نذرانہ وصول کرنے سے انکار کر دیا اور مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھا دیا۔

بھکاری خان مصافحہ کر کے اٹھا اور مسجد سے باہر نکل آیا۔ وہ بہت افسردہ تھا اور سب کے رُوبرو اپنے منصب اور مرتبہ کی توہین پر وہ دل ہی دل میں کڑھ رہا تھا۔

میر مومن خاں خاموش بیٹھا سب کچھ دیکھ رہا تھا اور دل میں خوش تھا مگر اس نے اپنے چہرے پر اس خوشی کا کوئی اظہار نہیں آنے دیا۔ اس کے مصاحب اپنے آقا کے مخالف کی تذلیل پر خوش ہوئے۔

وہ اپنی جگہ سے اٹھا سید بخاری کا ہاتھ دونوں ہاتھوں میں لے کر مصافحہ کیا اور الٹے قدموں پیچھے پلٹنے لگا تو سید بخاری نے کہا۔ ''آپ کو اللہ تعالیٰ نے جس مسند پر بٹھایا ہے اس کی بہت سی ذمہ داریاں ہیں۔ سب سے بڑی ذمہ داری عوام کے جان و مال کا تحفظ ہے''۔

وہ رک گیا۔ ''حضور کی رہنمائی اور دعاؤں کے صدقہ ہم ان ذمہ داریوں کو پورا کرنے کی پوری کوشش کریں گے''۔

''خدا تعالیٰ آپ کو خلوص اور کامیابی دے''۔ سید بخاری کی دعا پر سب موجود افراد نے آمین کہا تو میر مومن خاں نے جھک کر سید بخاری کا ہاتھ چوما اور ساتھیوں کے ہمراہ مسجد کے دروازے کی طرف چل دیا۔

طالب علم مسجد سے ملحق اپنے حجروں کی طرف جا رہے تھے اور مڑ مڑ کر بھکاری خان اور میر مومن خاں کو الگ الگ دروازوں کی طرف جاتا دیکھ رہے تھے میر مومن خاں قلعہ کی طرف جا رہے تھے اور بھکاری خان روشنائی دروازہ سے باہر نکل رہے تھے۔

''یہ حاکم کب تک ملت کی حفاظت کر سکیں گے؟'' ایک طالب علم نے دوسرے سے پوچھا۔

وہ چلتا چلتا رک گیا۔ ''جن کے دلوں پر غرض کی مہریں ثبت ہوں ان کے بارے میں مت سوچیں''۔ اس نے جواب دیا۔

*

بھکاری خان برآمد ہوئے تو باوردی خدام آداب کے لئے جھک گئے۔ آج بھکاری خاں کو بہت اہم امور نپٹانا تھے اس لئے وہ معمول سے پہلے ہی برآمد ہو گئے تھے۔ اسی لئے خدام ذہنی طور پر ابھی باجماعت رکوع کے لئے تیار نہیں تھے۔ بھکاری خان عام دنوں میں خدام کی ذراسی غلطی کا بھی سخت نوٹس لیا کرتے تھے مگر آج انہوں نے کسی ملازم کے لباس اور کوتاہی پر کوئی توجہ نہیں دی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

''خواجہ مرزا خان تشریف لے آئے؟'' انہوں نے محافظوں کے کماندار سے پوچھا۔

''جی، وہ حضور کے منتظر ہیں''۔ کماندار کی بجائے ایک اور افسر نے بتایا۔

''اور طہماس خاں؟'' بھکاری نے دوسرا سوال کیا۔

''وہ بھی حضور کے قدموں میں حاضری کے لئے پہنچ چکا ہے''۔ اسی افسر نے بتایا۔

''طہماس خان کو ہمارے حضور پیش کیا جائے''۔

حکم دے کر وہ اپنی نشست گاہ کی طرف چل دیا۔ اپنے محل میں اسے کوئی خطرہ نہیں تھا اس کے باوجود محافظ دستہ کا کماندار نشست گاہ تک ان کے پیچھے چلتا رہا اور جب بھکاری خان کے پیچھے پردہ گرا دیا گیا تو وہ دروازے کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔

''کمند خاں سے تمہاری کوئی بات ہوئی؟'' بھکاری خان نے اپنے سامنے دست بستہ کھڑے طہماس خاں سے پوچھا۔

''حضور! کا خادم اپنی ذمہ داریوں سے آگاہ ہو چکا ہے''۔ طہماس خاں نے سر جھکا کر جواب دیا۔

''ہم تم میں اپنا معتمد ساتھی بننے کی صلاحیتیں دیکھ کر خوشی محسوس کر رہے ہیں''۔ بھکاری خان نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے کہا۔

''یہ حضور کی ذرہ نوازی ہے''۔ طہماس خاں نے سر مزید جھکا دیا۔

''اگر آپ نے ہوش سے کام لیا تو ہم ذرہ کو آفتاب بنا دیں گے''۔ بھکاری خاں نے اس کی جھکی ہوئی نگاہوں میں جھانکنے کی کوشش کی۔

''بندے کی جان اور آن حضور کی خدمت کے لئے وقف ہے''۔

''مرزا کمند خاں سے رابطہ رکھو اور اپنا کام اس ہوشیاری سے کرو کہ تم پر کسی کی شک کی نظر نہ پڑ سکے''۔ بھکاری خان نے ہدایت کی۔

''غلام کی خدمت کی اطلاع حضور کو اس کی زبان کی بجائے ترک امراء سے ملے گی''۔

''جس طرح ہم نے تمہارے انتخاب میں غلطی نہیں کی اسی طرح تمہیں بھی اپنے آقا کے انتخاب پر کبھی شرمندگی نہیں ہو گی''۔

طہماس خان آداب بجالا کر الٹے قدموں چلتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔

خواجہ مرزا خاں کمرے میں داخل ہوا تو بھکاری خان نے کھڑے ہو کر اس کا استقبال کیا۔ امیر الامراء کے مرتبہ کے ترک جرنیل کی طرف سے تین صد سواروں کے کماندار کا اس انداز میں استقبال ان کی روایات کے منافی تھا لیکن اپنے عزائم کی تکمیل کے لئے بھکاری خان کو اس کی ضرورت تھی اور میر منو کی وفات کے بعد خواجہ نے وفاداری کا ثبوت دیا تھا۔

''ہم نے آپ کو وفادار اور بہادر پایا اسی لئے ہم نے آپ کو اپنے اعتماد کے لئے منتخب کیا ہے''۔ بھکاری خان نے بات شروع کی۔

''خادم نے اپنا اور اپنے ساتھیوں کا حال اور مستقبل حضور کے ساتھ وابستہ کر رکھا ہے۔ حضور کا نفع ہمارا نفع اور نقصان ہمارا اپنا نقصان ہے۔ حضور نے خادم کو اعتماد کے لئے چنا ہے تو وہ کبھی ذلت کا سودا نہیں کرے گا''۔ خواجہ مرزا خان نے خوشامدانہ انداز میں جواب دیا۔

''ہم سمجھتے ہیں، جن ترک سرداروں نے ہم سے دغا کیا وہ بھی اب پچھتا رہے ہیں۔ کشور پنجاب کے حالات ابتر ہو رہے ہیں۔ ترکوں کو احساس ہونے لگا ہے کہ اصلاح کے لئے قدم نہ اٹھایا تو سلطنت اور ملت کے لئے شدید خطرات پیدا ہو جائیں گے''۔ بھکاری خان نے بات آگے بڑھائی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

''ریاست اور دربار کے معاملات حضور سب سے بہتر جانتے ہیں۔ ہم سپاہیوں کے پاس جان اور تلواریں ہیں جو ہمہ وقت ملت اور سلطنت کی خدمت کے لئے وقف ہیں''۔ خواجہ مرزا خان نے جواب دیا۔

''ہم نے اصلاح کی بہت کوشش کی مگر کچھ کامیابی نہ ہوئی۔ ہم بیگم صاحبہ کی سوچ اور عمل پر خواجہ سراؤں اور پنجابی دہقانوں کا رسوخ دور نہیں کر سکتے''۔

''خاتون خانہ کی خام سوچ پر یہ اثرات قابلِ فہم ہیں اور حضور سے زیادہ اس کشور کو کوئی نہیں جانتا''۔

''امور مملکت دربار لگانے اور سجانے سے نہیں چل سکتے، ایسا ممکن ہوتا تو میر منو مرحوم سال کے تین سو تین دن میدانوں اور ویرانوں میں نہ گزارتے۔ پنجاب جیسے صوبہ کے لئے تو ایسا حاکم چاہئے جو تلوار چلانا اور فوجوں کو لڑانا جانتا ہو''۔

''خادم حیران ہے کہ مغل شہنشاہ کو اتنی سی بات بھی سمجھ نہ آئی''۔

''مغل بادشاہ کی کچھ مجبوریاں تھیں مگر اب وہ بھی اپنے فیصلے پر پچھتا رہے ہیں''۔ بھکاری خان نے کہا۔

''پچھتانے کی کیا بات ہے، وہ حضور کو پنجاب کا گورنر مقرر کر کے سند بھیج دیں''۔ خواجہ مرزا نے اس کی خواہش کو اپنی زبان میں پیش کیا۔

''اس سند کے کچھ اور پہلو بھی ہیں، ایک بادشاہ کابل وقندھار بھی ہے''۔ بھکاری خان نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

''شاہ قندھار کو حضور خود کیوں نہیں سمجھاتے''۔

''لوگ یہ بھی پوچھنے لگے ہیں کہ کیا مغلوں اور ترکوں میں کوئی ایک بھی مرد نہیں بچا جو ایک کمسن بچے اور خاتون کو حاکم پنجاب بنا دیا ہے۔ بیگم کی وجہ سے ہم سب کی توہین ہو رہی ہے''۔ رستم جنگ نے خواجہ مرزا کی تجویز کے بارے میں کچھ کہنے کی بجائے اسے اپنی بات کی طرف لانے کی کوشش کی۔

''ترک اپنی تلواریں اور کلاہیں ایک خاتون اور اس کے خواجہ سراؤں کے قدموں میں ڈال دیں، اس خادم نے تو کبھی سوچا تک نہ تھا''۔

رستم جنگ کا تیر نشانے پر لگا۔

کماندار نے اطلاع دی کہ بابا خان ولی تشریف لائے ہیں تو بھکاری خان استقبال کے لئے دروازے کی طرف بھاگے اور بابا خان ولی کے پیچھے سر جھکائے چلتے ہوئے واپس کمرے میں داخل ہوئے۔ خواجہ مرزا تعظیماً کھڑے رہے۔ بھکاری خاں نے بابا خان ولی کو بتایا کہ خواجہ مرزا خان سکھوں کے خلاف جہاد کے لئے پنجاب آئے ہیں اور کئی معرکوں میں سرخرو رہے ہیں تو بابا خان ولی نے تحسین کی نظروں سے اس کی طرف دیکھا مگر کوئی بات نہیں کی۔

''ہماری خوش بختی ہے کہ حضور کے دستِ مبارک سے اس مسجد کا سنگ بنیاد رکھا جائے گا۔ ہم نے مسجد کا نام بھی تجویز کیا ہے، آپ نے پسند فرمایا تو آج ہی سے اس کا بھی اعلان کر دیا جائے گا تاکہ آپ کی موجودگی نام کو بھی برکت عطا فرما دے''۔ بھکاری خان نے شکریہ اور درخواست ایک ساتھ پیش کر دیئے۔

''کیا نام تجویز کیا ہے آپ نے؟'' بابا خان ولی نے پوچھا۔

''سنہری مسجد''۔ بھکاری خان نے بتایا۔ ''شاہ جہان آباد میں ہمارے بابا کی مسجد کا یہی نام ہے''۔

''بہت مبارک نام ہے، آپ کے بزرگوں کے جذبہ کی نمائندگی کرتا ہے''۔ بابا خان ولی خوش ہو گئے۔

''حضور کا پسند فرمایا نام ان شاء اللہ تاقیامت باقی رہے گا''۔ بھکاری خان کا چہرہ خوشی سے دمک اٹھا۔

خادم تاسوں میں خشک پھل، شہد اور دودھ لے کر حاضر ہوئے تو بابا خان ولی نے خدام کو بھی اندر بلا لیا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

''ہمیں اسلامی تعلیمات پر عمل کا عملی ثبوت دینا چاہئے۔ سنت یہ ہے کہ سب اکٹھے مل کر کھائیں''۔

''سبحان اللہ!'' بھکاری خان نے اس انداز میں کہا جیسے وہ زندگی میں پہلی دفعہ اس سنت کے بارے میں سن رہا ہو۔

رستم جنگ بابا خان ولی اور ان کے ساتھیوں کو اپنے ہاتھ سے اشیاء پیش کرنے لگے تو ان کے خدام پیچھے ہٹ گئے۔ بابا خان ولی کے مقام و مرتبہ سے وہ سب واقف تھے لیکن اپنے آقا کو کسی سے اتنی عقیدت کا اظہار کرتے انہوں نے کبھی نہ دیکھا تھا۔

''میر معین الملک مرحوم کی خواہش تھی کہ سید صابر شاہ کا عالیشان مقبرہ بنایا جائے۔ انہوں نے حضور کے اس خادم کو حکم بھی دیا لیکن حالات کے تغیر نے مرحوم کی خواہش پوری نہ کرنے دی''۔ بھکاری خان نے بابا خان ولی کو بتایا۔

''نواب مرحوم سید صابر شاہ سے بہت عقیدت رکھتے تھے۔ بادشاہ سلامت نے قندھار میں ہمیں آگاہ کیا تھا کہ نواب مرحوم کی کامرانیوں کا ایک سبب ان کی سید شہید سے عقیدت بھی ہے''۔ بابا خان ولی نے پُروقار انداز میں کہا۔

''کابل و قندھار کے ذیشان حکمران اعلیٰ حضرت احمد شاہ ابدالی کی اپنی شاندار کامیابیوں کی وجہ بھی اس سیّد خاندان سے ان کی عقیدت ہے، یہ سب اہل ہند کی رائے ہے''۔ بھکاری خان نے نیا جال بننا شروع کیا۔

''آپ نے درست کہا، ٹھیک جانا۔ سید بادشاہ دوست کو کبھی دھوکہ نہیں دیتے اور دشمن کی گستاخی معاف نہیں فرماتے''۔ بابا خان ولی نے اسی پُروقار انداز میں کہا۔ ''اس کی مثال شاہنواز کی ذلت اور رسوائی ہے''۔

''ہمیں افسوس ہے کہ کشور پنجاب میں تغیرات کی وجہ سے ہم سید بادشاہ سے اپنی عقیدت کا ثبوت نہ دے سکے''۔ بھکاری خان بات کو اپنے مقصد کی طرف لے چلا۔

''ہماری دعا ہے خدائے بزرگ و برتر آپ کو اس عقیدت کے اظہار کا موقعہ اور توفیق عطا فرماوے''۔ بابا خان ولی نے دعا کی۔

''پنجاب میں شاہ قندھار کی حکومت اور مسلم ملت کے تحفظ کے لئے ہم حضور کی دعاؤں اور ہدایات کے بھی طلبگار ہیں''۔ بھکاری خان کے چہرے پر خوشی پھیل گئی۔

''مسلم ملت کی بہتری اور شاہ قندھار کی سلطنت کے لئے ہم سب کچھ کریں گے، دعا بھی اور دوا بھی''۔

''کشور پنجاب کی تغیر پذیر حالت سے ملت اور سلطنت کے لئے جو خطرات پیدا ہو رہے ہیں حضور اور بادشاہ معظم لازماً ان سے آگاہ ہیں۔ ہم ان کی اصلاح کے لئے حضور سے رہنمائی کی درخواست کی اجازت چاہتے ہیں''۔ بھکاری خان نے فکرمندی ظاہر کی۔

''ہم چاہیں گے کہ اس جمعرات کو محفل کے بعد آپ اس بارے میں ہمیں تفصیل سے بتائیں''۔ بابا خان ولی نے اس کی حوصلہ افزائی کی۔

بھکاری خان کا چہرہ اور بھی تمتما اٹھا اس کا یہ تیر بھی نشانے پر لگا تھا۔

مسجد کا سنگ بنیاد رکھا جا چکا تو اس نے بابا خان ولی اور ان کے خدام کو نذرانے پیش کر کے رخصت کیا۔

طہماس خان، خواجہ مرزا خان، بابا خان ولی اور مسجد آج اسے سب محاذوں پر توقع سے زیادہ کامیابی ہوئی تھی۔ شاہجہان آباد کے دربار کے بارے میں انہیں زیادہ فکر نہیں تھی۔ وہ وزیراعظم ہندوستان کو ترک امراء اور سالاروں کے ذریعے اپنے ساتھ ملانا کوئی زیادہ دشوار نہ سمجھتے تھے۔ انہیں سب سے زیادہ فکر کابل و قندھار کے بادشاہ کی تھی جن سے رابطہ کا کوئی وسیلہ پیدا نہیں ہو رہا تھا۔ اگر بابا خان ولی کے وسیلہ سے وہ احمد شاہ ابدالی کو

WWW.PAKSOCIETY.COM

حالات اور خطرات سے آگاہ کرسکیں تو اس کے شاہجہان آباد پر بھی اچھے اثرات ہوں گے اور ترک امراء اور سالار بھی کھل کر اس کا ساتھ دیں گے۔ اس نے حالات اور اپنی کارکردگی کا جائزہ لیا تو اس کی آنکھوں میں چمک آ گئی اور اپنے اوپر اعتماد اور بھی مستحکم ہونے لگا۔

اس شام خواجہ مرزا خان انہیں ترک سالاروں سے اپنے مذاکرات سے آگاہ کرنے آیا تو بھکاری خان نے اسے خوشخبری سنائی۔ ''ہماری خواہش ہے کہ جمعرات کو آپ ہمارے ساتھ رہیں اور بابا خان ولی کے حضور حاضر ہوں''۔

خواجہ مرزا خان نے سر تسلیم خم کرتے ہوئے کہا۔ ''حضور کے اعتماد کے بوجھ سے خادم کی گردن پہلے ہی بہت جھک چکی ہے''۔

*

سید صابر شاہ کی قبر پر فاتحہ پڑھنے والوں کا ہجوم تھا۔ نیم روشن کمرہ میں لوبان کی خوشبو اور مرادیں مانگنے والوں کی آہ و زاری کے درمیان اس نے دعا ختم کی تو ایسے محسوس کیا جیسے اس کا دم گھٹنے لگا ہے۔ اس کا دل چاہتا تھا وہ جلدی سے باہر کھلی ہوا میں نکل جائے اور تازہ ہوا سے نتھنوں میں جمع اگر بتیوں کی خوشبو دھو ڈالے مگر دل کی خواہش پر قابو کر کے وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا ایک کونے میں جا کر بیٹھ گیا اور جیب سے مروارید کی تسبیح نکال کر پڑھنے لگا مگر اس کے خیالات کا انتشار پھر بھی دور نہ ہوا وہ نگاہ اٹھا کر فاتحہ پڑھنے والوں اور سسکیاں بھرنے والوں کا جائزہ لیتا اور پھر سر جھکا کر اپنی خواہشات کو دھاگے میں پرونے کی کوشش شروع کر دیتا۔ لوگ ایک دروازے سے داخل ہوتے فاتحہ پڑھتے دعائیں مانگتے۔ ایک طرف کھڑا خادم انہیں باہر جانے کا اشارہ کر رہا تھا تا کہ دوسروں کے لئے جگہ بن جائے۔ وہ قبر کے گرد سے گھوم کر باہر نکل جاتے۔ اس نے فاتحہ پڑھنے اور مرادیں مانگنے والوں کی آوازوں پر کان لگا دیئے تا کہ جان سکے کہ وہ کیا مانگ رہے ہیں۔ ایک خادم نے آگے بڑھ کر اس کی طرف دیکھا تو وہ جلدی سے کھڑا ہو گیا اور خاموشی سے خادم کے پیچھے چلتا ہوا باہر نکل گیا۔ فاتحہ پڑھنے اور دعائیں مانگنے والوں میں سے کسی نے اس کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھا۔

بابا خان ولی کھردری چٹائی پر بیٹھے وظیفہ پڑھ رہے تھے اس نے آگے بڑھ کر نہایت عقیدت سے مصافحہ کیا اور سر جھکا کر ان کے سامنے کھڑا رہا۔ ''سید صابر شاہ کے حضور جس کسی نے اپنی خواہش پیش کی کبھی خالی ہاتھ نہیں گیا''۔ بابا خان ولی نے اسے سامنے کی چٹائی پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''خادم کی ایک ہی خواہش ہے، ملت کی فلاح اور نظم مملکت کی اصلاح۔ اس کے سوا سید بادشاہ سے کچھ مانگ نہ سکا''۔ اس نے جواب دیا۔

''ہماری دعا ہے خدا آپ کی یہ پاکیزہ خواہش پوری کرے''۔ بابا خان ولی نے اس کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''جس خواہش میں اپنی ذات اور لالچ کی ملاوٹ نہ ہو وہ ضرور پوری ہوتی ہے''۔

''ملت کی فلاح میں ہی سب کی فلاح ہے، خادم اس سے زیادہ کوئی خواہش نہیں رکھتا''۔ اس کے الفاظ میں اعتماد تھا۔

''ہم دیکھتے ہیں میر منو کی وفات کے بعد سے سید بادشاہ کے حضور حاضری دینے والوں کی دعاؤں میں دکھ بڑھ گیا ہے اور التجاؤں میں ذات اور لالچ کم ہو گئے ہیں''۔

''جس خاتون کے ہاتھ میں اس کشور کا نظم ہے اس کی طبیعت میں استقلال نہیں بغاوت ہے، اس کے پاس تجربہ نہیں ہے۔ اس کے مشیر مرد نہیں خواجہ سرا ہیں اور سید بادشاہ کے حضور حاضری دینے والے یہ سب کچھ دیکھ

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

رہے ہیں اور فکرمند ہیں''۔ اس نے بابا خان ولی کے سوال کا جواب تفصیل سے دیا۔

''جس خاتون کا اپنا سر ننگا ہو وہ ملت کے لئے اس تپش میں چھتری ثابت نہیں ہو سکتی۔ اہلِ فیصلہ و اختیار اس بات کو نہ جان سکے، ہمیں افسوس ہے''۔ بابا خان ولی نے مغلانی بیگم کو سند اختیار دینے پر ناراضگی کا اظہار کیا۔

''اہلِ پنجاب اور اہل لاہور کا اس فیصلے میں کوئی اختیار نہ تھا، وہ دوسروں کے اختیارات اور فیصلوں کی آگ میں جل رہے ہیں''۔ اس نے جواب دیا۔

''ہم نے اہل پنجاب کو اس خاتون سے نجات دلانے کا فیصلہ کر لیا ہے''۔ بابا خان ولی کی آنکھیں سرخ ہو گئیں۔ ''ہم ملت کا زوال اور نظم میں بگاڑ نہیں دیکھ سکتے۔ بادشاہ قندھار شاہجہان آباد کے فیصلوں کے پابند نہیں، کشور پنجاب ان کی سلطنت کا حصہ ہے، ہم انہیں اس خاتون کی سرکشی کچلنے کو کہیں گے''۔ وہ تسبیح کے دانے تیز تیز گرانے لگے۔

یہ حضور کا اہل پنجاب پر کرم ہوگا، ملک وملت پر کرم سمجھا جائے گا''۔ اس نے آگے بڑھ کر بابا خان ولی کے ہاتھ چومتے ہوئے کہا۔

''سید صابر شاہ نے جس ملت اور کشور کی بہتری کے لئے اپنی جان عزیز قربان کر دی۔ شاہ معظم اس میں بگاڑ برداشت نہیں کر سکتے۔ ضرورت ہوئی تو ہم خود سید بادشاہ کی تقلید کریں گے اور اس سرکش خاتون کے خلاف تلوار اٹھائیں گے''۔ بابا خان ولی طیش میں آ گئے۔

''حضور کے اس جاں نثار کی موجودگی میں حضور کو تلوار اٹھانے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ اس کے لئے بادشاہ کابل و قندھار کا ایک اشارہ ہی کافی ہوگا اور بادشاہ سلامت آپ کی فرمائش ٹال نہیں سکیں گے''۔ اس نے التجا کی۔

''آپ جو چاہتے ہیں مراسلہ میں لکھ دیں ہم اپنی سفارش کے ساتھ مراسلہ قندھار بھجوا دیں گے۔ تیز رفتار سواروں کا انتظام آپ کو کرنا ہوگا''۔ بابا خان ولی نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

''حضور کے ارشاد کی تعمیل خادم پر فرض ہے، کل رات تک تحریری عرض داشت حضور کی خدمت میں پیش کر دی جائے گی۔ اس کے ساتھ دربار لاہور کے ان امراء کی فہرست بھی ہوگی جو کابل و قندھار سے وفاداری کا اظہار کرنا چاہتے ہیں''۔ اس نے اجازت چاہی۔

''ایسی فہرست مفید رہے گی۔ جمعہ کے دن ہم چلہ کریں گے اور ہفتہ کے دن روزہ سے ہوں گے۔ اس کے بعد بلا اجازت حاضری ہو سکے گی۔ احتیاط لازم ہے اور تم بادشاہ معظم سے درخواست گزار ہو گے، اس فقیر سے نہیں''۔

''حضور بادشاہوں کو حکم جاری کرنے والے ہیں۔ آپ کے کرم سے اس قوم اور کشور کی تقدیر بدل جائے گی''۔

''اب آپ تشریف لے جائیں، ہمارے کام میں حرج ہو رہا ہے''۔ بابا خان ولی نے آنکھیں بند کرتے ہوئے کہا تو اس نے ان کے پاؤں کو ہاتھ لگایا اور ہاتھ چوم کر الٹے قدموں حجرے سے باہر نکل آیا۔

سید صابر شاہ کے مزار سے باہر نکل کر اپنی سواری پر بیٹھا تو اسے محسوس ہوا، وہ ہوا میں اڑ رہا ہے۔ قلعہ کے پاس سے گزرتے ہوئے اس نے اپنے گھوڑے کی باگیں کھینچ لیں اور کافی دیر تک کھڑا فصیل کی طرف دیکھتا رہا۔ اس نے محسوس کیا کہ شاہی قلعہ کی فصیل کی بلندی بہت کم ہو گئی ہے، آسمان پر بادل چھا رہے تھے، ہلکی ہلکی پھوار پڑنا شروع ہو گئی تھی۔ اس کے محافظ دستہ کے کماندار نے ذرا فاصلے سے دیکھا تو اسے شبہ ہوا جیسے بھکاری خان قلعہ پر حملہ کا منصوبہ بنا رہا ہو اور فصیل کی بلندی اور مضبوطی کا جائزہ لے رہا ہو مگر اس نے فوراً ہی یہ شبہ جھٹک دیا۔ ::

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

خلوص دل سے بھکاری خان کے جسم اور ارادوں کا محافظ تھا۔

*

ملاحوں کی بستی اندھیرے کی چادر میں چھپی سو رہی تھی کہ فقیر کی آواز بلند ہوئی۔ ''آدھی روٹی کا سوال ہے بابا''۔

''اتنی رات گئے بارش میں تم آدھی روٹی مانگتے پھر رہے ہو، شام سے بھنگ پی کر پڑے تھے اب ہوش آیا تمہیں آدھی روٹی مانگنے کا''۔ بوڑھے ملاح نے جھونپڑی سے سر نکال کر فقیر کو ڈانٹا۔

فقیر نے اس کی ڈانٹ پر کوئی توجہ نہیں دی اور ''آدھی روٹی کا سوال ہے بابا'' کی آواز لگاتا آگے بڑھتا گیا۔ اگلی جھونپڑی کے پاس سویا کتا جاگ اٹھا اور بھونکنا شروع کر دیا۔ کتے کی آواز سن کر اندر سے ایک نوجوان باہر آیا اور کتے کو پچکارتے ہوئے فقیر کو آواز دی۔ ''جلدی سے نکل جاؤ ورنہ کتا تمہیں پورا چیر پھاڑ دے گا''۔

فقیر نے اس کی تنبیہ پر بھی کوئی دھیان نہیں دیا۔ ''آدھی روٹی کا سوال ہے بابا'' وہ مسلسل آواز لگا رہا تھا۔

کالو اپنی جھونپڑی میں چارپائی پر لیٹا بچوں کو دریائے راوی کی کہانی سنا رہا تھا کہ پہاڑوں کی دیوی نے اسے کیوں اپنی بادشاہت سے نکال دیا تھا اور لاہور کے پاس راوی کی ملاحوں کے بزرگ سے کیسے دوستی ہوئی تھی اور راوی نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ ''وہ جب تک بہتا رہے گا اس کی آل اولاد کی روزی روٹی کا ذمہ دار ہوگا'' وہ یہیں تک پہنچا تھا کہ اس کے کان میں فقیر کی آواز پڑی ''آدھی روٹی کا سوال ہے بابا''۔

وہ جلدی سے اٹھا اور جھونپڑی سے نکل کر آواز دی۔ ''بابا سائیں آدھی روٹی لے جاؤ''۔

اس کی بیوی جھونپڑی کے اندر سے چلائی۔ ''روٹی کس ماں سے لے کر دو گے اتنی رات گئے، اس بے وقتے فقیر کو''۔

کالو نے بیوی کی گالی پر کوئی دھیان نہیں دیا۔ ''اچھا نہ سہی میں اسے بستی سے تو نکال دوں روٹی مانگتا مانگتا کتوں کی خوراک ہی نہ بن جائے''۔

تھوڑی دیر بعد واپس آ کر اس نے بیوی کو ڈانٹا اور بتایا کہ فقیر کوئی بہت پہنچا ہوا بزرگ ہے اور اسی وقت راوی کے دوسرے کنارے جانا چاہتا ہے جہاں وہ خواجہ خضر سے ملاقات کرے گا۔ وہ جلدی جلدی کپڑے بدلنے لگا اور بیوی کو خبردار کیا کہ وہ کسی سے اس ملاقات کی بات نہ کرے ورنہ خواجہ خضر ناراض ہو جائیں گے اور اس کے اور اس کی آل اولاد کے لئے راوی میں کشتی چلانا ممکن نہیں رہے گا۔ اس کی بیوی غصہ بھول کر سہم گئی اور بچے کو سینے سے لپٹاتے ہوئے کہا۔ ''آپ میری طرف سے بابا جی سے معافی مانگنا اور یہ دو روٹیاں میں نے بچوں کے لئے بچا کر رکھی تھیں ایک فقیر بابا کو دے دینا اور دوسری خواجہ خضر کے لئے بھیج دینا اور کہنا ہم غریب ملاح ہیں گھر میں اس وقت یہی دو روٹیاں تھیں''۔

کالو نے جلدی سے روٹیاں پکڑیں اور باہر نکل گیا۔ ''کسی سے بات نہ کرنا میں نے پہلے بھی تمہیں خبردار کیا ہے خواجہ خضر دریاؤں کے بادشاہ ہیں تمہیں تمہارے باپ نے بتایا ہوگا''۔

اس کی بیوی نے بچے کو سینے سے لپٹا کر آنکھیں بند کر لیں جیسے دریاؤں اور ملاحوں کی سلامتی کی دعا کر رہی ہو۔

بارش اور بھی تیز ہو گئی تھی سرد ہوا اور سیاہ رات میں راوی کی لہروں کے اتار چڑھاؤ کا اندازہ صرف کشتی کے ڈولنے سے ہو سکتا تھا کالو کے توانا بازو پانی کا سینہ چیرتی کشتی کو کامران کی بارہ دری کی طرف لے جا رہے تھے۔ فقیر گم صم بیٹھا تھا جیسے وظیفہ پڑھ رہا ہو۔ چھوٹے پانی میں

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

پہنچ کر کالو کشتی سے اتر گیا اور اس سے بندھا رسا پکڑ کر کنارے کی طرف کھینچنے لگا۔ کشتی زمین پر لگی تو اس نے فقیر کو سہارا دے کر اتارا اور خشک کنارے تک پہنچا دیا۔ فقیر نے اسے تھپکی دی۔ ”جب تک ہم واپس آئیں کشتی سے باہر نکل آنا“۔

فقیر باغ میں گم ہو چکا تو کالو کشتی کا رسا کھول کر ٹھنڈی سیلی زمین پر بیٹھ گیا اور کشتی مضبوط جھاڑی سے باندھنے لگا۔ پوہ ماگھ کی جھڑی میں بادل گرجتے ہیں نہ بجلی زیادہ چمکتی ہے بس بار ہوتی رہتی اور سردی بڑھتی جاتی ہے۔ اس نے بزرگوں سے سن رکھا تھا کہ جمعرات کی جھڑی پورا ہفتہ جاری رہتی ہے تو گویا مجھے پورے سات روز جھونپڑی میں گزارنا پڑیں گے؟ وہ سوچنے لگا۔ ہو سکتا ہے فقیر کوئی اور ڈیوٹی لگا دے اور سردی میں ذلیل و خوار ہونا پڑے تیز ہوا کے جھونکے سے راوی میں ذرا بھاری لہر اٹھ کر کشتی سے ٹکرائی تو اس کے ہاتھ میں پکڑے رسے پر دباؤ بڑھ گیا جیسے کسی مچھیرے کی کنڈی سے کوئی بھاری مچھلی لگ گئی ہو اور جان چھڑانے کے لئے کنڈی کھینچ رہی ہو اس نے پوری قوت سے کشتی کو اپنی طرف کھینچا پاؤں اکھڑنے لگے تو جھاڑی کو تھام لیا تا کہ پاؤں نیچے کی مٹی میں جمے رہیں لہریں اور بھی تیز ہونے لگیں۔ کالو نے کشتی کے رسے کا سرا مزید مضبوطی سے باندھ دیا اور کپڑا اوڑھ کر لہروں پر ڈولتی کشتی میں لیٹ کر راوی سے آگے قلعہ کی فصیل ڈھونڈنے لگا۔ چاروں طرف سیاہی کے پہاڑ اگ آئے تھے، ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا تھا، بارش کا پانی اس کی ترپال کی چادر سے پھسل پھسل کر کشتی میں گر گر کر ترنم پیدا کرنے لگا۔

لہروں کا گیت اور ترپال سے بارش کے پانی کے ملاپ کا نغمہ دریا کے کنارے اگی کائی جھاڑیوں اور سرکنڈوں میں سے گزرتی ہوا کا شور اس نے بہت اندھیری راتیں دیکھی تھیں مگر آج کا لمحہ اس کے لئے سب سے مشکل تھا۔ کشتی نہ چھوڑنے کی پابندی نہ ہوتی تو وہ کسی گھنی جھاڑی میں کھوہ بنا کر ترپال تان کر آرام سے بیٹھ جاتا۔ بارش ہوتی رہی وہ کشتی میں لیٹا شاہی قلعہ کی فصیل تلاش کرتا رہا۔ کافی دیر بعد قدموں کی آواز سن کر وہ تیزی سے کشتی سے نکل کر جھاڑی سے بندھا رسا کھولنے لگا۔ آوازیں اور بھی قریب آئیں تو اس نے اندازہ کیا کہ اب اسے ایک کی بجائے تین سواریاں کھینچنا پڑیں گی لیکن اسے اس کی فکر نہیں تھی۔ اس کے بازوؤں میں اتنی طاقت تھی کہ اس چڑھاؤ میں بھی دس افراد کو دریا کے اس پار لے جائے۔

*

سید صابر شاہ کے مزار کے اندر کا دیا بھی بجھ چکا تھا، خدام اپنے اپنے حجروں میں گہری نیند سو رہے تھے جب بابا خان ولی کے حجرے کے سامنے ”جئے بادشاہوں کا بادشاہ سید صابر شاہ“ کی آوازیں بلند ہوئیں۔ اس نے جلدی سے اٹھ کر دروازہ کھول دیا جیسے وہ اسی آواز کے انتظار میں بیٹھا تھا۔ شمعدان کی روشنی تیز کر کے اس نے آنے والوں کا جائزہ لیا اور ہلکی سی مسکراہٹ جو نیم روشنی میں کسی کو نظر نہیں آئی، لبوں پر پھیلا کر کہا۔ ”ہم نے آپ کو بہت زحمت دی مگر معاملہ ہی کچھ اہم تھا“۔

”کوئی زحمت نہیں، آپ کا حکم تھا ہم حاضر ہو گئے“۔ آنے والوں میں سے ایک نے کہا۔

”آپ جدی سے کپڑے تبدیل کر لیں، ایک جوڑا سرفراز کو پہنچا دیں، ایک ہمارے لئے نکال کر ادھر چھپا دیں ہم خادم کو بلاتے ہیں، وہ آپ کے لئے کچھ لائے“۔ بابا خان ولی نے کہا۔

”کچھ لانے کی ضرورت نہیں، ہمارا انتظار ہو رہا ہے“۔ فقیر نے جواب دیا۔

”پھر بھی خادم کو بلانا ضروری ہے۔ چندو ل یہاں رہے گا، اسے ہدایات دینا ہوں گی“۔ بابا خان ولی یہ کہہ

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

کر باہر نکل گیا۔

فقیر نے اپنی زنبیل سے کپڑے نکال کر رکھ دیئے تو اس کے ساتھی جلدی جلدی کپڑے تبدیل کرنے لگے۔

''یہ ہمارے مہمان ابھی سید بادشاہ کے مزار پر حاضری دیں گے اور رات ہمارے ساتھ عبادت کریں گے۔ جب تک ہم نہ بلائیں کل جمعہ کی نماز تک کوئی ادھر نہیں آئے گا۔ اب تم جاؤ اور جلدی سے جو حاضر ہے کھانے کے لئے لے آؤ۔ دروازے کے سامنے رکھ کر بلند آواز میں تین دفعہ کلمہ شریف پڑھنا اور واپس اپنے حجرے میں چلے جانا، ہم خود اٹھالیں گے''۔ بابا خان ولی نے خادم کو ہدایت دے کر رخصت کر دیا اور دروازہ بند کر لیا۔

*

نادر بیگ قلعہ کی فصیل پر پہرہ چیک کرتا ہوا ڈیوڑھی تک آیا اور کمان کا معائنہ کر کے اپنے محافظ دستہ کو رخصت کر دیا۔ وہ ڈیوڑھی سے نکل کر اپنے گھر کی طرف جانے کی بجائے فصیل کے ساتھ ساتھ چلتا ہوا شیش محل تک پہنچا تھا کہ باہر سے آواز آئی۔ رام'' والے رام کہو، رب والے رب کہو''۔ وہ واپس مڑا اور ڈیوڑھی سے پہریدار کو ساتھ لے کر قلعہ سے باہر نکل گیا فصیل کے زیر سایہ تین جوگی آنکھیں بند کئے بیٹھے بارش میں بھیگ رہے تھے۔

''آپ اتنی اندھیری رات میں یہاں کیا کر رہے ہیں؟'' نادر بیگ نے کڑک دار آواز میں پوچھا۔

''جاؤ میاں اپنا راستہ لو، تم اتنی اندھیری رات میں کہاں سے آ گئے، ہم سے پوچھنے والے''۔ ایک جوگی نے اس کی طرف دیکھے بغیر جواب دیا۔

''ہم قلعہ کے محافظ ہیں اور کسی کو یہاں بیٹھنے کی اجازت نہیں دے سکتے''۔ نادر بیگ نے سختی سے کہا۔

''ہر چیز کا محافظ رب ہے اگر کوئی بندہ قلعہ کی حفاظت کر سکتا تو آج یہ اسی کے خاندان کے پاس ہوتا جس نے یہ بنوایا تھا۔ خدا کی زمین پر ہمیں کسی کی اجازت کی ضرورت نہیں''۔ جوگی نے بے نیازی سے جواب دیا۔

''آپ بارش میں بھیگ رہے ہیں میرے ساتھ چلیں میں قلعہ کے اندر آپ کے لئے رات بسر کرنے کا انتظا کرا دیتا ہوں''۔

''چلیں دیکھ لیں، یہ بھی تماشہ تمہارے قلعہ کی دیواریں ہمیں بند نہ کر سکیں گی''۔ جوگی نے اپنے ساتھیوں کو اٹھنے کا اشارہ کیا۔

''خدا نہ کرے ہماری ایسی خواہش ہو، ہم تو چاہتے ہیں آج کی رات ہمیں خدمت کا موقع عنایت فرما دیں''۔ نادر بیگ کا رویہ بدل گیا۔

جوگی اس کے پیچھے چل دیئے ڈیوڑھی میں پہنچ کر نادر بیگ نے پہریدار کو وہیں چھوڑ دیا۔

''جوگی آج ہمارے مہمان ہوں گے''۔ اس نے پہریداروں کو بتایا۔

''ہم چند گھنٹے سے زیادہ کسی کے مہمان نہیں رہا کرتے۔ اذان سے پہلے ہمیں اپنی ڈیوٹی پر پہنچنا ہے''۔ جوگی نے اس کے ساتھ چلنے سے پہلے پہریداروں کو سنا کر کہا۔

''اذان سے پہلے جوگی بابا آئیں تو دروازہ کھول دیا جائے''۔ نادر بیگ نے ڈیوڑھی کے کماندار سے کہا اور جوگیوں کو لے کر اندھیرے کے سمندر میں اتر گیا۔

تھوڑا آگے جا کر وہ پھر گھوما اور شیش محل کی بیرونی دیوار کے ساتھ ساتھ چلنے لگا بارش تھم چکی تھی مگر ہوا اب بھی بہت سرد تھی۔ پہریدار اپنے اپنے برج میں بیٹھے ٹھٹھر رہے تھے، وہ اطمینان سے چلتے رہے۔ ایک جگہ پہنچ کر نادر بیگ نے ایک کھڑکی پر چوٹ لگائی تو کھڑکی کھل گئی۔

''آپ کی بے وقت آمد کی پہچان'' اندر سے آواز آئی۔

''ساتواں جاں نثار''۔ نادر بیگ نے جواب دیا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

بیرونی سمت کا چھوٹا سا دروازہ کھل گیا۔ اندر موجود مشعل بردار ایک راہداری میں سے ہو کر سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ نادر بیگ اور جوگی اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگے۔ سیڑھیاں ایک چھوٹے سے کمرہ میں کھل گئیں جس کے مشرقی سمت میں ایک اور دروازہ تھا اس نے دروازے پر ہلکی سی دستک دی تو وہ دروازہ بھی کھل گیا۔ مشعل بردار الٹے قدموں واپس لوٹ گیا نادر بیگ اور تینوں جوگی اس دروازہ سے اندر داخل ہو گئے۔ قالینوں اور تکیوں سے آراستہ فرش والے کمرے کے ایک طرف چبوترہ بنا تھا جس پر قیمتی قالین اور ریشمی گاؤ تکیئے لگے تھے۔ شمعدان کی مدھم روشنی میں کمرہ طلسماتی کہانیوں کی ملکہ کی خواب گاہ معلوم ہوتا تھا وہ ابھی اس ماحول سے آشنائی کی کوشش کر رہے تھے کہ مغلانی بیگم دوسرے دروازے سے اندر داخل ہوئی اور پُر وقار انداز میں چلتی ہوئی نشست پر جا کر بیٹھ گئی۔ نادر بیگ اور جوگی آداب بجا لانے کے لئے کھڑے ہو گئے۔ بیگم نے انہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا تو وہ چاروں ان کے سامنے قالین پر بیٹھ گئے۔

''اس سرد رات میں اس جگہ موجودگی آپ کی فرض سے خلوص کی دلیل ہے ہمیں مسرت ہوئی''۔ مغلانی بیگم جوگیوں سے مخاطب ہوئیں۔

''یہ حضور کی بندہ نوازی ہے۔ حضور نے نہیں ہمیں ہمارے فرض نے مجبور کیا ہے''۔ ایک جوگی نے دست بستہ جواب دیا۔

''بابا خان ولی کے ساتھی کی کیا رپورٹ ہے؟'' مغلانی بیگم نے پوچھا۔

''کیسری مل خود رپورٹ پیش کرے گا''۔ اسی جوگی نے ہاتھ جوڑ کر عرض کیا۔

''ہمیں خوشی ہے کہ کیسری مل آنکھیں اور کان کھلے رکھتے ہیں اور ہر معمولی بات کی بھی خبر دیتے ہیں لیکن آج جس بات کی ہم اطلاع چاہتے ہیں وہ معمولی نہیں اس کا تعلق مملکت سے ہے اور ہم سب کے حال اور مستقبل سے ہے۔ نواب معین الملک مرحوم کے سب جاں نثاروں سے تعلق ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ کیسری مل ہمیں مایوس نہیں کریں گے''۔ مغلانی بیگم نے دوسرے جوگی کو مخاطب کیا۔

جوگی نے کھڑے ہو کر دست بستہ بات شروع کی۔ ''حضور کے اس خادم نے ایمن آباد سے چندو مل کو بلا کر پوچھا ہے وہ اس وقت سید صابر شاہ کے مزار پر موجود ہے۔ شاہدرہ، شرقپور اور شکارگاہوں میں جوگیوں سے خبریں اکٹھی کی ہیں۔ ان کی اطلاع کے مطابق خواجہ مرزا خان دریا کے اس پار مغل اور ترک دستوں سے رابطہ کر رہے ہیں۔ چند روز پہلے وہ شکار کے لئے محمود بوٹی سے آگے بیلے میں داخل ہوئے اور وہاں شاہدرہ کے دستہ کے سربراہ سے ملاقات کی۔ اگلے روز شاہدرہ کے دستہ کے سربراہ دریا کے مغربی جنگل میں شکار کے بہانے گئے اور وہاں ایمن آباد کے دستہ کے سربراہ کے ایک قابل اعتماد ساتھی سے ملے۔ ان ملاقاتوں میں بات کیا ہوئی غلام جاننے سے قاصر رہا''۔

''بھکاری خان نے خود بھی کبھی کسی سردار سے ملاقات کی ہے؟'' مغلانی بیگم نے سیدھا سوال کیا۔

''ہمارے کسی جوگی نے اس کی تصدیق نہیں کی''۔ جوگی نے جواب دیا۔

''بابا خان ولی کی کیا اطلاع ہے؟''

''اس غلام کی اطلاع کے مطابق بھکاری خان گزشتہ دو ہفتوں کے دوران شکار کے لئے کہیں نہیں گئے البتہ پٹی میں متعین فوج کے کماندار کے رکھ بھسین تک شکار کھیلنے کی خبر ہے۔ وہ پہلے کبھی ادھر نہیں آیا، اس کا سبب کیا ہوا غلام کچھ کہہ نہیں سکتا''۔

''آپ کے ساتھ بھکاری خان کی ملاقاتوں میں کیا طے پایا؟''

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

''حضور کے اس غلام نے ان سے حضور کے خلاف تلوار اٹھانے اور بادشاہ کابل و قندھار سے انہیں حاکم پنجاب بنانے میں مدد دینے کی سفارش کا وعدہ کرلیا ہے''۔ پہلے جوگی نے دست بستہ عرض کیا۔

''اس منصوبہ پر عمل کا طریق کار طے ہوگیا ہے؟''

''ہم دو روز تک چلہ کشی اور روزہ کی وجہ سے انہیں مل نہیں سکیں گے۔ اس دوران وہ احمد شاہ ابدالی کے نام تفصیلی عرض داشت اور اپنے حامی امراء کی فہرست تیار کریں گے اور پھر ہماری سفارش کے ساتھ ایک تیز رفتار سوار یہ عرضداشت قندھار لے کر جائے گا''۔

''بہت خوب، آپ سے ہمیں یہی امید تھی۔ ہم اس کارکردگی کا ضرور بدلہ دیں گے''۔ مغلانی بیگم خوش ہو گئیں۔

''یہ آپ کی بندہ نوازی ہے، غلام نے اپنا فرض ادا کیا ہے''۔

''ہمیں امید ہے کہ آپ اس طرح اپنا فرض ادا کریں گے کہ بھکاری خان کا سارا منصوبہ ہمارے ہاتھ آ جائے''۔ مغلانی بیگم نے جوگی کو اس کا اگلا کام بتا دیا۔

''غلام امید کرتا ہے کہ سید صابر شاہ کے تعاون سے یہ مرحلہ بھی کامیابی سے طے ہو جائے گا''۔ جوگی نے یقین دلایا۔

مغلانی بیگم نے تالی بجائی تو میاں خوش فہم اندر آیا اور ان کے قدموں میں ایک طشتری رکھ کر آداب بجالا کر الٹے قدموں چلتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔ بیگم نے طشتری پر پڑا ریشمی رومال اٹھایا ہر جوگی کو پچاس پچاس اشرفیوں کی تھیلی دی اور ''سرفراز خاں تم سے کب ملاقات ہو سکتی ہے''۔ پوچھ کر کھڑی ہو گئی۔

تینوں جوگی اور نادر بیگ سر جھکا کر کھڑے ہو گئے۔ ''حضور! جمعہ کی نماز تک غلام کی ڈیوٹی بابا خان ولی کے حجرے میں ہے''۔ تیسرے جوگی نے عرض کیا۔

''کل مغرب کے بعد آپ ہمیں مطلوب ہیں''۔ مغلانی بیگم نے کہا اور کمرے سے باہر نکل گئی۔

*

رات کا سفر ختم ہونے والا تھا لیکن مغلانی بیگم کا کام ابھی ختم نہیں ہو سکتا تھا۔ شیش محل کے ایک اور کمرے میں وہ نائب صوبیدار پنجاب مومن خاں کے ساتھ احمد شاہ ابدالی کے پاس سند حکمرانی کے حصول کی عرضداشت بھیجنے کے انتظامات پر تبادلہ خیال کر رہی تھیں۔ مومن خاں نے عرضداشت پڑھ کر سنائی تو مغلانی بیگم نے اس پر اپنی مہر ثبت کر کے دستخط کیے اور عرضداشت لفافہ میں بند کر کے اپنے سامنے اس پر مہر لگوا کر لفافہ ریشمی غلاف میں بند کروایا۔

''دو وفد دو مختلف راستوں سے روانہ ہوں گے۔ حاکم پشاور جہان خان کا کیمپ حسن ابدال میں ہے۔ دونوں وفد جہان خان کی مملکت میں پہنچ کر اکٹھے ہوں گے اور مل کر عرضداشت اسے پیش کریں گے۔ آگے بادشاہ کے حضور قندھار بھجوانا اس کی ذمہ داری ہے۔ اس کے علاقہ میں خطرے کی کوئی بات نہیں، آپ کو اپنے علاقہ سے وفود کے بحفاظت نکل جانے کا انتظام کرنا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ کے اور ارکان وفد کے علاوہ کسی کو علم نہ ہو کہ ہم نے احمد شاہ ابدالی کے حضور کوئی سفارت بھیجی ہے۔ ہم نے ملک سجاول کو بلوایا ہے۔ لفافہ اس کے پاس ہوگا۔ ہم نے ہدایت کی ہے کہ ہفتہ کی صبح وفد ملک پور سے روانہ ہو کر مشرق کی طرف جائے گا اور ادھر سے اوپر جا کر راوی عبور کر کے پنڈ دادن خاں کی طرف مڑ جائے گا۔ وہاں سے حسن ابدال کی راہ لے گا اس کے ساتھ اس کے اپنے قبیلہ کے نوجوان ہوں گے۔ وہ گھوڑوں کے بیوپاریوں کے روپ میں سفر کریں گے۔ اصل سفارت کی قیادت نواب عبداللہ خاں کریں گے۔ وہ لاہور سے ملتان کی طرف روانہ ہوں گے اور راستہ بدل کر

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

داستان ایک عامل کی

شیطان اپنی پوری قوت سے مجھ پر سوار ہو چکا تھا کہ اچانک زوردار دھماکے سے دروازہ کھلا کوئی شخص تیزی سے اندر آ کر میری طرف بڑھ رہا تھا۔

قسط: 7 ---------------- 0314-4652230, 0303-9801291 ------------ محمد افضل رحمانی

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

میں ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ اسے میرا کیسے پتہ چل گیا ہے کہ میرے کان میں رکھے کی آواز آئی۔ نذیر کھڑے ہو جاؤ۔ رکھے کی آواز نے مجھے کافی حوصلہ دیا، میں اٹھ کھڑا ہوا، رکھا اس شخص کے قریب گیا اور تحکم سے کہنے لگا۔ تمہیں اس کے ساتھ ایسا کرنے کی اجازت کس نے دی؟

"دیکھ رکھے بنو کے بھائی ابھی زندہ ہیں"۔ اس نے کہا۔ "میں چاہوں تو تمہیں پکڑوا سکتا ہوں، وہ تمہاری تکہ بوٹی کر دیں گے۔ تُو ان کی بہن کا قاتل ہے اور اگر وہ تمہیں قتل نہ بھی کریں تو میں تمہیں حوالہ پولیس کر سکتا ہوں۔ تم قتل کے کیس میں پولیس کو پہلے ہی مطلوب ہو اور تم پر جعلی کرنسی بنانے کا کیس بھی بن سکتا ہے"۔

"دیکھ بھائی! تُو بالکل جھوٹ بول رہا ہے"۔ رکھے نے گھبرائے بغیر کہا۔ "رکھے کو بنو کے بھائیوں نے کئی سال پہلے قتل کر دیا تھا، تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ میں رکھا ہی ہوں"۔

"یہ چالاکی میرے ساتھ نہیں چلے گی"۔ اس نے جواباً کہا۔ "ہندو جوگی کے ساتھ مل کر تُو نے کتنے معصوم بچوں کو اغوا کیا اور پھر انہیں قتل کر کے اُن کے خون کی بھینٹ دیوی دیوتا کے چرنوں میں چڑھاتا رہا۔ ہندو جوگی اور نذیر سے بے حیائی کراتے ہوئے تمہیں شرم نہیں آئی تھی۔ لوگوں کو اولیائی کا دھوکہ دے کر در پردہ بے حیائی کو وطیرہ بنا رکھا ہے"۔

رکھا اس کی باتوں سے ہکا بکا رہ گیا، اس کے چہرے پر ایک رنگ آ رہا تھا اور دوسرا جا رہا تھا۔ پھر اسے یک دم کوئی خیال آیا اس نے منہ میں کچھ بڑبڑانا شروع کر دیا۔ لوگ دور کھڑے ان دونوں کو دلچسپی اور خوف کے ملے جلے انداز سے دیکھ رہے تھے کہ اچانک قبرستان کے احاطے میں ایک سفید رنگ کا بہت بڑا اژدھا تیزی سے داخل ہوا اور پھن پھیلا کر لوگوں پر حملہ آور ہو گیا۔ لوگ بھاگ نکلے بعض لوگ افراتفری کے عالم میں ایک دوسرے پر گرتے پڑتے زخمی بھی ہو گئے۔ چند منٹ بعد قبرستان میں کوئی متنفس باقی نہیں رہا تھا لیکن وہ آدمی بدستور وہیں کھڑا لاپروائی سے اژدھے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ پھر کہنے لگا رکھے اس بلا کو واپس بھیج دے تُو اس طرح مجھے خوفزدہ نہیں کر سکتا۔ ٹھیک ہے رکھے نے شکست خوردہ لہجے میں کہا۔ اژدھے کے چلے جانے کے بعد آہستہ آہستہ لوگ دوبارہ جمع ہونا شروع ہو گئے۔ اس شخص نے رکھے کی طرف ہاتھ بڑھا کر کہا رکھے ہاتھ بڑھا آج کے بعد تُو میرا دوست ہے۔ رکھے نے گرم جوشی سے اس کے ساتھ ہاتھ ملایا۔ لوگ چہ میگوئیاں کر رہے تھے۔ بھلا موتیوں والی سرکار کا بھی کوئی مقابلہ کر سکتا ہے۔ اس واقعے نے رکھے کے تقدس میں اور اضافہ کر دیا۔

قرۃ العین کا راز

اس شخص نے جس کا نام اکرام تھا اور ابھی بھرپور جوان تھا، لوگوں کو آواز دے کر کہا۔ عینی مر چکی ہے۔ کچھ آدمی آگے آئیں اور اسے قبر میں رکھ کر مٹی ڈال دیں لیکن ڈر اور خوف کے مارے کوئی شخص بھی تیار نہ ہوا۔ آخر وہ خود قبر میں اترا اور مجھے کہنے لگا۔ نذیر ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں، لاش کے ٹکڑے مجھے پکڑاؤ۔ میں نے ڈرتے ڈرتے ناک پر کپڑا رکھ کر لاش کے ٹکڑے اسے پکڑائے اور اس نے اسامی میں رکھ کر اسامی بند کی اور باہر نکل آیا اور پھر لوگوں سے کہنے لگا۔ بھئی اب مٹی تو ڈال دو۔ چنانچہ کچھ لوگ اوزار لے کر آ گئے اور قبر ہموار کر دی۔

اکرام ہمارے ساتھ خانقاہ پر آ گیا۔ ہم نے اس کو خوب تواضع کی، ہمارے پاس نہ پیسے کی کمی تھی نہ خوراک کی۔ رات کو اس نے عینی کے بارے میں بتایا کہ عینی سید سعادت علی کی سگی بیٹی نہیں تھی بلکہ اس کے استاد نے ایک

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

دودھ پیتے بچے کو اغوا کر کے لانے کو کہا تھا کہ غلطی سے یہ لڑکی سعادت کے ہاتھ لگ گئی۔ وہ سندھ کے کسی علاقے میں رات کے وقت ماں کے پاس سوئی ہوئی عینی کو لے کر بھاگ آیا لیکن راستے میں ہی اسے پتہ چل گیا کہ یہ لڑکا نہیں بلکہ لڑکی ہے۔ اب وہ واپس نہیں جا سکتا تھا کیونکہ اس کے پکڑے جانے کا امکان تھا اور بچی کو یوں بھی نہیں چھوڑا جا سکتا تھا کہ کہیں کوئی جنگلی درندہ اسے چیر پھاڑ نہ جائے۔ چنانچہ وہ استاد کے پاس لے آیا، اسے دودھ وغیرہ پلا کر مناسب مقدار میں افیون کھلائی گئی تو عینی بڑے آرام سے سوگئی۔

پھر وہ اس علاقے سے نکل آئے اور اس گاؤں میں رہنا شروع کیا۔ حقیقت یہ تھی کہ سعادت علی خاندان سادات سے تعلق نہیں رکھتا تھا بلکہ ایک موچی کا بیٹا تھا لیکن اس نے اپنے آپ کو سیّد زادہ ظاہر کیا اور یہ مشہور کر دیا کہ بچی کی پیدائش کے بعد اس کی والدہ فوت ہو گئی ہے۔ اپنے استاد سے اس نے کئی سفلی علوم سیکھے۔ وہ دودھ پیتے بچوں کو اغوا کر کے لاتا اور پھر انہیں درخت سے لٹکا کر ان کا خون کسی برتن میں نکالتے اور مختلف سفلی علوم کے چلّے وغیرہ کرتے۔ جب اس نے کچھ شعبدے وغیرہ سیکھ لئے تو پیری مریدی کرنے لگا جلد ہی مشہور ہو گیا۔

انتظامیہ سے گزارش

یاد رہے کہ جادوگر مختلف چلّوں میں دودھ پیتے بچوں کے خون کو استعمال کرتے ہیں اگر کسی علاقے میں کوئی ایسی واردات ہو جائے تو انتظامیہ کو یہ چیز بھی ذہن نشین رکھنی چاہئے اور نام نہاد جعلی پیروں اور خبیث جادوگروں پر بھی نظر رکھی جائے۔ سعادت علی اور رکھا ایسے کئی واقعات میں ملوث تھے اور نذیر نے بھی دو بچوں کو اغوا کیا تھا۔ ہندو جوگی دیوی دیوتاؤں کے سامنے قربانی کے طور پر معصوم بچوں کو بھینٹ چڑھایا کرتا تھا جو رکھا اغوا کر کے لاتا تھا اور یہ انتہائی افسوسناک اور دل دوز حرکتیں جادوگروں کا معمول ہے۔ جعلی پیر بھی اپنے کسی خاص مقصد کے لئے بچوں کے خون کی فرمائش کرتے ہیں جو جاہل اور سنگ دل مرید یا حاجت مند مہیا کرتے ہیں۔

یوں تو بے شمار واقعات سننے اور پڑھنے کو ملتے ہیں۔ طوالت سے بچنے کے لئے چند واقعات ملاحظہ فرمائیں۔

☆ مری: جعلی پیر کے کہنے پر سفاک شخص نے دو کمسن بھتیجوں کو گلے کاٹ کر مار ڈالا۔ تیسرا زخمی ندیم مالی حالت بہتر کرنا چاہتا تھا 11 سالہ مہر علی، چار سالہ قادر علی اور زین کو سیر کے بہانے ہری پور سے مری لایا نشہ کھلا کر بے ہوش کر دیا زین نے گلا کٹنے پر شور مچا دیا لوگ اکٹھے، ملزم فرار، وزیراعلیٰ نے گرفتاری کا حکم دے دیا۔

(''نوائے وقت'' 15 اپریل 2014ء پہلا صفحہ)

☆ شیخوپورہ: جعلی عامل نے 65 سالہ خاتون کا سر تن سے جدا کر دیا۔ غلام فاطمہ تعویذ لینے کے لئے بشارت کے پاس گئی تیز دھار آلے سے کاٹ کر سر کھیتوں، دھڑ نہر میں پھینک دیا۔

(''نوائے وقت'' 24 اپریل 2014ء صفحہ 12)

☆ میانوالی کے علاقے عیسیٰ خیل میں ایک سنگ دل نے معصوم بچے کو ذبح کر دیا۔ مجرم کے خلاف مقدمہ درج کر لیا گیا ہے۔ ملزم کا مزید کہنا تھا کہ جعلی پیر نے بچے کے خون سے تعویذ لکھ کر دینے اور اولاد ہونے کا یقین دلایا تھا۔ (''نوائے وقت'' 25 مارچ)

☆ خبر ہے کہ کنگن پور میں دو بچوں کی قبریں اکھاڑ کر لاشیں غائب کر دی گئیں۔

(''دنیا نیوز'' 30 مئی 2014ء)

پڑھ کر دل خون کے آنسو رو رہا ہے نہایت ہی اخلاق سوز غیر انسانی اور بہیمانہ فعل ہے، ماں باپ پر کیا گزر رہی ہو گی ایک اللہ کی رضا دوسرا لرزہ خیز واردات کا

WWW.PAKSOCIETY.COM

صدمہ یہ درندے اپنے آپ کو دوزخ کا ایندھن بنا رہے ہیں اور یہ عمل جعلی پیروں اور عاملوں کے ہتھے چڑھ کر اولاد کے حصول یا دشمنی کی بناء پر کیا جا رہا ہے حکمرانوں سے سخت نوٹس لینے کی استدعا ہے۔

میاں اکرام دل ہار بیٹھا

نذیر نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے میاں اکرام عینی کے حسن اور دلکشی ناز و انداز اور سفلی علوم میں اس کی مہارت کی وجہ سے دل ہار بیٹھا تھا۔ ایک دن عینی سے جبکہ وہ گھر میں اکیلی تھی تو اس نے حالِ دل ظاہر کیا۔ عینی نے اسے دھتکار دیا اور دھمکی دی کہ وہ اپنے والد سعادت علی کو سب کچھ بتا دے گی لیکن جب اس نے سعادت علی کو میاں اکرام کی حرکات سے آگاہ کیا تو سعادت علی نے کوئی خاص ردِعمل ظاہر نہ کیا بلکہ عینی سے کہا کہ اگر تم چاہو تو میں تمہاری شادی میاں اکرام سے کر دوں۔ عینی نے رونا شروع کر دیا۔ پھر اس نے میاں اکرام سے بھی یہ بات کہہ دی کہ تم تو سب کچھ جانتے ہو اگر تم عینی کو راضی کر لو تو میں تمہاری شادی اس سے کر دوں گا۔ میاں اکرام، سعادت علی کی یہ بات سن کر بہت خوش ہوا اور اس نے سعادت علی سے وعدہ کر لیا کہ میں عینی کو منانے کی کوشش کروں گا۔

اس دوران سعادت علی اچانک وفات پا گیا اور پھر عینی نے مجھے شادی کی پیشکش کر دی۔ میاں اکرام اپنے سفلی علوم کے ذریعے اس بات کو جان گیا اس نے میرے سامنے اقرار کیا کہ اگر عینی زندہ رہتی تو میں تمہیں ضرور قتل کر دیتا کیونکہ مجھے یہ کبھی گوارہ نہ ہوتا کہ کوئی اور عینی کی زندگی کا ساتھی بنے۔

''اچھا اکرام! یہ بتاؤ، عینی کیسے مری؟'' میں نے اس سے پوچھا۔ ''جبکہ وہ دوبارہ اپنے اعضاء کو جوڑ سکتی تھی؟''

''ہاں، مجھے پتہ ہے اس نے تمہارے حجرے میں اپنے جسم کو پانچ حصوں میں علیحدہ علیحدہ کر لیا تھا اور پھر دوبارہ زندہ ہو کر اپنے گاؤں چلی گئی تھی۔ دیکھو نذیر!'' اکرام نے آواز آہستہ کرتے ہوئے کہا۔ ''دراصل سفلی علوم میں احتیاط اور ممنوعہ امور سے بچنا ضروری ہوتا ہے۔ افسوس عینی ایسا نہ کر سکی وہ اپنے پاس رہنے والے عمر رسیدہ آدمی سے ملوث ہو گئی تھی اور ستم یہ ہے کہ وہ حاملہ بھی تھی۔ میرے خیال میں اس کی اس بد احتیاطی کی وجہ سے وہ موت کا شکار ہو گئی اور یہ قصور سعادت علی کا ہے کہ اس نے اسے یہ راز نہیں بتایا تھا۔ سعادت علی نے مجھے کئی بار کہا تھا کہ اکرام میری اپنی نیت کئی دفعہ خراب ہوئی تھی لیکن اس کے لئے مجھے بعض عملیات ترک کرنے ضروری تھے لیکن میں اپنی محنت اور عملیات کی وجہ سے دولت و شہرت سے محروم نہیں ہونا چاہتا تھا پھر اس نے عینی کو بھی بعض علوم سکھائے تاکہ وہ ان کی وجہ سے بہتر زندگی گزار سکے''۔

خونی غسل

اکرام ایک پیشہ ور ڈکیت تھا، لوگوں کے گھروں میں ڈاکے ڈالتا اور لوٹی ہوئی رقم سے اپنی ضروریات پوری کرتا۔ اس وقت چوری کرنا اتنا آسان نہیں تھا۔ چوروں کے پاس آتشیں اسلحہ نہیں ہوا کرتا تھا۔ اکرام نے اپنے دفاع کے لئے لوہے کا ایک سُوا بنوایا ہوا تھا جس کے پیچھے لکڑی کا دستہ لگا ہوا تھا اگر کوئی کبھی اس سے مزاحم ہوتا تو وہ بے دریغ سُوا اس کے جسم میں اتار دیتا۔ اس کا یہ طریقہ واردات مشہور تھا لیکن وہ کبھی پکڑا نہیں گیا تھا۔ ایک دن چوری کی نیت سے ایک گھر میں داخل ہوا تو اچانک ایک آدمی اس اس گھر سے باہر کی طرف بھاگ نکلا۔ اکرام نے سمجھا کہ یہ بھی کوئی چور ہے وہ اس کے پیچھے بھاگ نکلا تاکہ سارا مال نہیں تو کم از کم اپنا حصہ ہی اس سے وصول کر سکے۔ اکرام اس آدمی کا پیچھا کرتا ہوا اس کے قریب پہنچ گیا کہ اچانک اُسے بچے کے رونے کی آواز سنائی دی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

اس نے رفتار اور تیز کر دی اور چور کو پکڑ لیا۔ بچہ اب زور سے رونے لگا تھا اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ بچے کو اغوا کرنے کا مقصد کیا ہو سکتا ہے۔ اس نے سُوا نکالا اور صورتِ حال سے نمٹنے کے لئے تیار ہو گیا۔ دوسرا چور طاقت کے لحاظ سے اس سے کمزور تھا اس نے اسے پوری طرح گرفت میں لے لیا اور پھر ہاتھا پائی میں بچہ زمین پر گر پڑا۔ اب بچہ مسلسل اور بلند چیخوں سے رو رہا تھا۔

''بھائی! مجھے چھوڑ دو''۔ دوسرے آدمی نے اکرام سے کہا۔ ''میں بچے کو چپ کرا لوں ورنہ ہم دونوں پکڑے جائیں گے پھر اس نے بچے کے منہ میں اپنے طریقہ کار کے مطابق کپڑا ٹھونسا حیرت انگیز حد تک بچے کی چیخیں بند ہو گئیں۔

''دیکھو اکرام! مجھے پتہ ہے کہ تم ایک نامور ڈکیت ہو اور آج بھی تم چوری کی نیت سے اس گھر میں داخل ہوئے تھے''۔ اس نے آدمی نے کہا۔ ''میں تمہاری دلی مراد پوری کر سکتا ہوں اور تمہیں اتنے روپے بھی دے سکتا ہوں کہ پھر تمہیں چوری کرنے کی ضرورت نہیں ہو گی۔ نوری تمہارے قدموں میں خود چل کر آئے گی اور اگر تم چاہو تو میں تمہیں اپنے گینگ میں شامل کر لوں گا اور ہم تمہیں ایسے حیرت انگیز عملیات بتائیں گے کہ لوگ تمہارے قدم چومیں گے۔ تم لوگوں کی نظروں میں پہنچے ہوئے بزرگ بن جاؤ گے''۔

اکرام اس کی باتوں سے کافی مرعوب ہو گیا تھا وہ حیران تھا کہ اسے ان ساری باتوں کا کیسے پتہ چل گیا اور پھر نوری جو اس کے لئے زندگی موت کا مسئلہ بن گئی تھی۔ اکرام نے ذرا دیر سوچنے کے بعد کہا۔ بھائی نوری کا تمہیں کیسے پتہ چل گیا۔

''چھوڑ ان باتوں کو تمہیں بھی پتہ چل جایا کرے گا''۔ اس آدمی نے لاپروائی سے کہا۔ ''بول میری پیشکش تمہیں منظور ہے یا نہیں؟''

''دیکھو بھائی! اگر نوری میری بات مان جائے تو مجھے تمہاری ہر بات منظور ہے''۔ اکرام نے کہا۔

''ٹھیک ہے، بچے کو اٹھا لو اور میرے ساتھ چلو''۔ اس آدمی نے کہا۔ ''تم جتنی رقم مانگو گے میں تمہیں دوں گا۔ دولت تمہاری لونڈی بن جائے گی۔ ڈاکے ڈالنے سے تمہیں کیا ملتا ہو گا اور پھر اس کام میں جان جانے کا خطرہ بھی ہوتا ہے لیکن جو کام میں تمہیں کہہ رہا ہوں اس میں کوئی خطرہ نہیں بلکہ لوگ رقم بھی دیتے ہیں اور پاؤں بھی چومتے ہیں''۔

یہ آدمی سعادت تھا۔ اکرام اس کی باتوں سے بہت متاثر ہوا اور آخر کار اس کے ساتھ جانے پر تیار ہو گیا اس نے بچے کو اٹھا لیا اور سعادت علی اس کے آگے آگے چلنے لگا۔ رات نصف سے زیادہ گزر چکی تھی۔ جب وہ ایک ویران سی جگہ پر پہنچے ایک آدمی وہاں انتظار کر رہا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر بڑی بے تابی سے پوچھا کام بن گیا؟

''ہاں''۔ سعادت نے جواب دیا۔ پھر جب اس نے دوسرے آدمی کو دیکھا تو گھبرائی ہوئی آواز میں پوچھنے لگا یہ کون ہے؟

''استاد! یہ بھی اپنا ہی آدمی ہے''۔ اور پھر اس نے اسے ساری بات بتا دی پھر انہوں نے بچے کو سر کے بل الٹا لٹکایا اور اس کی ٹانگوں کو رسے سے باندھ کر درخت کی شاخ سے لٹکا دیا۔ اس کے سر کے نیچے ایک چوڑا برتن رکھا اور پھر اس کی شاہ رگ کاٹ دی۔ خون فوارے کی صورت میں برتن میں گرنے لگا۔ سعادت علی نے کپڑے اتارے اور بچے کے تازہ خون کو اپنے جسم پر ملنے لگا۔ اکرام یہ دلدوز منظر دیکھ کر کھڑا نہ رہ سکا اور زمین پر بیٹھ گیا۔ گو وہ بھی کوئی اچھا آدمی نہیں تھا لیکن اس قدر بے رحمانہ منظر اس نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ وہاں سے واپس چلنے لگا تو سعادت علی اور دوسرے آدمی نے اسے پکڑ لیا۔ اکرام کا

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

سُواسعادت علی کے پاس تھا۔

''کیوں بھائی! بھاگنے کا ارادہ ہے؟'' سعادت نے بے رحمانہ انداز میں کہا۔

''نہیں، ویسے میرا دل چاہتا ہے کہ یہاں سے ذرا دور ہٹ جاؤں۔ میرے اعصاب جواب دے گئے ہیں''۔ اکرام نے کہا۔

''دیکھو، اعصاب قابو میں کرو اگر تم نے بھاگنے کی کوشش کی تو ہم تمہیں بھی ختم کر دیں گے''۔ اس کے ساتھ ہی جیسے زمین پر بھونچال آ گیا ہو اور فضا میں بگولے اٹھنے شروع ہو گئے۔ وہ دونوں سجدے میں گر گئے اکرام نے بھی ان کی پیروی کرتے ہوئے اپنا ماتھا زمین پر ٹکا دیا پھر غیر مانوس آوازیں آنے لگیں۔ ذرا دیر بعد حالات پُرسکون ہو گئے۔ یہ اکرام کی سعادت علی سے پہلی ملاقات تھی۔

ڈکیت اکرام سے میاں اکرام

اکرام، سعادت علی کے ساتھ اس کے گاؤں آ گیا۔ اس وقت عینی کی عمر سات آٹھ سال ہو گی۔ سعادت علی نے اسے عینی کے متعلق ٹھیک ٹھیک بتا دیا۔ اب دونوں میں دوستی گہری ہو گئی۔ سعادت علی نے اکرام کو کافی رقم دے دی اور اُسے سفلی علوم بھی سکھائے۔ چند دن بعد اکرام نے سعادت علی کو اپنا وعدہ یاد دلایا اور نوری کے بارے میں سب کچھ بتا دیا۔ سعادت علی نے اسے کہا کہ کسی طریقے سے نوری کے تھوڑے سے بال حاصل کرے۔ اکرام نے کسی عورت کے ذریعے نوری کے بال حاصل کئے اور سعادت علی کو دے دیئے۔ سعادت علی نے بالوں پر کچھ عملیات کئے، چند دنوں بعد نوری اکرام کے قدموں میں تھی۔ اس کی زندگی کی سب سے بڑی خواہش پوری ہو گئی۔ اکرام نے نوری کے ساتھ شادی کر لی اور پھر سفلی علوم کے ذریعے جلد ہی لوگوں کی نظروں میں معزز بن گیا۔ اب لوگ اُسے احترام سے میاں جی کہنے لگے۔

شادی کے دو سال بعد نوری قضائے الٰہی سے وفات پا گئی اور میاں اکرام عینی کے عشق میں مبتلا ہو گیا لیکن عینی نے اسے دھتکار دیا۔

میاں اکرام ایک بے رحم اور سنگدل شخص تھا، اس نے سفلی علوم سیکھنے کے لئے ہر وہ شیطانی حربہ اختیار کیا جو اسے سعادت علی نے کہا۔ اس نے کئی معصوم بچوں کو قتل کیا اور چلّے کاٹے۔ اس نے ایک ایسا عمل کیا جسے لکھتے وقت میرا قلم بھی تھرتھرا گیا ہے۔ اس نے سعادت علی کے کہنے پر اپنی بوڑھی والدہ کے ساتھ زبردستی زیادتی کی۔

اکرام لعین ایسا کیوں کرتا تھا؟

یاد رہے کہ جادوگر اس وقت تک سفلی علوم حاصل کر ہی نہیں سکتا جب تک وہ ایسے کام نہ کرے جن سے خدائے عزوجل کا غصہ بھڑکتا ہو اور شیطان لعین خوش نہ ہوتا ہو۔ ان علوم کو سیکھنے کے لئے خدا کی مقرر کردہ حدود سے جتنا تجاوز کرے گا اتنا ہی سفلی علوم میں کامیاب ہو گا۔ اسی لئے جادوگر کو بالاتفاق کافر کہا گیا ہے۔ جادو میں جو کچھ طاقت ہے اس کا براہِ راست تعلق شیطان لعین سے ہے اور یہ علم ایک شیطانی علم ہے۔ شیطان کی خوشی اس بات میں ہے کہ انسان راہِ راست سے ہٹ کر شرک و کفر اور ظلم و عصیان کی وادیوں میں بھٹکتا پھرے۔ اس لئے سب سے پہلے اس کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ کبیرہ گناہوں میں دھنس جائے مثلاً خدا کے ساتھ شرک، قتل، محرمات (ماں، بہن، بیٹی) سے زنا، شعائرِ اسلامی کی ہتک، قرآن کی بے ادبی، بدفعلی وغیرہ۔

تائید

یاد رہے کہ جادوگر شرک و کفر کے علاوہ دوسرے بڑے بڑے گناہوں کا ارتکاب بھی کرتا ہے مثلاً محرم (ماں، بہن، بیٹی وغیرہ) عورتوں سے زنا کرنا، بدفعلی کرنا

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

اور دین اسلام کو گالیاں بکنا اور یہ سب اس لئے کرتا ہے تا کہ شیطان اس پر راضی ہو جائے۔

(شیخ وحید عبدالسلام بالی حفظہ اللہ)

صفحہ 55 پر لکھتے ہیں: تیسرا طریقہ جادوگروں میں انتہائی گھٹیا طریقے پر مشہور ہے اور اس طریقے کو اپنانے والے جادوگر کی خدمت کے لئے اور اس کے احکامات پر عمل کرنے کے لئے شیطانوں کا بہت بڑا گروہ اس کے پاس موجود رہتا ہے کیونکہ ایسا جادوگر کفر و الحاد کے اعتبار سے بہت بڑا جادوگر تصور کیا جاتا ہے، اس پر اللہ کی لعنت ہو۔

یہ طریقہ مختصر طور پر کچھ یوں ہے کہ جادوگر اس پر اللہ ڈھیروں لعنتیں ہوں۔ قرآن مجید کی بے حرمتی کرتا ہے اور بیت الخلاء میں جا کر کفریہ طلسموں کو پڑھتا ہے پھر باہر آ کر اپنے کمرے میں بیٹھ جاتا ہے اور جنوں کو احکامات جاری کرتا ہے چنانچہ جن بہت جلدی اس کی فرمانبرداری کرتے ہیں اور اس کے احکامات نافذ کرتے ہیں کیونکہ وہ مندرجہ بالا طریقے پر عمل کر کے کافر اور شیطانوں کا بھائی بن چکا ہوتا ہے۔ سو اس پر اللہ کی لعنت ہو۔ یاد رہے کہ ایسا جادوگر مندرجہ بالا کفریہ کام کے علاوہ دوسرے بڑے بڑے گناہوں کا ارتکاب بھی کرتا ہے۔

تمام علماء کا اتفاق ہے کہ جنوں کے لئے جانور ذبح کرنا حرام بلکہ شرک ہے کیونکہ یہ ذبح غیر اللہ ہے چنانچہ ایسے جانور کا گوشت کھانا بھی کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں ہے چہ جائیکہ وہ اسے غیر اللہ کے لئے ذبح کرے لیکن جادوگر کالا مرغ یا کالا بکرا سائلین سے منگواتے ہیں کہ اسے صدقہ کیا جائے گا لیکن درحقیقت وہ جنات کے لئے منگواتے ہیں اور پھر بغیر بسم اللہ کے ذبح کر کے اس کا خون مریض کے جسم پر ملتے ہیں یا اس کے خون سے تعویذ لکھتے ہیں اور پھر کھنڈرات یا غیر آباد جگہوں میں پھینک دیتے ہیں جو کہ عموماً جنوں کے گھر ہوتے ہیں پھر اپنے گھر چلے جاتے ہیں اور شرکیہ تعویذ لکھ کر جو چاہتے ہیں جنہوں کو حکم جاری کر دیتے ہیں۔ اس طرح جادوگر ایک سب سے کبیرہ گناہ میں مبتلا ہو جاتا ہے یعنی شرک یحییٰ بن یحییٰ کہتے ہیں کہ مجھے وہب نے بیان کیا کہ ایک خلیفہ وقت کے دور میں ایک چشمہ دریافت ہوا اس نے اسے عام لوگوں کے لئے کھول دینے کا ارادہ کیا اور اس پر جنوں کے لئے جانور ذبح کیا تا کہ وہ اس کا پانی گہرائی تک نہ پہنچا دیں پھر اس کا گوشت لوگوں کھلا دیا۔ یہ بات امام

نشہ جہالت

☆......ایس امتیاز احمد......☆

شہنشاہ اکبر نے ادھم خان کے بارے میں چند شکایتوں کے بعد اس کی جگہ عبداللہ خاں کو سارنگ پور روانہ کر دیا اور ادھم خان کے لئے حکم صادر کیا کہ وہ حضور میں فوراً پہنچے۔ ادھم خاں بادشاہ کے فیصلے سے سخت برہم ہوا۔ وہ دارالخلافہ آگرہ پہنچ کر حاضر دربار ہوا مگر اکبر نے چشم پوشی سے کام لے کر اس سے کچھ نہ کہا اور بدستور دربار میں سلامی کی اجازت بحال رکھی لیکن ادھم خاں نے نشہ جہالت اور غرور جوانی میں بادشاہ کی اس عنایت کو بھی ٹھکرا دیا۔ ایک دن اُس نے اسی بدمستی میں دیوان عام میں شمس الدین محمد انکہ سے گفتگو کی اور تلخ کلامی ہونے پر اُسے قتل کر دیا۔ پھر وہ جوش میں بادشاہ کی تلاش میں حرم سرا کی طرف چلا۔ اکبر اس وقت خوابیدہ تھا۔ ایک دم شور و غوغا سن کر اس کی آنکھ کھل گئی اور وہ اٹھ کر دیوان عام کی طرف چلا۔ راستے میں ادھم خاں شمشیر بکف ملا اُس کے ہاتھ میں تیغ برہنہ و خون آلود دیکھ کر اکبر ایک ہی لمحے میں سب کچھ سمجھ گیا۔ اس سے پہلے کہ ادھم خاں اُس پر حملہ کرتا اُس نے ادھم خاں کے سر پر پوری قوت سے گھونسا مارا۔ ایک ہی گھونسے میں ادھم خاں بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ اس وقت اور لوگ بھی دوڑتے ہوئے وہاں تک پہنچ چکے تھے۔ حاضرین نے اکبر کا حکم پا کر ادھم خاں کو باندھ کر قلعے کے کنگورے سے نیچے گرا دیا۔ چند ہی لمحوں میں اس کا دم نکل گیا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

ابن شہاب زہری تک پہنچی تو وہ فرمانے لگے۔

خبردار! ذبح شدہ جانور حرام ہے اور خلیفہ وقت نے لوگوں کو حرام کھلایا ہے کیونکہ رسول اللہؐ نے اس جانور کا گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے جسے جنوں کے لئے ذبح کیا گیا ہوا۔ (آکام المرجان صفحہ 78)

اور صحیح مسلم شریف میں حضرت علیؓ سے مروی ایک حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا اللہ کی لعنت ہو اس شخص پر جس نے غیر اللہ کے لئے کوئی جانور ذبح کیا۔ (صحیح مسلم حدیث نمبر 1978)

وضاحت کے لئے امام ابن تیمیہ کی کتاب "تلبیس ابلیس" کا مطالعہ فرمائیں۔ جادو اور جادوگروں کے متعلق میری پچھلی کہانیوں میں کافی کچھ لکھا جا چکا ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

شیطان کو راضی کرنے کے لئے جادوگروں کے مختلف وسائل ہیں۔ بعض قرآن حکیم کی آیات کی انتہائی درجے بے حرمتی کرتے ہیں۔ کچھ سورہ فاتحہ کو الٹا لکھتے ہیں، کچھ بغیر وضو کے نماز پڑھتے ہیں، کچھ غسل جنابت نہیں کرتے اور ہمیشہ ناپاکی کی حالت میں رہتے ہیں۔ ماں، بہن، بیٹی سے زنا کا ارتکاب کرتے ہیں۔ شیطانوں کے لئے جانور ذبح کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ شیطان پہلے جادوگر سے کوئی حرام کرواتا ہے پھر اس کی مدد اور خدمت کرتا ہے۔ چنانچہ جادوگر جتنا بڑا کفریہ کام کرے گا شیطان اتنا زیادہ اس کا فرمانبردار ہوگا اور اس کے مطالبات کو پورا کرنے میں جلدی کرے گا۔ آپ جب کسی جادوگر کے چہرے کی طرف دیکھیں گے تو اس کے چہرے پر کفر کا اندھیرا یوں چھایا ہوتا ہے گویا وہ سیاہ بادل ہو۔ اگر آپ کسی جادوگر کو قریب سے جانتے ہوں تو یقیناً اُسے زبوں حالی کا شکار پائیں گے۔ وہ اپنی بیوی، اپنی اولاد حتیٰ کہ اپنے آپ سے تنگ آ چکا ہوتا ہے۔ اسے سکون کی نیند نصیب نہیں ہوتی اور اس پر مستزاد یہ کہ شیطان خود اس کے بچوں کو بھی اکثر و بیشتر ایذا دیتے رہتے ہیں اور ان کے درمیان شدید اختلافات پیدا کر دیتے ہیں۔ سچ فرمایا اللہ رب العزت نے:

ترجمہ: اور جس نے میرے ذکر سے منہ موڑ لیا (دنیا میں) اس کی زندگی تنگ گزرے گی۔

(سورہ طٰہٰ آیت 134)

ہمیشہ یاد رکھیں کہ شریر جنات اور شیاطین کے تعاون کے بغیر یہ عامل، جادوگر اور روحانی بابے کوئی کارروائی پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچا سکتے اور جنات ان سے تعاون کرنے کے لئے اس وقت تک تیار نہیں ہوتے جب تک اُن سے کفریہ، شرکیہ کام نہیں کروا لیتے چنانچہ انہیں جنات کو تابع فرمان بنانے کے لئے اپنے ایمان کا سودا کرنا پڑتا ہے۔

انتظامیہ سے ضروری گزارش

اگر آپ کے تھانے کی حدود میں کوئی ایسی حرکت ہو جائے جس میں قرآن مقدس کی بے حرمتی اور ہتک کی گئی ہو تو یہ یقین نہ کرلیں کہ کسی غیر مسلم نے ہی ایسا کیا ہے بلکہ یہ بات بھی ذہن میں رکھیں کہ اس طرح کی حرکتیں عموماً جادوگر کرتے ہیں۔ اس کے لئے قریبی خانقاہوں، تکیوں میں بیٹھے بے دین اور غیر شرعی پیروں فقیروں، ملنگوں اور بابوں پر کڑی نگاہ رکھیں۔ غیر مسلم بھی ایسا کر سکتے ہیں اور تخریب کار بھی بدامنی و انتشار پیدا کرنے کے لئے یہ گھٹیا حرکت کر سکتے ہیں۔ تاہم جھوٹے عاملوں اور غیر شرعی بابوں پر بھی نگاہ رکھیں جو عامل اپنی ماں بہن سے زنا جیسا جرم کر سکتا ہے وہ قرآن پاک کی بے حرمتی بھی کر سکتے ہیں۔

عوام الناس سے گزارش

جو عامل کالا مرغ یا کالا بکرا مانگے کہ اس کے خون

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

سے تعویذ لکھنا ہے اس کی اس پیشکش کو کبھی نہ مانیں آ۔ کئی الو کے خون سے تعویذ لکھنے کا کہتے ہیں اور الو خریدنے کے لئے بھاری رقم طلب کرتے ہیں۔ کوئی کستوری اور زعفران جیسی انتہائی قیمتی چیزوں سے تعویذ لکھنے کا دعویٰ کرتے ہیں یہ بھی محض فراڈ ہے اور رقم اینٹھنے کا بہانہ ہے۔ کئی خار پشت (سیہہ) کے کانٹے یا لومڑی کے ناخن لانے کو کہتے ہیں کسی سے اپنے سفلی عمل کے لئے نفاس یا حیض کے خون میں آلودہ کپڑے منگواتے ہیں کسی سے دشمن کی اُترن یا اس کے تراشے ہوئے بال یا ناخن لانے کا مطالبہ کرتے ہیں غرضیکہ کئی قسم کے فراڈ کرتے اور مال لوٹتے ہیں۔ اے کم عقل اور دین و دنیا سے اندھے لوگو! تمہیں کب سمجھ آئے گی؟

انتہائی خطرناک

بعض عورتیں یا مرد اپنے دشمن کو زیر کرنے کے لئے عاملوں کے ڈیروں پر جاتے ہیں تو بدبخت جعلی عامل سم الفار (سنکھیا) جو کہ ایک قاتل زہر ہے اس کو پانی میں حل کر کے تعویذ لکھ دیتا ہے کہ اپنے دشمن یا خاوند کو پلا دینا۔ چند دن بعد زہر اپنا اثر دکھاتا ہے اور متعلقہ آدمی بیمار ہونا شروع ہو جاتا ہے تو وہ اسے عامل کے تعویذ کی تاثیر سمجھتا ہے حالانکہ اصل کمال زہر کا ہوتا ہے۔ بعض عورتیں خاوند کو مطیع کرنے کے لئے عاملوں کے پاس جاتی ہیں اور ان سے مطالبہ کرتی ہیں کہ وہ ان کے خاوندوں پر جادو کر دیں تاکہ وہ ان سے محبت کریں اور ہم سمجھتے ہیں کہ یہ دین سے ناواقفیت اور ان کی کم عقلی کی دلیل ہے۔ چنانچہ عامل مختلف طریقوں سے اسے عمل کر کے دے دیتا ہے۔ یاد رہے کہ بعض دفعہ اس جادو کا الٹا اثر بھی ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات خاوند اس جادو کی وجہ سے بیمار پڑ جاتا ہے بلکہ اس کا ایک منفی اثر یہ بھی ہوتا ہے کہ خاوند الٹا اپنی بیوی سے نفرت کرنے لگتا ہے۔ کیا ان بکھیڑوں میں پڑنے کی بجائے یہ بہتر نہیں کہ کسی روحانی عامل سے قرآن و حدیث سے کوئی عمل پوچھ لیا جائے جس میں فائدہ بھی ہے اور نقصان کا کوئی اندیشہ بھی نہیں۔

روحانی علاج

جس پر اس قسم کا جادو کیا گیا ہو اس کا مکمل علاج تو کوئی مستند روحانی عامل ہی کر سکتا ہے لیکن اگر کوئی اس قسم کا عامل نہ ملے تو مندرجہ ذیل آیات مریض کے سر پر ہاتھ رکھ کر ترتیل سے پڑھیں۔

(1) سورہ فاتحہ (مکمل) (2) سورہ بقرہ ابتدائی پانچ آیات (3) سورہ بقرہ آیت 102 کئی بار پڑھیں (4) آیۃ الکرسی (5) سورہ بقرہ کی آیات 163 تا 164 (6) سورہ بقرہ کی آخری دو آیات (7) سورہ آل عمران کی آیات 18 تا 19 (8) سورہ اعراف کی آیات 117 تا 122 ان آیات کو بار بار پڑھیں (9) سورہ یونس کی آیات 81، 82 (10) سورہ طٰہٰ کی آیات 69 اسے بھی کئی بار پڑھیں (11) سورہ المومنون کی آخری چار آیات (12) سورہ الصافات کی ابتدائی دس آیات (13) سورہ احقاف کی آیات 29 تا 33 (14) سورہ الرحمٰن کی آیات 33 تا 34 (15) سورہ حشر کی آخری چار آیات (16) سورہ الجن کی ابتدائی 9 آیات (17) سورہ اخلاص مکمل (18) سورۃ الفلق مکمل (19) سورۃ الناس مکمل (20) درود ابراہیمی ایک دفعہ۔

مذکورہ آیات اور سورتوں سے پہلے تعوذ اور تسمیہ بھی ضرور پڑھیں۔ اگر مسحور پر مندرجہ بالا آیات پڑھنے سے مرگی کی قسم کا دورہ پڑ جائے تو سمجھیں کہ جادوگر نے اسے جس جن کو تکلیف دینے کے لئے مسلط کیا تھا وہ حاضر ہو گیا ہے۔ اس کے لئے تجربہ کار عامل کی ضرورت ہو گی اور اگر دورہ وغیرہ نہیں ہوا تو مسلسل سات دن یہ عمل کریں ان شاء اللہ جادو ٹوٹ جائے گا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

اگر کسی عورت نے خاوند کو مطیع کرنے کے لئے جادو کرایا ہے اور وہ الٹا پڑ گیا ہے تو مذکورہ عمل میں سورہ بقرہ کی آیت نمبر 102 کی بجائے سورہ التغابن کی آیات 14 تا 16 کی تلاوت کریں۔

سحر محبت اور عام سحر کا فرق

اگر عام جادو ہو تو مندرجہ بالا آیات مریض کے کان میں پڑھنے سے اسے دورہ ہو سکتا ہے لیکن سحر محبت میں دورہ نہیں ہوتا۔ البتہ اس کے ہاتھ پاؤں سن ہو جاتے ہیں یا سر میں یا سینے میں درد ہو سکتا ہے اگر جادو پلایا گیا ہو تو معدے میں شدید درد اٹھ سکتا ہے اور قے بھی آ سکتی ہے اگر ایسا ہو تو درج ذیل آیات پڑھ کر پانی پر دم کریں اور مریض کو تین ہفتے تک وہ پانی پلاتے رہیں۔

(1) سورہ یونس کی آیات 81 تا 82

(2) سورہ اعراف کی آیات 117 تا 122

(3) سورہ طٰہٰ کی آیت 69

(4) آیۃ الکرسی

عشق اولتوی پیٹر

سعادت علی نے اکرام کو سفلی علوم سکھانے کے لئے اس سے ہر وہ گناہ کرایا کہ جس کے ذکر سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یہاں تفصیل بیان کرنا مناسب نہیں ہے۔ بالآخر وہ سفلی علوم کا ماہر ہو گیا وہ سائلین کو بغیر ان کے بتائے اُن کے نام ان کے رشتہ داروں کے نام جس کام سے وہ اس کے پاس آتے۔ وہ بتا دیا کرتا کہ تم فلاں کام سے آئے ہو اس کے اس حیران کن عمل سے جاہل لوگ بہت جلد متاثر ہو جاتے اور اُسے ایک پہنچا ہوا بزرگ سمجھنا شروع کر دیتے۔ وہ لوگوں کی گمشدہ چیزوں کے بارے میں بھی بتا دیا کرتا تھا۔ وہ بعض دفعہ مل بھی جایا کرتی تھیں۔ لوگوں کے سامنے کنویں میں چھلانگ لگاتا اور کسی دور کے گاؤں کے کنویں سے باہر نکل آتا۔ اپنے جسم کے اعضاء علیحدہ علیحدہ کر لیتا۔ مشہور تھا کہ لڑکیوں کو ان کے چاہنے والوں سے ملا دیا کرتا تھا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ وہ جس لڑکی پر عمل کرتا ہے وہ مجبور اور بے قرار ہو کر اپنے چاہنے والے کے قدموں میں جا گرتی ہے لیکن یہ محض مبالغہ آرائی تھی۔ عینی نے اسے دھتکار دیا تھا اور وہ اسے قابو نہ کر سکا۔

ہر عامل کے ساتھ یہ معاملہ ہے کہ اگر اس سے کوئی کام بن جائے تو لوگ اس کی تعریفوں کے پُل باندھ دیتے ہیں اور اس میں بھی شیطان کا عمل دخل ہوتا ہے۔ وہ اپنے تابع فرمان عامل کے متعلق لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے تا کہ مزید لوگ غلط راستے پر چل پڑیں۔ نذیر نے مجھے بتایا کہ جب مجھے یہ پتہ چلا کہ اکرام سفلی علوم کے ذریعے لڑکیوں کو زیر کر لیتا ہے تو میں نے اسے جنت کے بارے میں بتایا کیونکہ جنت میرے حواس پر مکمل طور پر چھا چکی تھی اگر وہ رکھے کی پھپھو کی بیٹی نہ ہوتی تو پھر میرے لئے کوئی مسئلہ نہیں تھا۔

قاری صاحب! آپ حیران ہوں گے کہ مجھے لڑکیوں کی کوئی کمی نہیں تھی۔ بالو کنجری میرے ایک اشارے پر اعلیٰ سے اعلیٰ مال مہیا کر دیتی تھی لیکن عشق ایک علیحدہ بیماری ہے۔ میرا دن کا چین اور رات کی نیند حرام ہو گئی تھی۔ بھنگ اور شراب سے بھی میرا غم غلط نہیں ہوتا تھا۔ رابعہ میرے دماغ کے کسی گوشے میں موجود ضرور تھی لیکن جنت کے عشق نے اسے کہیں پیچھے بہت پیچھے دھکیل دیا تھا۔ میں نے اکرام سے ساری بات تفصیل سے بیان کر دی اور رکھے سے اس کے رشتے کے متعلق بھی بتا دیا اور اُسے پیشکش کی کہ جتنی رقم مانگ سکتا ہے مانگ لے۔

اکرام نے مجھے خاموش ہونے کو کہا اور پھر چند منٹ کے لئے مراقبے میں چلا گیا پھر اس نے آنکھیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

کھولیں اور مجھ سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔ نذیر کیا تم ایک کام کرسکو گے؟

''ہاں کیوں نہیں جنت کے لئے تو میں سر دھڑ کی بازی بھی لگا سکتا ہوں''۔ میں نے کہا۔ ''بتاؤ کیا کام کرنا ہے؟''

''تمہیں اس کے خاوند کو قتل کرنا ہوگا''۔ اکرام نے کہا۔ ''کیونکہ وہ لڑکی اپنے خاوند سے انتہائی محبت کرتی ہے اس کا خاوند ایک طاقتور پہلوان ہے اس کا باپ ماجا۔ بھی پہلوان تھا اور اس کا بھائی ناجا بھی ایک مشہور و معروف پہلوان ہے۔ وہ ایک خاندانی لڑکی ہے وہ جس باپ کے نطفے سے پیدا ہوئی ہے اور جس نیک ماں کا اس نے دودھ پیا ہے۔ اس نے اس کی فطرت میں نیکی اور تقدس کوٹ کوٹ کر بھر دیا ہے''۔

میں اکرام کی باتیں سن کر ششدر و حیران رہ گیا کہ اسے ان ساری باتوں کا کیسے پتہ چل گیا۔

''نذیر ایسی باتیں جان لینا میرے لئے کوئی مسئلہ نہیں''۔ اکرام نے مجھے حیرانگی میں دیکھ کر کہا۔ ''عینی نے تمہیں رکھے کے بارے میں سب کچھ بتا دیا تھا میں بھی اسی استاد کا شاگرد ہوں اور اگر مزید سننا چاہتے ہو تو رابعہ کے بارے میں بھی تمہیں سب کچھ بتا سکتا ہوں لیکن اب رابعہ نے سچی توبہ کرلی ہے لیکن ایک بات یاد رکھ وہ ابھی بھی تمہیں چاہتی ہے۔ وہ تمہارے ساتھ شادی کی خواہشمند ہے لیکن اب وہ تمہارے ساتھ گناہ والا تعلق کبھی نہیں رکھے گی۔ خیر چھوڑ ان باتوں کو مجھے یہ بتا کہ جنت میں تمہیں رابعہ سے بڑھ کر کیا چیز نظر آئی؟ میرے خیال میں رابعہ میں کوئی کمی نہیں ہے کیا وہ تمہارے دل سے اس لئے اتر گئی کہ وہ تمہارے ایک ناجائز بچے کی ماں ہے اس کے خاوند کو قتل اور بھائی کو پھانسی چڑھا کر اس سے بے وفائی کرتے ہوئے تمہیں شرم نہیں آئی؟ غور سے سن لے جنت کا پیار تیری قسمت میں نہیں ہے اور اگر تو میرے علم کا امتحان لینا چاہتا ہے تو جا اس کے خاوند کو قتل کر اس کے بعد مجھ سے مل لینا''۔

''دیکھ اکرام اگر تُو مجھے یقین دلا دے کہ جنت مجھے مل جائے گی تو میں یہ کام کرنے کے لئے بھی تیار ہوں''۔ میں نے کہا۔

''میں تمہیں گارنٹی دے سکتا ہوں''۔ اکرام نے کہا۔ ''امید ہے کہ تیرا کام ہو جائے گا''۔

ہم ابھی باتیں کر ہی رہے تھے کہ رکھا بھی ہمارے پاس آ گیا مجھے اس کا اس وقت آنا ناگوار گزرا لیکن میں اسے کچھ کہہ نہیں سکتا تھا۔ وہ ہمارے پاس بیٹھ گیا اور خوشامدانہ لہجے میں اکرام سے کہنے لگا۔ بھائی اکرام اگر روپوں وغیرہ کی ضرورت ہو تو میں تمہیں کافی رقم دے سکتا ہوں۔

''نہیں رکھے! مجھے روپوں کی کوئی ضرورت نہیں ہے''۔ اکرام نے کہا۔ پھر وہ اپنے اپنے عملیات کے بارے میں گفتگو کرنے لگے۔ رکھے نے اکرام سے پوچھا۔ یار یہ جو تمہیں کچھ گزری ہوئی باتوں کا پتہ کیسے چل جاتا ہے اگر تُو چاہے تو میں تمہیں اژدھے کو حاضر کرنے کا عمل بتا دیتا ہوں بشرطیکہ تُو مجھے اپنے والا عمل سکھا دے۔

''دیکھ بھائی رکھے! تیری عمر اب ان عملیات کو سیکھنے کے قابل نہیں رہی''۔ اکرام نے صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ ''بس جو تیرے پاس ہے اُسی سے گزارا کر اور مجھے اژدھے کو حاضر کرنے والے عمل کی کوئی ضرورت نہیں کیوں کہ میں مزید چلوں کا متحمل نہیں ہو سکتا''۔

''اچھا پھر ایک وعدہ مجھ سے کر''۔

''کون سا وعدہ؟'' اکرام نے اس کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے کہا۔

''دیکھ اکرام بنتو سے بُرائی کا میرا قطعاً کوئی ارادہ نہیں تھا''۔ رکھے نے کہا۔ ''وہ خود تنہائی میں میرے پاس آ گئی تھی میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ایسا ہو جائے

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

گا لیکن وہ ہو گیا وہ تو مر گئی لیکن میں نے اپنی غلطی کی بہت زیادہ سزا بھگت لی ہے اب تُو مجھ سے پکا وعدہ کر کہ تُو کسی کو بتائے گا نہیں اور میرے راز سے پردہ نہیں اٹھائے گا''۔

''ٹھیک ہے رکھّے میرا تم سے پکا وعدہ ہے''۔ اکرام نے کہا۔ ''ویسے بھی تیرا راز فاش کرنے سے مجھے کوئی فائدہ نہیں ہو گا اب تو اس طرف سے بالکل بے فکر ہو جا اور جا کر آرام سے سو جا۔ ہم ایک ہی راہ کے مسافر ہیں اگر تُو میرے ساتھ تعاون کرے گا تو میں تیرا شکر گزار ہوں گا''۔

''تم جس طرح کا تعاون مانگو گے میں تمہاری خدمت کے لئے تیار ہوں''۔ رکھّے نے کہا۔

''دیکھ رکھّے میں ان عملیات سے تنگ آ گیا ہوں اور میرا ارادہ ہے کہ انہیں ترک کر دوں اور شریفانہ زندگی کی طرف لوٹ آؤں''۔ اکرام نے کہا۔ ''لیکن مجھے اپنے دفاع کی ضرورت ہو گی کیا تیرے مؤکلات ضرورت پڑنے پر میری مدد کر سکیں گے؟''

''مثلاً کس طرح کی امداد؟'' رکھّے نے حالتِ تذبذب میں کہا۔

''رکھّے تم تو جانتے ہو کہ جن شیطانی قوتوں سے میں کام لیتا ہوں اور جو عہد و معاہدہ اُن سے کر چکا ہوں اگر میں اس پر قائم نہ رہا تو وہ مجھے نقصان بھی پہنچا سکتے ہیں''۔ اکرام نے وضاحت کی۔

''لیکن تم اس کام کو کیوں چھوڑنا چاہتے ہو جبکہ لوگوں کی نظر میں تم ایک کرنی والے بزرگ کے طور پر جانے جاتے ہو''۔

''رکھّے صحیح بات پوچھو تو مجھے ڈر آتا ہے کہ کہیں میرا انجام بھی سعادت علی جیسا نہ ہو''۔

''اسے کیا ہوا تھا؟'' رکھّے نے اکرام سے پوچھا۔

''اسے اس کے مؤکلات نے ہی مارا تھا''۔ اکرام نے کہا۔ ''اور پھر جو کچھ عینی کے ساتھ ہوا اس کا تمہیں علم ہے۔ سعادت علی کا استاد بھی اسی طرح مرا تھا اور اس کی لاش مسخ ہو گئی تھی۔ مرنے کے بعد اس کا چہرہ غیر انسانی ہو گیا تھا اور اس کو غسل دینے والوں نے پورا غسل بھی نہیں دیا تھا وہ اس کی غیر انسانی شکل دیکھ کر ڈر گئے تھے۔ پھر سعادت علی نے اسے کفن پہنا کر اس کے چہرے کو ڈھانپ دیا تھا۔ اس کی عبرتناک حالت دیکھ کر سعادت علی خوفزدہ ہو گیا تھا اور اس نے عملیات ترک کرنے کا ارادہ کر لیا تھا اور پھر وہ اچانک مر گیا۔ رکھّے تمہیں تو پتہ ہے کہ سفلی علوم سیکھنے کے لئے کن کن مراحل سے گزرنا پڑتا ہے اور کتنے بڑے بڑے گناہ کرنے پڑتے ہیں''۔

''ہاں، یہ تو ٹھیک ہے''۔ رکھّے نے کہا۔ ''لیکن سچی بات یہ ہے کہ اس بارے میں مَیں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا''۔ رکھّے نے صاف لفظوں میں کہا۔ ''البتہ میرے استاد ہندو جوگی نے مجھے بتایا تھا کہ قرآن مجید میں یہ طاقت موجود ہے کہ وہ سفلی علوم کا توڑ کر سکتا ہے اس نے بھی عملیات کو چھوڑ کر مذہب کی طرف رجوع کر لیا تھا اور اس بات کا گواہ تو خود نذیر بھی ہے کہ اسے عینی نے سفلی علوم کے زور پر نامرد کر دیا تھا اور وہ اس کا توڑ کرنے سے قاصر رہی تھی اور پھر یہ قرآنی علوم کی برکت سے ٹھیک ہوا تھا''۔

ہاں، اکرام! رکھا ٹھیک کہتا ہے۔ میں نے صوفی برکت اللہ سے علاج کروایا تھا''۔ میں نے رکھّے کی تائید کی۔

''دیکھ نذیر! علاج کرنا اور بات ہے''۔ اکرام نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔ ''لیکن شیاطین سے بغاوت کرنا اور اُن سے کئے گئے عہد کو توڑنا اور بات ہے۔ خیر اس موضوع پر پھر بات ہو گی بہتر ہے کہ دن کے تھکے ہوئے ہیں اب ہمیں سو جانا چاہئے''۔

''ٹھیک ہے''۔ رکھّے نے کہا اور اپنے حجرے کی طرف چلا گیا لیکن مجھے نیند بالکل بھی نہیں آ رہی تھی۔ میں

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

نے اکرام سے پوچھا۔ یار نوری سے تمہیں عشق کیسے ہوا۔ کیا وہ کوئی خوبصورت لڑکی تھی؟

''ہاں نذیر! وہ صرف خوبصورت نہیں تھی بہت ہی خوبصورت تھی''۔ اکرام نے کہا۔ ''باقی مجھے اس سے عشق کیسے ہوا یہ کوئی پوچھنے والی بات ہے تم ہی بتاؤ تمہیں رابعہ سے عشق کیسے ہوا اور اب جنت تمہارے حواس پر کیسے چھا گئی؟''

''دیکھ اکرام رابعہ گو میرے گاؤں کی ہی لڑکی تھی لیکن مجھے اس سے عشق نہیں تھا بلکہ اس نے خود یہ آگ بھڑکائی تھی''۔ میں نے وضاحت کی۔ ''لیکن جنت کو میں نے جب دیکھا تو اس کے بے مثال حسن اور جوانی نے ایک لمحے میں مجھے گھائل کر دیا۔ میرے خیال میں بے حیائی کرنا صرف خواہش نفسانی کو پورا کرنے کا ایک ذریعہ ہے لیکن عشق ایک علیحدہ چیز ہے۔ جنت نے میرے ساتھ کوئی عہد و پیمان نہیں کئے کوئی وعدہ وعید نہیں کیا بلکہ میں اسے جانتا تک نہیں تھا بس پہلی نظر میں ہی مجھے اپنی زلفوں کا اسیر بنالیا اور اب وہ میری مجبوری بن گئی ہے اگر تم مجھے یقین دلا دو کہ تمہارے عمل سے وہ مجھے مل سکتی ہے تو میں اس کے خاوند کو قتل کر دوں گا''۔

''ٹھیک ہے نذیر تم یہ کام کر کے بعد میں مجھے مل لینا''۔ اکرام نے کہا۔

دیوانہ پن

اگلے دن میاں اکرام دوبارہ ملنے کے وعدے کے ساتھ خانقاہ سے رخصت ہو گیا۔ میں نے رکھے سے سیر کی اجازت مانگی۔ جس کا مطلب ہماری زبان میں نذر نیاز اکٹھی کرنا تھا۔

''دیکھ نذیر ہمیں در در سوال کر کے نیاز اکٹھی کرنے کی کوئی ضرورت نہیں''۔ رکھے نے مجھے سمجھاتے ہوئے کہا۔ ''لوگ خود ہی نیاز لے آتے ہیں پھر ہمیں کسی چیز کی کمی بھی نہیں ہے''۔

''ہاں، یہ تو ٹھیک ہے رکھے لیکن میں مسلسل یہ جگہ پر رہ کر اکتا گیا ہوں''۔ میں نے کہا۔ ''میرا جی چاہتا ہے اس بہانے تھوڑی سی تبدیلی ہو جائے گی''۔

''اچھا ٹھیک ہے لیکن شام سے پہلے پہلے واپس آ جانا''۔

اور پھر میں سیدھا جنت کے گاؤں پہنچا اور اُن کے دروازے پر صدا لگائی اور اس دن میری دلی مراد پوری ہوئی جنت ایک چھجلی میں دس بارہ سیر چاول لے کر خود دروازے پر آئی اور کہنے لگی فقیر سائیں لو یہ چاول اور ساتھ سو روپے کا نوٹ تھا جو اُس زمانے میں بڑی رقم تھی۔ اس ظالم نے سیاہ رنگ کا لباس پہنا ہوا تھا۔ ریشمی لنگی اور ریشمی قمیص اور کریب کا سیاہ رنگ کا دوپٹہ جو اس کے چاندی رنگ جسم پر عجیب بہار دے رہا تھا۔ دوپٹے میں سے اس کا چہرہ ایسے دکھ رہا تھا جیسے بادلوں کی اوٹ سے چاند۔

''دیکھو، بالک! ہمیں سخت پیاس لگی ہوئی ہے اگر ہو سکے تو لسّی کے چند گھونٹ پلا دو''۔ میں نے کہا۔

''کیوں نہیں فقیر سائیں! اللہ کا دیا سب کچھ ہے''۔ جنت نے عقیدت بھرے لہجے میں کہا۔ ''اندر آ جائیں میں لسّی بنا کے ابھی لے آتی ہوں۔ فقیر سائیں! نمکین لسّی پئیں گے یا میٹھی؟''

''بالک جیسے تمہاری مرضی''۔ میں نے کہا۔ قاری صاحب! میں اندر داخل ہوا تو دھریک کی گھنی چھاؤں میں دو جوان بڑے بڑے مونڈھوں پر ایسے بیٹھے ہوئے تھے جیسے تخت پر بادشاہ بیٹھے ہوں۔ انتہائی خوبصورت بارعب بھرپور جوان، پاؤ پاؤ بھر کے آنکھوں کے ڈھیلے، چوڑے چکلے سینے، بڑی بڑی مونچھیں، ایک کے گلے میں سونے کی تویتڑیاں، لٹھے کی سفید براق ململ قمیصیں اور بے داغ تہبند پاؤں میں زری کھسے۔ مجھے دیکھا تو اخلاقاً کھڑے ہو گئے دونوں نے بڑی اپنائیت اور شائستگی سے یک زبان

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہو کر کہا۔ ''آ ئیں فقیر سائیں! اِدھر بیٹھیں''۔ انہوں نے ایک مونڈھے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''نہیں بالک! ہمیں صرف زمین پر بیٹھنے کا حکم ہے۔ ہم فقیر لوگ ہیں ہمیں دنیاداری سے کوئی تعلق نہیں''۔

''ٹھیک ہے فقیر سائیں! ہمارے لئے دعا ضرور کرنا''۔

''آپ کون ہیں؟'' میں نے تجسسانہ انداز سے پوچھا۔

''فقیر سائیں میں جنت کا بھائی ناجا پہلوان ہوں''۔ ایک نے کہا۔ ''اور یہ میری جنت کا سر کا سائیں قوبا پہلوان ہے اور وہ جنت ہے جس نے ابھی آپ کو نیاز دی ہے''۔

قوبے کی خوبصورتی اور جسمانی ساخت دیکھ کر میرے اندر جیسے کسی نے آرے چلا دیئے ہوں میں رقابت کی آگ میں جلنے لگا کہ جنت کی آواز آئی فقیر سائیں لسی پی لیں۔ میں نے لسی سے بھری دوہنی پکڑی اور جنت کی نظروں میں نظریں ڈال کر اسے حصار میں لے لیا۔ چند لمحے بعد میں نے نظریں ہٹائیں جنت چکرائی اور پھر زمین پر گر پڑی ناجا پہلوان تیزی سے آگے بڑھا اور جنت کا سر اپنی جھولی میں رکھ لیا اور اس کے چہرے پر جھک گیا۔ قوبے پہلوان کی پریشانی قابل دید تھی لیکن وہ جنت کے بھائی کی موجودگی میں ہچکچاہٹ کا شکار تھا۔ ناجے پہلوان نے فرط محبت سے بہن کے ماتھے پر اپنے دونوں ہونٹ رکھ دیئے اور بڑی ہی ہمدردی سے بولا۔ ''جنت میری جان کیا ہوا؟''

اس کی آنکھوں سے دو موٹے موٹے آنسو پھسلے اور جنت کے چہرے پر گر گئے۔ جنت نے دونوں ہاتھوں سے بھائی کی گردن کو تھاما اور کہنے لگی ویر ناجے مجھے کچھ نہیں ہے تُو کیوں رو رہا ہے۔

''دیکھ جنت تُو اٹھ کر بیٹھ جا ورنہ میرا کلیجہ پھٹ جائے گا''۔ ناجے نے کہا۔ پھر اس نے جنت کو اٹھنے میں مدد دی اور اسے سہارا دیتے ہوئے چارپائی پر لٹا دیا۔ قوبا پہلوان پاس کھڑا تھا میں نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا جو سرسوں کے پھول کی طرح ہو گیا تھا۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ اُسے گہرا صدمہ ہوا ہے۔ پھر میں نے جنت کی طرف دیکھا وہ ایسے محسوس ہو رہی تھی جیسے پھولوں کا ڈھیر، اس کی بے پناہ جوانی کپڑوں سے باہر چھلک رہی تھی اور اس کا حسن لیٹنے کی وجہ سے مزید نکھر گیا تھا۔ ناجے پہلوان نے مونڈھا اس کی چارپائی کے قریب کیا اور پھر اس کے بالوں میں اپنی انگلیاں پھیرنے لگا اور اس کے ماتھے کو دبانے لگا وہ جھٹ سے بولی ویر ناجے مجھے گنہگار نہ کر تُو میرا بھائی بھی ہے اور باپ بھی پھر اس نے ناجے کے دونوں ہاتھوں کو پکڑا اور اپنے ہونٹوں کے قریب کر کے بوسے لینے لگی۔

قوبا میری طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا۔ ''فقیر سائیں کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ جنت کو کیا ہوا؟''

''ہاں بالک! اسے جنات کی پکڑ ہو گئی ہے۔'' میں نے کہا۔ ''وہ تو اچھا ہوا کہ ہم یہاں موجود تھے ورنہ جنات اسے بہت نقصان پہنچاتے''۔

قوبے نے دونوں ہاتھ ماتھے پر رکھے اور جھک کر کہنے لگا۔ ''فقیر سائیں کیا آپ اس کا علاج کر سکتے ہیں؟''

''ہاں، بالک! کیوں نہیں ہم ان جنات کو سخت سزا دیں گے''۔ میں نے کہا۔ قوبا مزید جھک گیا اور کہنے لگا فقیر سائیں اگر جنت ٹھیک ہو جائے اور آئندہ کے لئے جنات سے محفوظ ہو جائے تو میرے باڑے میں سے جو بھینس آپ کو پسند آئے آپ کی نذر کر دوں گا''۔

میں سمجھ گیا کہ جنت کا خاوند اسے دیوانگی کی حد تک چاہتا ہے اور بھائی بہن کی محبت کا نمونہ تو میں نے اپنی

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

آنکھوں سے دیکھ لیا تھا۔ جنت خوش قسمت تھی جسے اتنا پیار ملا تھا۔ ویسے وہ جنت سے پیار کر کے اس پر کوئی احسان نہیں کر رہا تھا ایسے بے مثل حسن کے لئے تو جان بھی دی جا سکتی تھی۔ جنت اٹھ کر بھی گئی اور میری طرف دیکھ کر کہنے لگی فقیر سائیں آپ نے ابھی لسی نہیں پی؟

''بالک! تمہارے ساتھ جو کچھ ہوا ہم سب پریشان ہو گئے تھے؟''

''ہاں، مجھے پتہ نہیں چلا کہ مجھے کیا ہوا تھا لیکن اب میں ٹھیک ہوں آپ سیر ہو کر لسی پی لیں''۔

''ٹھیک ہے بالک! لیکن ہم اس جن کو سزا ضرور دیں گے جس نے تم پر سایہ ڈالنے کی کوشش کی''۔

جن کا نام سن کر جنت کے چہرے پر خوف کا سایہ لہرا گیا اور پھر کہنے لگی۔ ''فقیر سائیں! مجھے ڈر لگتا ہے کیا آپ کے پاس اس کا کوئی حل ہے؟''

''ہاں، کیوں نہیں بالک! ہم اس جن کو پکڑ کر سخت سزا دیں گے بلکہ اسے قتل کر دیں گے''۔ میں نے قوبے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ میں نے اپنا حلیہ بدلا ہوا تھا لہٰذا ابھی تک جنت نے مجھے پہچانا نہیں تھا۔ ناجا پہلوان مطمئن سا ہو گیا تھا اور اب اس کے چہرے پر طمانیت کے آثار نظر آ رہے تھے۔ وہ کسی ضرورت کے لئے باہر نکل گیا اس کے جاتے ہی قوبے نے فرط جذبات سے جنت کو کلاوے میں لے لیا اور بڑی اپنائیت سے پوچھا۔ میری جنت تمہیں کیا ہو گیا تھا، اب طبیعت کیسی ہے؟

''قوبے! میں بالکل ٹھیک ہوں اب تُو کوئی فکر نہ کر اور دیکھ مجھے چھوڑ دے بھائی آ جائے گا''۔

میرا جی چاہا قوبے کے ٹکڑے کر کے کسی کنویں میں پھینک دوں وہ میری آنکھوں کے سامنے حسن کے دریا میں داخل ہو گیا تھا جو کناروں تک لبالب بھرا ہوا تھا اور جس کے ایک ایک گھونٹ کو میں ترس رہا تھا۔ مجھے خدا کی تقسیم پر غصہ آیا کسی کو تو جھولیاں بھر کر دے دیتا ہے اور

ISO 9001:2008
النور فین
رجسٹرڈ
النور الیکٹرک انڈسٹریز B-75، سمال انڈسٹریز اسٹیٹ، جی ٹی روڈ گجرات
053-3530447 , 0300-9702203 , 0345-6333393
http://www.alnoorfans.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

کسی کو دانے دانے کا محتاج کر دیتا ہے۔

"لیکن یہ تو اُس کی مرضی ہے"۔ میں نے نذیر کو ٹوک کر کہا۔ "وہ خوب جانتا ہے کہ کون کس کے قابل ہے نظام کائنات چلانے میں اسے کسی کے غصے کی کوئی پروا نہیں ہے"۔

"ہاں، قاری صاحب! یہ تو ٹھیک ہے اور حقیقت بھی یہی ہے لیکن اُس وقت میں شیطان کا ہمسفر تھا"۔ نذیر نے کہا۔ "آپ میری موجودہ حالت کو سابقہ حالت پر قیاس نہ کریں۔ اب جبکہ خدا نے مجھے اس دلدل سے نکال دیا ہے تو محض تذکیر بایام اللہ کے طور پر آپ کو یہ باتیں سنا رہا ہوں تا کہ جو سنے وہ عبرت حاصل کرے اور صراط مستقیم سے ہٹ کر شیطان کے راستے کی طرف نہ جائے ابھی تو میں اس طرف بڑھ رہا ہوں اور ایسے واقعات کی طرف آ رہا ہوں جن کے سننے کی آپ میں تاب نہیں ہوگی۔

(واقعی وہ واقعات اس قدر گھناؤنے تھے کہ میں نے سپردِ قلم کرنے کی ہمت نہیں کی۔ راقم)

گلی میں ناجے پہلوان کے کھانسنے کی آواز آئی قوبے نے جھٹ سے جنت کو چھوڑ دیا اور ذرا دور ہو کر کھڑا ہو گیا حالانکہ جنت سے اسے کوئی اخلاقی یا شرعی رکاوٹ نہیں تھی لیکن وہ حیا کا دور تھا شادی شدہ لڑکیاں والد اور بھائیوں کے سامنے اپنے خاوند کے پاس ایک چارپائی پر بیٹھنے سے بھی کتراتی تھیں۔ ناجے نے ایک ہاتھ ماتھے پر رکھا اور جھک کر کھڑا ہو گیا اور پھر میری طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا۔ فقیر سائیں آپ دعا کریں ہم آپ کی بہت خدمت کریں گے۔

"ٹھیک ہے ناجے!" میں نے کہا۔ "لیکن اس کے لئے ہمیں اس جن کو حاضر کرنا پڑے گا جس نے جنت پر سایہ ڈالا ہوا ہے"۔

"ٹھیک ہے فقیر سائیں! اس بارے میں آپ ہم سے بہتر جانتے ہیں"۔

"آپ ایسا کریں کہ کسی کمرے میں علیحدہ بیٹھنے کا انتظام کریں"۔ میں نے کہا۔ "اور کوئی مصلیٰ وغیرہ بچھا کر اس پر جنت کو بٹھا دیں ہم ابھی اس خبیث جن کو حاضر کر کے سخت سزا دیں گے"۔

قوبے! فقیر سائیں کے کہنے کے مطابق انتظام کر دو اور جنت کو اندر بٹھا دو"۔ ناجے نے کہا۔

"بہت اچھا لیکن بھائی ناجے! جنت اکیلی ڈر نہ جائے"۔ قوبے نے ہمدردانہ انداز سے کہا۔

"نہیں کچھ نہیں ہوگا ہم اس کے پاس ہوں گے"۔ میں نے جلدی سے کہا۔ قوبا کچھ متذبذب سا تھا لیکن ناجے کے کہے کو ٹال بھی نہیں سکتا تھا۔ میرے اندر کا شیطان پوری طرح سے بیدار ہو چکا تھا۔ جنت کو اپنے قریب پا کر مجھے ایک ناقابلِ بیان کیفیت نے سحر زدہ سا کر دیا تھا۔

"قوبے! دروازہ بند کر دو اور باہر دھریک کے سائے میں جا کر بیٹھ جاؤ"۔ میں نے جلالی لہجے میں کہا۔ "اور کوئی شخص ادھر نہ آئے ورنہ ہمارے عمل میں نقص پیدا ہونے کا اندیشہ ہے"۔

"ٹھیک ہے فقیر سائیں!" اس نے کہا۔

"جنت! اِدھر دیکھو"۔ میں نے ذرا بلند آواز سے کہا۔ اس نے غیر اختیاری طور پر میری طرف دیکھا اور پھر میری نظروں کے حصار میں جکڑی گئی اب وہ میرے سامنے بالکل بے بس تھی۔ میں نے پوری توجہ سے اس کے حواس کو اپنے قابو میں کیا اور پھر یکدم نظریں اس سے ہٹالیں وہ ایک جھٹکے سے زمین پر گری اور پھر بے سدھ ہو گئی۔ شیطان اپنی پوری قوت سے مجھ پر سوار ہو چکا تھا کہ اچانک زوردار دھماکے سے دروازہ کھلا کوئی شخص تیزی سے اندر آ کر میری طرف بڑھ رہا تھا۔

(یہ عبرت ناک داستان جاری ہے)

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

ضربِ سکندری

او رمارشل لاء نا گزیر ہو گیا!

جمہوریت کے ثنا خوانوں کو یہ حقیقت فراموش نہیں کرنی چاہئے کہ پاکستان کے جس مارشل لاء کو یاد کر کے ان کا دل خون کے آنسو روتا ہے، اس نے جمہوریت کی کوکھ سے ہی جنم لیا تھا۔

سکندر خان بلوچ

7 اکتوبر 1958 ہماری تاریخ کا وہ ''بدقسمت'' دن شمار ہوتا ہے جب ملک میں پہلا مارشل لاء لگا۔ یہ واقعی بدقسمت دن تھا یا نہیں اِس کا فیصلہ تو تاریخ دان ہی کر سکتے ہیں لیکن یہ وہ مارشل لاء تھا جو اُس وقت کی جمہوری حکومت کے حکم سے لگایا گیا اور یہ حکمنامہ تا حال جی ایچ کیو کی فائلز میں موجود ہے۔ بین الاقوامی غیر جانبدارانہ تجزیوں کے مطابق اگر اُس وقت ملک فوج کے حوالے نہ کیا جاتا تو یقیناً ملک کا شیرازہ بکھر سکتا تھا۔ یہ وہ مارشل لاء تھا جس کے نفاذ پر محترمہ فاطمہ جناح صاحبہ نے بھی شکرانے کے کلمات کہے۔ بعد میں اس مارشل لاء سے ملک کو کتنا نقصان پہنچا یا کتنا فائدہ ہوا یہ ایک الگ بحث ہے لیکن اِس وقت میرا مقصد اپنے قارئین کی توجہ اس مارشل لاء کی جانب مبذول کروانی ہے جو پہلی دفعہ ملک میں لگا اور 7 اکتوبر 1958 والے مارشل لاء کی بنیاد بنا۔ یہ مارشل لاء 6 مارچ 1953 بروز جمعہ ٹھیک دن کے ڈیڑھ بجے لاہور میں لگایا گیا جسے جنرل اعظم خان کا مارشل لاء بھی کہا جاتا ہے۔

پہلا مارشل لاء

میری نظر میں یہ پاکستانی فوج کی بدقسمتی ہے کہ اسے ملک کی اندرونی سیکورٹی اور ہر قسم کی چھوٹی بڑی قدرتی یا سیاسی آفات پر قابو پانے کے لئے استعمال

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

کرنے کا رواج بن گیا ہے۔ قیام پاکستان کے وقت توفوج کی انوالومنٹ مجبوری تھی لیکن بعد میں جب ہر ضرورت کے لئے علیٰحدہ محکمے قائم ہو گئے۔ وافر مقدار میں انہیں بجٹ بھی ملتا ہے۔ قومی خزانے سے تنخواہ پانے والوں کی بھی کمی نہیں لیکن نہ جانے کیوں پھر بھی ہمارے نا اہل اور شاطر حکمران فوج کو برا بھلا بھی کہتے ہیں اور فوج ہی کے کندھوں پر بیٹھ کر حکومت کرتے ہیں۔ ہر قدرتی آفت یا قومی سانحہ کے وقت یہ فوج ہی ہے جو عوام کی مدد کے لئے سامنے آتی ہے۔ اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ ایمرجنسی میں عوام فوج ہی کی جانب دیکھتے ہیں۔ جمہوری حکومتیں اپنے بلند بانگ وعدوں کے باوجود کرائسز میں عوام کا اعتماد حاصل کرنے میں ناکام ہیں۔ یہ جمہوری لیڈروں کے لئے یقیناً لمحہ فکریہ ہے۔

قیام پاکستان کے بعد مہاجرین کی بحالی کے عمل سے کرپشن اور بہت سی معاشرتی برائیوں نے جنم لیا جس کا کسی کو وہم و گمان بھی نہ تھا۔ مزید بدقسمتی یہ ہوئی کہ قائد اعظم 11 نومبر 1948 کو وفات پا گئے اور جناب لیاقت علی خان کو اکتوبر 1951 میں سر عام شہید کر دیا گیا۔ اُس کے ساتھ ہی ملکی سیاست میں ایک اتنا بڑا خلا پیدا ہوا جسے پُر کرنا ناممکن ہو گیا۔ لوٹ مار، ناجائز قبضے، بلیک مارکیٹنگ، سمگلنگ، ذخیرہ اندوزی اور سب سے بڑھ کر اقتدار کی رسہ کشی عوام کے لئے ایک عذاب کی صورت اختیار کر گئی۔ 1952 کے آخر میں احمدیوں کے خلاف جماعت اسلامی نے تحریک شروع کر دی جس میں احراری بھی شامل ہو گئے۔ یہ تحریک فوری طور پر مذہبی رنگ اختیار کر گئی اور پورا پنجاب اس کی لپیٹ میں آ گیا۔ اقتدار کے پجاریوں کو بھی اپنی سیاست چمکانے کا موقع نظر آیا لہٰذا وہ بھی شامل ہو گئے۔ فروری 1953 تک حالات قابو سے باہر ہو گئے۔ افواہ یہ تھی کہ وزیر اعلیٰ پنجاب حالات خراب کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ اُس وقت جناب ملک غلام محمد صاحب گورنر جنرل، خواجہ ناظم الدین وزیر اعظم، جناب ابراہیم اسماعیل چندریگر گورنر پنجاب اور جناب میاں ممتاز محمد خان دولتانہ وزیر اعلیٰ پنجاب تھے۔

یکم مارچ 1953 کو پورا پنجاب اور کراچی فسادات کی آگ میں جلنے لگے۔ احتیاطی طور پر کراچی اور پنجاب کے اہم اضلاع میں فوج بھیج دی گئی۔ پولیس اس وقت تک غیر سیاسی تھی اس لئے کافی مؤثر تھی۔ لہٰذا کراچی میں پولیس نے حالات کنٹرول کر لئے۔ مظاہرین بھاگ کر لاہور آ گئے جہاں اندرونِ شہر مسجد وزیر خان کو اپنا ہیڈ کوارٹر بنا لیا۔ شدید مظاہرے پنجاب کے باقی اضلاع میں بھی ہوئے لیکن فوج کی موجودگی کی وجہ سے حالات قابو میں رہے۔ لاہور میں تا حال فوج نہیں بلائی گئی تھی 3/2 مارچ کی رات کو کرفیو کے باوجود لاہور میں خونی مظاہرے شروع ہو گئے تو فوج کی امداد طلب کر لی گئی۔ فرسٹ بلوچ رجمنٹ اور 6 لانسرز بھیج دی گئیں لیکن چیف منسٹر صاحب نے مسئلے کا سیاسی حل نکالنے کی غرض سے فوج کو ہر قسم کی کارروائی سے منع کر دیا۔ اسی طرح پولیس اور باقی بیوروکریسی کو بھی فری ہینڈ نہ دیا گیا جس سے حالات مزید خراب ہوئے اور سٹاف میں مایوسی پھیل گئی۔ بعد میں جب پولیس کو کارروائی کے احکامات دیئے تو گئے لیکن اس وقت تک حالات قابو سے باہر ہو چکے تھے۔ پولیس کی کارروائی کا اُلٹا اثر ہوا اور عوام مزید مشتعل ہو گئے۔

3 مارچ کو حالات اتنے خراب ہوئے کہ پولیس کی ایک پارٹی اندرون شہر داخل ہوئی تو تحریک کے لوگوں نے حملہ کر دیا۔ ڈی ایس پی فردوس خان موقعہ پر ہلاک ہو گیا اور دو سپاہی شدید زخمی ہو گئے۔ گو شہر میں کرفیو تھا لیکن اُس کی کسی کو پروا نہ تھی۔ پولیس اور سول انتظامیہ بالکل مفلوج ہو گئیں۔ ہر طرف گھیراؤ جلاؤ اور لوٹ مار کا عمل شروع تھا۔ احمدیوں کو پکڑ کر زندہ جلانے کی کوششیں بھی

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

کی گئیں۔راولپنڈی کی ایک احمدی مسجد میں ایک شخص کو جلایا بھی گیا جو زخموں کی تاب نہ لا کر موت کے منہ میں چلا گیا۔لاہور میں مسجد وزیر خان سے ایک بہت بڑا جلوس نکلا جو نعرے لگاتا ہوا سول سیکرٹریٹ کی طرف چلا۔ راستے میں تھانہ کوتوالی پر حملہ کر دیا۔خوش قسمتی سے اس وقت فرسٹ بلوچ رجمنٹ کا کمانڈنگ آفیسر کرنل علیم وہاں پر موجود تھا جس نے حالات سنبھال لئے اور یوں تھانہ تباہ ہونے سے بچ گیا۔6 مارچ کو سول سیکریٹریٹ کے ملازمین ہڑتال پر چلے گئے۔بجلی اور پانی کی یونین نے گورنر اور وزراء کے کنکشن کاٹنے کی دھمکی دے دی۔سول حکومت مکمل طور پر مفلوج ہوگئی اور عوام کا سیلاب قابو سے باہر ہو گیا جو ہر چیز کو جلانے اور توڑنے پر عمل پیرا تھا۔ حالات کی شدت کے پیش نظر گریژن کمانڈر جنرل محمد اعظم خان نے جی ایچ کیو رابطہ کیا تو وہاں سے فوری طور پر مارشل لاء کے احکامات دے دیئے گئے۔

ایک گھنٹے کے اندر اندر تمام اہم مقامات پر فوج پہنچ گئی اور چیک پوسٹیں قائم کرلیں۔ساتھ ہی ملٹری کورٹس بھی قائم ہو گئے۔تحریک کے راہنماؤں کو گرفتار کر لیا گیا جنہیں ملٹری کورٹس میں ٹرائی کر کے جناب مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اور عبدالستار نیازی کو سزائے موت سنادی گئیں جو بعد میں سعودی عرب کے کہنے پر معاف کی گئیں۔ چوبیس گھنٹوں کے اندر حالات قابو میں آگئے اور ایک ہفتے تک بالکل معمول پر آگئے۔دس دنوں بعد فوج نے واپس جانے کی اجازت چاہی لیکن حکومت اتنی خوفزدہ تھی کہ واپسی کی اجازت نہ دی گئی۔

23 مارچ کو فوج کے کہنے پر لاہور میں ''ہفتہ صحت و صفائی'' منایا گیا۔پورا شہر پھول کی طرح نکھر آیا۔بلیک مارکیٹنگ ،ذخیرہ اندوزی اور ناجائز تجاوزات بالکل ختم ہو گئے۔سڑکیں اور فٹ پاتھ کھلے ہو گئے۔ حیران کن بات تھی کہ پورے شہر میں مٹھائی ،گوشت اور دیگر کھانے پینے کی اشیاء سب ڈھانپی گئیں۔گھٹیا مال بازار سے غائب ہو گیا۔قیمتیں اعتدال پر آگئیں۔لاہور کے ہفتہ صحت وصفائی کا پبلک پر اتنا اچھا اثر پڑا کہ کراچی اور ڈھاکہ بھی فوج کے حوالے کرنے کے مطالبات شروع ہو گئے جس سے حکومتی حلقوں میں تشویش کی لہر دوڑ گئی۔ ٹھیک 70 دنوں بعد مارشل لاء اٹھالیا گیا۔یہ مارشل لاء کئی راہنماؤں کو بھی لے ڈوبا۔جناب دولتانہ صاحب کو 24 مارچ ،وزیر اعظم کو 17 اپریل اور آئی آئی چندریگر کو 2 مئی کو فارغ کر دیا گیا۔

فوج کی طرف سے ایک شاندار کارنامہ یہ سامنے آیا کہ مسجد وزیر خان کے اردگرد کی دکانیں سیاسی وجوہات کی وجہ سے خالی کرائی گئی تھیں۔فوج نے متبادل دوکانیں دو ہفتوں کے اندر تعمیر کر دیں جو ''اعظم کلاتھ مارکیٹ'' کے نام سے مشہور ہوئیں۔ جنرل محمد اعظم خان اس مارکیٹ کا افتتاح کرنے اندرون شہر پہنچے۔اردگرد مکانوں کی چھتوں پر بہت سے لوگ جمع تھے۔جنرل صاحب افتتاح کرنے کے بعد کار میں بیٹھنے کے لئے ابھی ایک پاؤں ہی اندر رکھا تھا کہ ساتھ والے مکان کی چھت سے ایک بزرگ نے زور سے نعرہ لگایا''آج دیکھ لیا قانون اور اس کا احترام'' جنرل صاحب گاڑی سے نیچے آئے اور سامنے چھتوں پر کھڑے مجمعے کو سلیوٹ کیا۔اس کے ساتھ ہی مجمع کے نعروں سے آسمان گونج اٹھا ''پاکستان فوج زندہ باد! پاکستان پائندہ باد!'' یہ نعرے آدھ گھنٹہ جاری رہے۔فوج کی مثالی کارکردگی نے قومی تاریخ کا رخ ہی بدل دیا۔ یہ مارشل لاء سراسر ہمارے سیاستدانوں کے ہوس اقتدار اور غیر ذمہ دارانہ سیاست کا نتیجہ تھا جو بالآخر اکتوبر 1958 کے مارشل لاء کی بنیاد بنا۔

اکتوبر 1958 کا مارشل لاء۔پس منظر

افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ پاکستانی سیاست میں

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

کوئی ایسا بنیادی نقص ہے کہ نہ تو یہ آزادانہ طور پر کام کر سکتی ہے اور نہ ہی کسی گڈ گورننس کی اہل ہے، جس سے عوام کو سکون ملے اور ملک ترقی کرے۔ ہمارے سیاستدانوں کو آپس میں دست و گریباں ہونے سے فرصت ہی نہیں ملتی اور مزید بدقسمتی یہ کہ جب بھی کوئی پارٹی اقتدار میں آتی ہے عوامی خدمت کی بجائے اپنی خدمت میں مصروف ہو جاتی ہے جس سے ایک طرف تو جمہوری آمریت پروان چڑھتی ہے اور دوسری طرف کرپشن، اقربا پروری، ناانصافی، مہنگائی اور لا قانونیت جیسی لعنتیں اپنی جڑیں چھوڑ کر معاشرے کو اپنے شکنجے میں جکڑ لیتی ہیں۔ ظاہر ہے اس قسم کی منفی حکمرانی کے اثرات غریب عوام ہی کو برداشت کرنے پڑتے ہیں جس سے عوام کی زندگی جہنم بن جاتی ہے۔ یہی حالات اس وقت بھی تھے۔

اس وقت مشرقی پاکستان سلامت تھا لیکن دونوں ونگز کے روّیے ایک دوسرے سے مختلف بلکہ متضاد تھے۔ مغربی پاکستان میں مسلم لیگ حکومت جاگیرداروں اور وڈیروں کے ہاتھ میں تھی اور یہ لوگ پاکستان مسلم لیگ کے سرکردہ تھے۔ ان کی مرضی کا ہی قانون تھا۔ لیکن مشرقی پاکستان کے سیاستدان متوسط طبقے کے لوگ تھے۔ مشرقی پاکستان انگریز دورِ حکومت میں بھی ایک پسماندہ علاقہ تھا جو کلکتہ سے رول کیا جاتا تھا۔ کلکتہ بہت ترقی یافتہ اور تعلیمی لحاظ سے پورے ہندوستان میں سب سے آگے تھا۔ تمام انڈسٹریز اور دیگر تہذیبی مراکز بھی کلکتہ ہی میں تھے۔ جب مشرقی پاکستان علیحدہ ہوا تو قوی امید تھی کہ کلکتہ مشرقی پاکستان کا حصہ بنے گا کیونکہ وہاں اکثریت مسلمانوں کی تھی۔ لیکن ایسا نہ ہوسکا۔ لہٰذا مشرقی پاکستان بن تو گیا لیکن مشرقی پاکستان کا کلچرل سنٹر کلکتہ ہی رہا۔ اس کا اندازہ دو مثالوں سے لگایا جاسکتا ہے۔ 1965 کی جنگ میں میری پوسٹنگ جی پی او ڈھاکہ ہوئی جہاں ہمارا کام ڈاک سنسر کرنا تھا۔ ہم تمام مغربی پاکستانی آفیسرز اس بات پر حیران تھے کہ بہت سے بنگالی نوجوان کلکتہ کے مختلف اداروں سے رابطے میں تھے اور بہت سے نوجوان کلکتہ فلم ایکٹریسز کو خط لکھتے اور اکثر خطوط ان کے اپنے خون سے لکھے ہوتے۔ لفافوں میں ڈالرز اور پاکستانی روپے بھی ہوتے۔ دوسرا ایک دفعہ مجھے کیڈٹ کالج فوجدار ہاٹ کے پرچے چیک کرنے پڑے تو یہ امر پریشان کن تھا کہ تمام طلباء نے اپنا پسندیدہ ہیرو سبھاش چندرا بوس اور پسندیدہ شاعر رابندرا ناتھ ٹیگور پر مضامین لکھے۔ ہمارا تجزیہ یہ تھا کہ مشرقی پاکستان زیادہ سے زیادہ دس سال مغربی پاکستان کے ساتھ رہے گا لیکن یہ تجزیہ پانچ سال بعد ہی پورا ہوگیا۔

مشرقی پاکستان کے معاشی اور معاشرتی حالات مغربی پاکستان سے سراسر مختلف تھے۔ سابقہ مشرقی پاکستان میں تقریباً 15 سے 20 فیصد ہندو تھے جو تمام تجارت، سرکاری ملازمتوں اور دیگر شعبہ ہائے زندگی خصوصاً تعلیمی اداروں پر قابض تھے۔ یہ لوگ بھارت گئے ہی نہیں۔ ان لوگوں نے اپنے ناطے کلکتہ کے ساتھ استوار رکھے اور یہاں سے پٹ سن، چائے اور چاول وغیرہ کی کلکتہ منظم طریقے سے سمگلنگ کر کے مشرقی پاکستان کی معیشت کھوکھلی کر دی۔ دوسرا مشرقی پاکستان کے تمام جاگیردار ہندو تھے۔ ان لوگوں نے اپنی فیملیز تو کلکتہ شفٹ کر دیں جہاں ان کے بچے تعلیم حاصل کرتے تھے۔ یہ لوگ بذاتِ خود بھی رہتے تو کلکتہ میں تھے لیکن اکثر مشرقی پاکستان آ کر اپنی جاگیروں کا کنٹرول سنبھالتے۔ تمام فصل اٹھا کر کلکتہ لے جاتے اور غریب مسلمان محض ان کے مزارعہ تھے۔ ہندو اثر کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ ایک دور میں راجشاہی یونیورسٹی کے شعبہ اسلامیات کا سربراہ ایک ہندو ڈاکٹر تھا۔

پاکستان بنا تو اسلام کے نام پر تھا لیکن ہندوؤں

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

نے یہ نظریہ شروع سے ختم کر دیا لہٰذا تمام مشرقی پاکستانیوں کا قبلہ اسلام آباد کے بجائے کلکتہ رہا۔ یہ ہندو شروع سے ہی بھارت کے ساتھ منسلک تھے تو ان لوگوں نے مغربی پاکستان کے خلاف شدید نفرت پھیلائی نہ ہی وہاں کی صوبائی حکومتوں کو کبھی تسلی سے کام کرنے دیا۔ وہاں کی صوبائی حکومت کی کارکردگی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اگست اور ستمبر 1958 کے دو ماہ میں تین حکومتیں تبدیل ہوئیں۔ مشرقی پاکستان کا ابوسر کارنامی وزیرِاعلیٰ صرف تین دن وزیرِاعلیٰ رہا۔ 23 ستمبر 1958 کے سیشن میں صوبائی اسمبلی میں اس قدر ہنگامہ ہوا کہ ڈپٹی سپیکر شاہد علی خان سخت زخمی ہوا اور بعد میں زخموں کی تاب نہ لا کر فوت ہو گیا۔ حالات اس قدر خراب ہو گئے کہ مشرقی پاکستان کے ڈویژنل کمانڈر میجر جنرل راؤ امراؤ خان نے مجبوراً تمام حالات سے جی ایچ کیو کو مطلع کیا اور جی ایچ کیو نے وفاقی حکومت کو۔

مارشل لاء کا نفاذ

مغربی پاکستان میں بھی حالات اس سے مختلف نہ تھے۔ چند سال کے عرصے میں چھ وزرائے اعظم تبدیل ہوئے اور بھارتی وزیرِاعظم نہرو نے پاکستانی حکومت کا تمسخر اڑاتے ہوئے کہا تھا: "میں نے اتنی دھوتیاں نہیں بدلیں جتنے پاکستان نے وزیرِاعظم بدلے ہیں"۔ سیاسی ہنگامہ آرائی اور بدنظمی اپنی جگہ لیکن سب سے تکلیف دہ بات روز بروز بڑھتی ہوئی معاشی زبوں حالی تھی۔ بڑے بڑے سمگلرز، ذخیرہ اندوز اور بلیک مارکیٹیرز کے گروپس معرضِ وجود میں آ گئے جنہوں نے پورے معاشی نظام کو اپنے شکنجے میں جکڑ لیا۔ علاوہ ازیں بھارت نے پاکستان پر اس طرح کی معاشی جنگ مسلط کی کہ مشرقی پاکستان میں قحط کی سی صورتِ حال پیدا ہو گئی۔ جب عوام کو کھانے کو نہیں ملے گا تو یقیناً امن و امان کا مسئلہ تو پیدا ہو گا۔ نتیجتاً ہڑتالیں، روزمرہ ہنگامے، عدم برداشت اور مذہبی تفرقہ بازی نے حالات مزید خراب کر دیئے۔ حکومت بے بس ہو گئی تو اس وقت کے صدر جنرل اسکندر مرزا نے 7 اکتوبر 1958 کو قومی و صوبائی اسمبلیاں تحلیل کر دیں۔ سیاسی پارٹیوں پر پابندی لگا دی۔ 1956 کا قانون منسوخ کر دیا اور ملک میں مارشل لاء کے نفاذ کا اعلان کر دیا۔ یوں حکومت اس وقت کے کمانڈر انچیف جنرل محمد ایوب خان کے پاس چلی گئی۔ اس اعلان کا پورے ملک میں خیر مقدم کیا گیا۔ سپریم کورٹ نے اس مارشل لاء کی توثیق بھی کر دی۔ جنرل ایوب خان نے بطور چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر پورے ملک کا نظام سنبھال لیا۔ ساتھ اسکندر مرزا نے جنرل صاحب کو وزارتِ عظمیٰ کا عہدہ بھی سونپ دیا۔

یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ میجر جنرل اسکندر مرزا کا اصل رینک کیپٹن تھا۔ یہ برصغیر کا پہلا شخص تھا جسے 1920 میں برٹش انڈین آرمی میں کمیشن ملا۔ اسکی ذہانت کو مدِنظر رکھتے ہوئے اسے 1926 میں انڈین پولیٹیکل سروس میں ٹرانسفر کر دیا گیا۔ پاکستان بننے پر اس نے مختلف اہم عہدوں پر کام کیا۔ برٹش انڈین آرمی کی تقسیم اور پاکستان ملٹری اکیڈیمی کے قیام میں اس نے بہت اہم کردار ادا کیا۔ کیپٹن سے اوپر والے تمام رینکس اسے اعزازی طور پر دیئے گئے تھے یا اپنی ہوشیاری سے ہتھیائے۔ وزارتِ عظمیٰ کا عہدہ سنبھالنے کے بعد جنرل محمد ایوب خان نے 24 اکتوبر کو اپنی کابینہ بنائی جس میں کل بارہ وزراء تھے۔ اس کابینہ نے 27 اکتوبر کو حلف لیا۔ اس میں لیفٹیننٹ جنرل محمد اعظم خان، لیفٹیننٹ جنرل برکی، لیفٹیننٹ جنرل کے ایم شیخ، جناب منظور قادر بطور وزیرِ خارجہ، جناب محمد شعیب وزیرِ خزانہ اور جناب ذوالفقار علی بھٹو بطور وزیرِ تجارت شامل تھے۔ یہاں یہ بات یاد رہنی چاہیے کہ اس وقت مغربی اور مشرقی پاکستان

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

اکٹھے تھے اور کل وزراء کی تعداد فقط بارہ۔ اب صرف مغربی پاکستان کے لئے وزراء، ڈپٹی اور مشیران وغیرہ ملا کر تعداد سو کے لگ بھگ ہے اور حکومتی رٹ کہیں نظر نہیں آتی۔ جنرل اسکندر مرزا صاحب بھٹو صاحب کی ذہانت سے بہت متاثر تھے۔ صدر اسکندر مرزا اور جنرل محمد ایوب خان کسی حد تک ہم نوالہ اور ہم پیالہ تھے۔ دونوں مغربی جمہوریت اور مغربی کلچر پسند کرتے تھے کیونکہ دونوں سینڈ ہرسٹ ملٹری اکیڈمی کے تربیت یافتہ تھے۔ دونوں شکار کے شوقین تھے جس کا بندوبست اکثر بھٹو صاحب اپنی جاگیر پر کرتے تھے۔ دونوں مغرب میں بااثر تھے۔ بہر حال جنرل ایوب خان اور اسکندر مرزا کی دوستی زیادہ دیر قائم نہ رہی۔ 23 اکتوبر 1958 کو اسکندر مرزا سے زبردستی استعفیٰ لے کر اسے انگلینڈ روانہ کر دیا گیا۔ اس زبردستی استعفیٰ کی وجہ یہ تھی کہ جب ایوب خان مشرقی پاکستان کے دورے پر تھا تو اسکندر مرزا نے کچھ دیگر سینئر جنرلز کے ساتھ مل کر فوج میں نفاق ڈال کر نیا مارشل لاء لانے کی کوشش کی تھی۔

اصلاحات

اقتدار سنبھالتے ہی ایوب خان نے بہت سی اصلاحات کیں۔ پہلا کام تو یہ کیا کہ سمگلروں، بلیک مارکیٹ کرنے والوں اور ذخیرہ اندوزوں کے خلاف سخت قوانین بنائے اور ان پر فوری عمل شروع ہوگیا۔ دو دنوں کے اندر چھپایا ہوا سامان باہر آگیا اور سمگلروں نے خود رضا کارانہ طور پر قانون کے حوالے کر دیا۔ حیران کن بات یہ ہوئی کہ سمگلروں نے کئی من سونا جو سمندر میں چھپایا ہوا تھا وہ بھی حکومت نے پکڑ لیا۔ ذخیرہ اندوزی کے خاتمے سے چیزوں کی قیمتیں یکدم اعتدال پر آگئیں اور عوام میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ ساتھ ہی حکومت نے تاجر یونینز، کسان یونینز اور روزمرہ ہڑتالوں پر پابندی لگا دی۔ چوروں اور ڈاکوؤں کو سخت سزائیں دینا شروع کیں تو دنوں میں چوری اور چور بازاری ختم ہوگئی اور امن و امان مثالی حیثیت اختیار کر گیا۔ 1947 سے مہاجرین کی آبادکاری کا مسئلہ چل رہا تھا۔ حکومت نے محکمہ بحالیات مہاجرین بنا دیا۔ حکومت کا جب پریشر آیا تو بہت سے لوگوں نے جو جھوٹے کلیم داخل کئے ہوئے تھے وہ سب رضا کارانہ طور پر واپس لے لئے۔ کراچی کے پاس کورنگی کالونی کی تعمیر شروع کی گئی اور چھ ماہ میں پندرہ ہزار مکانات تیار ہوگئے جو مہاجرین کو دے دیئے گئے اور یوں مہاجرین کی بحالی کا مسئلہ بھی حل ہوگیا۔ یہاں یہ بات یاد رہنی چاہیے کہ موجودہ جمہوری حکومتیں سیلاب زدگان یا زلزلہ متاثرین کے لئے چند مکانات تعمیر کرنے کے لئے کئی سال لے لیتی ہیں جبکہ مارشل لاء نے پندرہ ہزار مکانات چھ ماہ میں مکمل کرا دیئے۔ پھر بھی ہمیشہ بدنامی فوج ہی کی ہوتی ہے۔

جنرل صاحب سیاستدانوں سے سخت الرجک تھے۔ جنرل ایوب خان کے خیال میں پارلیمانی جمہوریت بلیک میلنگ کا دوسرا نام تھا۔ سیاستدانوں کی بلیک میلنگ ہی کی وجہ سے پاکستان تباہی کے دہانے تک پہنچا تھا اور مارشل لاء ناگزیر ہوگیا۔ سیاستدان ذاتی اقتدار کے لئے ملک توڑنے کی حد تک جا سکتے تھے جو بعد میں شیخ مجیب الرحمٰن اور ذوالفقار بھٹو کی چپقلش سے ثابت بھی ہوگیا۔ لہٰذا ایوب خان نے اپنے دور حکومت کی ابتداء صدارتی نظام سے کی۔ ایوب خان نے سیاستدانوں کو پاکستان کی تباہی و بربادی کا ذمہ دار قرار دیا۔ لہٰذا انہوں نے تمام سیاستدانوں اور سیاسی تحریکوں پر چھ سالوں کے لئے پابندی لگا دی۔ اس پابندی کو (Elected Bodies Disqualification Order) کا نام دیا گیا۔ اس کے بعد جنرل صاحب نے تمام شعبہ ہائے زندگی میں اصلاحات کا نفاذ کیا جسے پبلک نے بہت

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

پسند کیا۔ان اصلاحات کی بدولت روزمرہ اشیاء کی مہنگائی کا رجحان ختم ہوا اور قیمتوں میں استحکام آیا۔ پرائیویٹ انٹر پرائز کے رجحان کی حوصلہ افزائی کی گئی اور مالی امداد کا بندوبست بھی کیا گیا جس سے ملک کے طول وعرض میں چھوٹی بڑی صنعتیں قائم ہوگئیں جن سے صنعتی پروڈکٹس میں خاطر خواہ اضافہ ہوا۔ مارشل لاء کے پہلے تین سالوں میں صنعتی انڈیکس 66.5 پوائنٹس ہوگیا جبکہ 1955 سے 1959 تک یہ محض 35.8 پوائنٹس پر منجمد تھا۔ اسی طرح زراعت کو بھی بہت اہمیت دی گئی اور ''سبز انقلاب'' کے نام سے ترقیاتی منصوبہ شروع کیا گیا۔ تین بڑے ڈیم بنائے گئے ۔پانچ بڑی نہریں کھودی گئیں جس سے پانی کسانوں تک پہنچا۔ بھارت کے ساتھ آبی تنازع حل کیا گیا جسے معاہدہ سندھ طاس کا نام دیا جاتا ہے۔ کسانوں کو بیج اور کھاد آسان اقساط پر مہیا کئے گئے۔ان اقدامات سے زراعت میں خاطر خواہ اضافہ ہوا اور زرعی انڈیکس 108 پوائنٹس سے بڑھ کر 131 پر چلا گیا۔

ایوب خان نے زرعی اصلاحات کے ساتھ ساتھ جاگیرداری نظام پر بھی ہاتھ ڈالا لیکن زمینداروں کے گٹھ جوڑ کی وجہ سے مکمل طور پر کامیاب نہ ہوسکا۔ ایوب خان کا بہت شاندار کارنامہ بہرحال وارسک ڈیم، منگلا ڈیم اور تربیلا ڈیم کی تعمیر تھی جس سے سمندر میں ضائع ہونے والے پانی پر کافی حد تک قابو پالیا گیا اور بجلی کی پیداوار ضرورت سے کہیں زیادہ ہوگئی۔ لیکن حیران کن بلکہ قابل مذمت بات ہے کہ ایوب خان کے بعد بھنے خان جمہوری حکومتیں آئیں اور آمرانہ حکومتیں بھی لیکن کسی کو معمولی سا ڈیم بنانے کی بھی جرأت نہ ہوئی اور آج ہم 18,18 گھنٹوں کی لوڈ شیڈنگ برداشت کر رہے ہیں۔ ایوب خان کے دور میں انڈسٹریل ڈیویلپمنٹ بنک بھی بنا جس کے فراخدلانہ قرضوں کی وجہ سے ملک کے دونوں حصوں میں بڑی بڑی انڈسٹری لگی۔ ایوب خان کی سوچ کے مطابق پاکستان تاحال مغربی طرزِ جمہوریت کا اہل نہ تھا۔ اسے کنٹرولڈ جمہوریت کی ضرورت تھی۔ اسی نظریہ کے پیشِ نظر بنیادی جمہوریت کا نظام لایا گیا جس کی رُو سے ملک کے دونوں حصوں میں 40-40 ہزار ممبرز بنیادی سطح پر منتخب ہوئے جو آگے ممبران قومی اسمبلی اور صدرِ پاکستان کا انتخاب کرتے۔ اُس دور میں اس جمہوری نظام کو کافی پذیرائی ملی اور پروفیسر ٹائن بی جیسی شخصیات نے بھی تعریف کی۔ ان ملکی اصلاحات کے ساتھ ساتھ ایوب خان نے افواجِ پاکستان کی تنظیم نو کی۔ افواج میں اسلحہ و گولہ بارود کی کمی دور کی اور سولجرز کی تربیت پر خصوصی توجہ دی گئی۔

بنگالیوں کا شروع سے یہ شکوہ تھا کہ چونکہ ملک کا صدر مقام مغربی پاکستان میں ہے۔ زیادہ تر بیوروکریسی بھی مغربی پاکستان ہی سے ہے لہٰذا ہر قسم کے ترقیاتی منصوبے مغربی پاکستان ہی میں شروع ہوتے ہیں اور ملک کا تمام سرمایہ مغربی پاکستان کی ترقی پر استعمال ہورہا ہے۔ لیکن جنرل صاحب نے مشرقی پاکستان کی شکایات پر خصوصی توجہ دی۔ ایوب خان نے پہلا کام یہ کیا کہ اس دور میں جتنی بھی غیرملکی امداد آرہی تھی اس کی تقسیم میں مشرقی پاکستان کا حصہ تین گناہ بڑھا دیا۔ اس امداد کے اثرات گاؤں تک پہنچنے شروع ہوگئے۔ اس دور میں قومی بجٹ کا حجم 52 ہزار ملین روپے تھا جس میں سے ستائیس ہزار ملین مشرقی پاکستان کی تعمیروترقی کے لئے مہیا کئے گئے۔ 55 لاکھ آدمیوں کو نئی ملازمتیں دی گئیں اور GNP 37 فیصد پر چلا گیا۔ بنیادی صنعتیں، تعلیم اور صحت پر خصوصی توجہ دی گئی۔ کھلنا میں نیوز پرنٹ فیکٹری اور فنچو گنج میں فرٹیلائزر فیکٹری لگائی گئیں۔ کرنافلی میں پیپر مل کی تعمیر ہوئی۔ 1970 میں کرنافلی مل اور کھلنا فیکٹری 82 ہزار ٹن پیپر بنا رہی تھیں۔ اس کے علاوہ آبی رسدورسائل کے وسائل کو کافی ترقی دی گئی جس میں کھلنا شپ

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

یارڈ، چٹاگانگ ڈاکیارڈ اور چلنا اینکر یج کی تعمیر قابل ذکر منصوبے تھے جو مکمل ہوئے۔ مشرقی پاکستان کا بجٹ جو 17 کروڑ پر ٹھہرا تھا مارشل لاء کے ابتدائی دور میں 40 کروڑ تک پہنچ گیا اور 1969 میں یہ 169 کروڑ تھا۔ 1962 کے مارشل لاء دور کے آئین میں مشرقی پاکستان کو بجٹ کا 56 فیصد منظور کیا گیا۔

1965 کی جنگ کے بعد امریکی امداد بند ہوگئی لیکن مشرقی پاکستان میں ترقیاتی منصوبے جاری رہے۔ 1965 میں مشرقی پاکستان کو ترقیاتی کاموں کے لئے 16 ہزار ملین روپے ملے ۔89 کروڑ سے 27 مختلف فیکٹریاں تعمیر کی گئیں جس میں چٹاگانگ سٹیل مل، ٹیکنیکل انسٹیٹیوٹ کپتائی، ریسرچ لیبارٹریز ڈھاکہ اور راجشاہی شامل ہیں۔ علیحدگی کے وقت مشرقی پاکستان میں چھوٹی بڑی سات سٹیل ملیں، پٹرولیم ریفائنریز، آرمز فیکٹریز، 53 جیوٹ ملز، 30 ٹمبر یز اور 6 آئل وگیس ریفائنریز موجود تھیں جو پاکستان کی تعمیر شدہ تھیں۔ ان صنعتوں کے نتیجے میں مشرقی پاکستان کی صنعتی پیداوار 300 سے بڑھ کر 2 ہزار فیصد ہوگئی۔ سلک اور کپڑے کی پیداوار 1 1/2 لاکھ مربع گز سے 58 لاکھ مربع گز تک پہنچ گئی، سڑکوں کی تعمیر 1,083 میل سے بڑھ کر 11,000 میل ہوگئی۔ اسی طرح ریلوے لائنز اور دریائی پورٹس کی بہت زیادہ ترقی ہوئی۔ دو بڑے بیراجز، زرعی نہریں بنیں۔ بجلی کی پیداوار 17 ہزار میگاواٹ سے بڑھ کر 83 ہزار میگا واٹ تک پہنچ گئی۔ تیج گاؤں (ڈھاکہ) جدید ایئرپورٹ اور دو ٹیلی ویژن سٹیشن بھی تعمیر کئے گئے۔ 67 ہزار سکولز، 225 کالجز اور پانچ یونیورسٹیاں اور ایک کیڈٹ کالج بھی بنا۔ بہر حال یہ لسٹ بہت طویل ہے۔ اس شاندار ترقی سے کم از کم یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اگر کوئی حکمران ملک کی ترقی چاہے تو بے پناہ وسائل موجود ہیں۔

مارشل لاء کا زوال

مرحوم بریگیڈیر صدیق سالک نے اپنی تخلیق ''پریشر ککر'' میں لکھا تھا: ''ہر آمر کے دور اقتدار پر Date of Expiry لکھی ہوتی ہے''۔ یہی حال ایوب خان کا ہوا۔ ایوب خان اس وقت اقتدار میں آیا جب ملک تباہی کے کنارے پہنچ چکا تھا۔ مارشل لاء نے ڈوبتی ہوئی معیشت کو سہارا دیا اور مارشل لاء کے ابتدائی دور میں مثالی ترقی ہوئی پاکستان ترقی میں بھارت کو بہت پیچھے چھوڑ گیا اور ورلڈ بنک نے پاکستانی معیشت کو مثالی معیشت قرار دیا لیکن ایوب خان بھی ایسی برائیوں کا شکار ہوا جو ہر آمر کا مقدر بنتی ہیں۔

1۔ ایوب خان کی پہلی خرابی یہ تھی کہ ابتدائی طور پر شاندار کامیابیوں کے بعد کسی حد تک تکبر اور خود پسندی کا شکار ہوگیا۔ اہل اہلکاروں کی بجائے خوشامد پسند زیادہ اچھے لگنے لگے اور پھر انہی لوگوں نے قربت حاصل کی۔ مثلاً بھٹو صاحب ایوب خان کو ڈیڈی کے لقب سے پکارتا تھا لہٰذا پسندیدہ شخص ٹھہرا۔ بھٹو نے ایوب خان کو سنہرے باغ دکھا کر فیلڈ مارشل کا رینک لگانے کے لئے اکسایا تو ایوب خان نے خود اپنی ترقی پر دستخط کر کے 28 اکتوبر 1950 کو فیلڈ مارشل کا رینک پہن لیا۔ مارچ 1965 میں رن آف کچھ کا واقعہ ہوا۔ بھٹو صاحب نے ایوب خان کو باور کرایا کہ کشمیر میں جنگ شروع کرنے کا یہ مناسب موقع ہے۔ اگر گوریلے کشمیر میں داخل کئے جائیں تو کشمیری خود اٹھ کھڑے ہوں گے۔ لہٰذا بغیر مناسب منصوبہ بندی کر کے کشمیر میں مجاہدین داخل کئے گئے اور یہ منصوبہ سراسر ناکام ہوگیا۔ اس کے ساتھ ہی کشمیر پر حملے کے لئے اکسایا اور یہ یقین دلایا کہ بھارت انٹرنیشنل سرحد عبور نہیں کرے گا۔ لہٰذا کشمیر میں آپریشن جبرالٹر شروع ہوا اور بھارت نے 6 ستمبر کو لاہور بارڈر سے فوجی حملہ کر دیا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

اگر قدرت کی مدد نہ ہوتی تو بھارت کے سامنے لاہور تک کوئی رکاوٹ نہ تھی۔

2۔ 6سالہ لیہڈو کے خاتمے کے بعد پرانے سیاستدان زیادہ جوش و جذبے سے میدان سیاست میں آئے اور سب ایوب خان کے سامنے ڈٹ گئے۔ 1964 کے صدارتی الیکشن میں متحدہ اپوزیشن نے محترمہ فاطمہ جناح کو ایوب خان کے مقابلے میں لا کھڑا کیا۔ ایوب خان جیت تو گیا لیکن سخت بدنامی کے ساتھ۔ عوام کا اعتماد اٹھ گیا۔

3۔ ایوب خان کے لئے سب سے پہلا بڑا مخالف بھٹو ثابت ہوا جس نے معاہدہ تاشقند کو پوری طرح ایکسلائیٹ کیا اور ایوب خان کے خلاف مضبوط محاذ قائم کر لیا جبکہ ایوب خان میں اس محاذ اور خاص کر شاطر بھٹو سے نبٹنے کی صلاحیت نہ تھی۔ ایوب خان کا دوسرا بڑا مخالف مشرقی پاکستان سے شیخ مجیب الرحمٰن ثابت ہوا جو پرو بھارت تھا اور مشرقی پاکستان توڑنے کے لئے ''اگرتلہ'' سازش کے ذریعے بھارت سے گٹھ جوڑ میں ملوث تھا۔ وہ نظر بند تھا اور مقدمہ چل رہا تھا کہ متحدہ سیاسی لیڈروں کے پُرزور اصرار پر اسے چھوڑنا پڑا تو پھر متحدہ اپوزیشن نے ایوب خان کو سنبھلنے کا موقع ہی نہ دیا۔

4۔ ایوب خان کے بیٹے اور کچھ عزیز رشتہ دار مختلف قسم کی بدعنوانیوں میں ملوث تھے۔ ان کے خلاف سخت کارروائی کی ضرورت تھی جس کی طرف ایوب خان نے توجہ ہی نہ دی اور یہ بدنامی جان لیوا ثابت ہوئی۔

5۔ 1963 میں ایوب خان پر فالج کا حملہ ہوا۔ اس کے بعد وہ ذہنی طور پر حکمرانی کا وہ معیار قائم نہ رکھ سکا جو اس سے پہلے تھا۔ پھر آہستہ آہستہ حکمرانی پر گرفت ڈھیلی ہوتی گئی اور حالات اس سٹیج پر آ گئے جہاں سے شروع ہوئے تھے۔

6۔ ایوب خان اپنے اقتدار کی طوالت کے لالچ میں انہی سیاستدانوں کے چنگل میں پھنس گیا جن سے وہ سخت الرجک تھا۔ پھر وہی سیاسی خرابیاں واپس آ گئیں۔

7۔ مشرقی پاکستانی سیاستدانوں کو شکایت تھی کہ موجودہ نظام میں انہیں اقتدار میں ان کا جائز حصہ نہیں مل رہا لہٰذا سسٹم توڑنا اور ایوب خان کو ہٹانا لازم ہو گیا۔

8۔ اس کے علاوہ بھی کئی وجوہات تھیں لیکن اصل بات یہ ہے کہ آمریت زیادہ دیر تک قائم نہیں رکھی جا سکتی۔

اختتامیہ

نوائے وقت کے ایک سینئر تجزیہ نگار جناب غلام اکبر صاحب نے مارشل لاء پر لکھتے ہوئے لکھا تھا: ''جمہوریت کے ثناخوانوں کو یہ حقیقت فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ اپنی تاریخ کے جس المیے کو یاد کر کے آج ہمارا دل خون کے آنسو روتا ہے (ایوب خان کا مارشل لاء) اس نے جمہوریت کی کوکھ سے ہی جنم لیا تھا۔۔۔۔ میں اسے قوم کی بہت بڑی بدبختی سمجھتا ہوں کہ اسے ریلیف اگر کسی حکومت میں ملا یا اس کے پاس کسی دور اقتدار میں اپنا سر فخر سے اٹھا کر چلنے کا جواز موجود تھا تو وہ فیلڈ مارشل کا دس سالہ دور آمریت تھا۔'' یہ فیلڈ مارشل ہی تھے جن کے متعلق بھارتی اخبار نے لکھا تھا کہ ''پاکستان ہم سے بے شک سارے سیاستدان لے لے صرف ایک ایوب خان دے دے۔'' 1968 میں تمام سیاستدانوں نے مل کر ایوب خان کے خلاف تحریک شروع کی۔ پورے ملک میں ہنگامے پھوٹ پڑے تو حالات سے مجبور ہو کر 25 مارچ 1969ء کو ایوب خان نے اقتدار اپنے کمانڈر انچیف جنرل آغا محمد یحییٰ خان کے حوالے کر دیا۔ بعد میں ریٹائرڈ لائف گزاری بالآخر 19 اپریل 1974ء میں اسلام آباد میں وفات پائی۔

***

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

کاش میرا اک ایسا لیڈر ہوتا

فرحت ابراہیم

صادق و امیں، اخلاق بھی شیریں
اخلاص کا پیکر، اطوار حسیں
پابندِ وفا محمدؐ سا خوش گو ہوتا
کاش! میرا اک ایسا لیڈر ہوتا

دانشِ علیؓ رکھتا، باطل کو مٹا سکتا
مظلوم کا ساتھی، ظالم کو دبا سکتا
زیرک و دانا، عمرؓ کا پرتَو ہوتا
کاش! میرا اک ایسا لیڈر ہوتا

ابوبکرؓ سی صداقت و امامت و شرافت
خالدؓ سی شجاعت و متانت و ذہانت
پیکرِ حیا، عثمانؓ سا نرم رو ہوتا
کاش! میرا اک ایسا لیڈر ہوتا

محلوں میں نہ ہوتا ٹھکانہ جس کا
درویش صفت، انداز گدایانہ جس کا
فقیری ادا پہ دِل میرا دعاگو ہوتا
کاش! میرا اک ایسا لیڈر ہوتا

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

نہ کرگس کی طرح مردار کا شیدا
مثلِ شاہیں اس کی خودداری ہویدا
بلند نگاہ، شخص وہ یک رُو ہوتا
کاش! میرا اک ایسا لیڈر ہوتا

ہاں ہاں اثر انگیز ہے جوشِ خطابت
بات تو تب ہے اگر ہو صداقت ہی صداقت
سچ کا رسیا، وہ ایسا راست گو ہوتا
کاش! میرا اک ایسا لیڈر ہوتا

اپنوں کے فیصلے یوں نہ غیروں سے مرتب کراتا
تماش بینوں کو یوں نہ کرتب دکھاتا
اغیار کے ہاتھ میں نہ ایسا ڈمرو ہوتا
کاش! میرا اک ایسا لیڈر ہوتا

حالت نہیں بدلتی دیئے بنا قربانی
کوشش میں بیت جاتی ہے تلخ زندگانی
ظلم و جفا کا نہ وہ پیش رَو ہوتا
کاش! میرا اک ایسا لیڈر ہوتا

ہر سُو امن پھیلاتا، خوشیوں کا رقص ہوتا
بس اگر وہ میرے تخیل کا عکس ہوتا
فرار ناآشنا، راہِ عمل کا راہرو ہوتا
کاش! میرا اک ایسا لیڈر ہوتا

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہپناٹزم کا جادو

بیرونی ممالک میں ہپناٹزم سے مریضوں کا علاج ہوتا ہے اور
ہمارے ہاں اسے اکثر فرڈیے بطور ہتھیار استعمال کرتے ہیں۔

☆ ---------- حبیب اشرف صبوحی

بہت مشہور قول ہے کہ مال و دولت قارون کی جبکہ ''علم'' انبیاء کی میراث ہے۔ اس دنیا میں ہزار ہا قسم کے علوم رائج ہیں اور ہر علم کی مزید ذیلی شاخیں ہیں۔ اس طرح ہر علم کا ایک بے کنار سمندر ہے جو ازل سے رواں دواں ہے اور ابد تک جاری رہے گا۔ علوم خواہ دنیاوی ہوں، سائنسی ہوں، مذہبی ہوں، علم الاعداد ہوں یا اسی قبیل کے دیگر علوم، ہر ایک کی کوئی نہ کوئی بنیاد ہے۔ ان ہی علوم میں ایک علم ہپناٹزم یا ٹیلی پیتھی بھی ہے جس کو ماہرین نے اپنی کاوش سے اس مقام پر پہنچا دیا ہے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔

ہپناٹزم یا ٹیلی پیتھی کیا ہے؟ اس کی وضاحت یوں سمجھئے کہ کسی مادی واسطے کے بغیر ایک دماغ کا دوسرے دماغ سے رابطہ ٹیلی پیتھی کہلاتا ہے؟ اس کی مثال کے لئے کارڈلیس (Chordless) یعنی بے تار برقی رابطہ نہایت مناسب ہے کیونکہ ہمارا دماغ بھی بالکل وائرلیس سٹیشن کی مانند کام کرتا ہے۔ انسانی دماغ سے کوسمک لہریں خارج ہوتی ہیں جن کے ذریعے سے ہم ایک دوسرے سے رابطہ قائم کر سکتے ہیں بشرطیکہ ہماری ان ذہنی لہروں میں کچھ جان ہو۔ ہماری قوتِ ارادی مضبوط ہو اور ہمیں رابطہ قائم کرنے کا طریقہ آتا ہو۔

کہا جاتا ہے کہ مشہور مفکر اور فلاسفر ارسطو جہاں بہت سے علوم کا موجد ہے وہاں وہ ہپناٹزم اور ٹیلی پیتھی کا بھی موجد ہے۔ اس سلسلہ میں ایک حکایت کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ ایک روز ارسطو اپنے شاگردوں کے درمیان جنگل میں بیٹھا ہوا درس و تدریس میں مصروف تھا اتفاق سے اُدھر سے بادشاہِ وقت کا گزر ہوا ارسطو کے علم وفن کے بہت چرچے تھے۔ بادشاہ وقت نے سوچا کہ اس سے ملاقات کی جائے چنانچہ وہ خود اس کے پاس گیا اور کہا کہ سنا ہے کہ آپ کئی علوم کے موجد ہیں، کسی دن دربار میں تشریف لائیں اور اپنے فن سے روشناس کرائیں۔

''بادشاہ سلامت! آپ اگلے ہفتے یہاں تشریف لائیں''۔ ارسطو نے کہا۔ ''اور دوپہر کا کھانا میرے ساتھ تناول فرمائیں''۔

''جب ہم کہیں جاتے ہیں تو ہمارا لاؤ لشکر بھی

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

ساتھ ہوتا ہے"۔ بادشاہ نے کہا۔ "اتنے لوگوں کے کھانے وغیرہ کا انتظام تم کس طرح کرو گے؟"

"آپ فکر نہ کریں"۔ارسطو نے کہا۔"سب انتظام ہو جائے گا، آپ تشریف لائیں"۔

چنانچہ جب مقررہ وقت پر بادشاہ سلامت جنگل میں اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ پہنچے تو دیکھ کر حیران رہ گئے کہ جنگل میں منگل کا سماں ہو گیا تھا۔ بہت خوبصورت شامیانے تھے، قیمتی قالین، چھولداریاں، خوبصورت اور حسین خادمائیں، خادم اور خادماؤں نے ایسی نفیس پوشاکیں پہنی ہوئی تھیں کہ اس کی مثال ملنی مشکل تھی۔ بادشاہ بڑا حیران ہوا کہ ایسی چیزیں تو اس کے دربار میں بھی میسر نہیں تھیں۔ تھوڑی دیر بعد کھانا پیش کیا گیا۔ کھانا جن برتنوں میں پیش کیا گیا وہ سونے اور چاندی کے تھے اور کھانا اتنا پُر ذائقہ اور وافر تھا کہ سب نے خوب سیر ہو کر کھایا۔ کھانے کے بعد ایک محفل موسیقی کا پروگرام تھا، وہ پروگرام بھی اعلیٰ درجے کا۔ اس پروگرام کے بعد سب کو ایک مشروب پیش کیا گیا۔ وہ مشروب پیتے ہی سب کو ایک خمار سا آ گیا اور سب لوگ مدہوش ہو گئے۔

جب کافی دیر بعد ہوش آیا تو سب نے یہ دیکھا کہ نہ وہ شامیانے، نہ وہ چھولداریاں اور نہ وہ قالین۔ سب لوگ زمین پر پڑے ہوئے ہیں اور سورج ڈوبنے کے قریب ہے اور بھوک کے مارے بُرا حال ہے۔ ارسطو سے پوچھا گیا کہ یہ سب کیا ہے؟

"بادشاہ سلامت! یہ میرے علم کا ایک ادنیٰ سا کارنامہ تھا"۔ ارسطو نے کہا۔ "میں نے آپ سب کو ہپناٹائز کر دیا تھا اور یہ سب چیزیں آپ کو مصنوعی دکھائی تھیں۔ بہرحال کھانے کا انتظام کیا ہوا تھا"۔

خیر یہ تو ایک حکایت ہے ضروری نہیں حقیقت سے اس کا کوئی تعلق ہو لیکن یہاں میں کچھ ذاتی تجربات سے حاصل کئے گئے ایسے واقعات تحریر کروں گا جنہوں نے آج سے بارہ سال قبل مجھے حیران اور ششدر کر دیا اور آج بھی انہیں پڑھ کر شاید قارئین حیران رہ جائیں گے۔

میں اپنی ملازمت کے سلسلہ میں چھ سال ایبٹ آباد رہا، وہاں سے آنے کے پانچ سال بعد میں اپنے دوستوں اور ساتھیوں سے ملنے ایبٹ گیا۔ جن آفیسر کو میں نے چارج دیا تھا دو تین دفعہ میں دفتر گیا لیکن ان سے ملاقات نہ ہو سکی۔ لاہور آنے سے قبل اتوار کے روز اُن کے گھر فون کیا تو اُن سے ملاقات ہو گئی۔ کہنے لگے کہ مجھے آپ کے آنے کی خبریں ملتی رہیں لیکن جب آپ مجھ سے ملنے دفتر آئے میں اتفاق سے سرکاری کام سے ایبٹ آباد سے باہر گیا ہوا تھا۔ آپ میرے گھر فوراً آ جائیں۔ ایک بزرگ شخصیت سے ملوانا چاہتا ہوں۔ مل کر خوش ہوں گے۔ میں فوری طور پر اُن کے گھر گیا تو ایک باریش شخصیت سے ملاقات ہوئی۔ ان کا نام میرے دوست نے بابا سلیمان بتایا۔ انہوں نے ہمارے محکمے کے چار پانچ بڑے بڑے افسروں کے نام لئے اور بتایا کہ وہ میرے مرید ہیں اور میری بڑی عزت کرتے ہیں، ہو سکے تو اُن سے میرا ذکر کرنا۔ اس کے بعد انہوں نے ایک اور آفیسر کا ذکر کیا جو مجھ سے پہلے ایبٹ آباد میں تھے، اُن کے بارے میں ایک سنسنی خیز واقعہ مشہور تھا اور وہ واقعہ بابا سلیمان صاحب سے منسوب تھا۔

میں بابا سلمان صاحب سے بہت متاثر ہوا اور اُن سے کہا کہ آپ میں جو روحانیت ہے اُس کے کچھ مشاہدات سے ہم کو بھی فیضیاب کریں۔ کہنے لگے۔ "بسم اللہ"۔ انہوں نے ایک بڑا کاغذ منگوایا۔ اس کی لمبی لمبی چھ سات کترنیں بنائیں جو کافی چوڑی تھیں۔ اس پر کچھ لکھنے لگے اور اس کے بعد اس کی کئی تہیں بنا دیں۔ اس کے بعد وہ میری طرف متوجہ ہوئے اور کہا کہ میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھو۔ میں اُن کی آنکھوں میں دیکھتا رہا۔ اس کے بعد انہوں نے کہا کہ ایک نمبر والی کاغذ کی

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

تہہ کی ہوئی کترن اٹھاؤ اور اس کے اوپر ایک سے چار تک گنتی لکھو۔ جب میں نے گنتی لکھ دی تو کہا اس میں سے کسی نمبر کو کاٹ دو۔ میں نے 4 نمبر کو کاٹ دیا اور پھر کہا کہ اس کٹے ہوئے نمبر پر کسی پھول کا نام لکھ دو۔ میں نے اس پر گلاب کا پھول لکھ دیا۔ کہا اب کاغذ کو کھولو۔ جب کاغذ کھولا تو اس پر 4 نمبر پہلے سے کٹا ہوا تھا اور گلاب کا پھول لکھا ہوا تھا۔ اس کے بعد 2 نمبر کترن کو کہا اٹھاؤ۔ کہا اس پر کوئی چار اعداد لکھو اور اس کو جمع کرو۔ جب میں نے چار اعداد لکھے اور اس کا حاصل جمع کیا تو بابا جی نے کہا کہ اب اس کاغذ کو کھولو۔ جب کاغذ کھولا تو اس پر وہی چار اعداد لکھے تھے اور اس کا حاصل جمع وہی تھا جو میں نے لکھا تھا۔ اس طرح مختلف کاغذوں پر مختلف چیزیں لکھوائیں اور جب کاغذ کھولا تو اس پر پہلے سے وہ چیزیں لکھی ہوئی تھیں یہ تمام کرتب دیکھ کر میں بہت حیران ہو گیا اور ایک سحر کی کیفیت مجھ پر طاری ہو گئی۔ تھوڑی دیر بعد ملازم چائے وغیرہ لے کر آیا۔ میں نے ملازم سے کہا کہ چائے میں چینی نہیں ڈالنی۔ میں چینی نہیں پیتا اور نہ کوئی میٹھی چیز کھاؤں گا۔ بابا جی کہنے لگے کہ آج آپ چائے میں چینی بھی پئیں گے اور مٹھائی بھی کھائیں گے۔ نزدیک ہی ایک گلدستہ رکھا ہوا تھا۔ اس میں سے انہوں نے ایک گلاب کی چھوٹی سی پنکھڑی لی اس پر کچھ پڑھا اور مجھ کہا کہ اسے اچھی طرح دانتوں کے نیچے دباؤ اور اس کو تھوک دو۔ میں نے ایسا ہی کیا۔ اس کے بعد انہوں نے کہا کہ اب مٹھائی کھاؤ اور اس کے ساتھ چائے میں چینی کے 3 چمچ ڈالو جب میں نے چائے پی تو وہ بالکل پھیکی لگی اور مٹھائی بھی بالکل پھیکی محسوس ہوئی۔

اس کے بعد انہوں نے میرے دفتری معاملات کے بارے میں بتانا شروع کر دیا کہ وہاں تمہاری مخالفتیں بہت زیادہ ہونے لگی ہیں اور ترقی وغیرہ میں رکاوٹیں پیدا ہونا شروع ہو گئی ہیں۔

جانوروں کے نام والی سورتیں

سورہ بقرہ	(گائے)
سورہ انعام	(اونٹ، مویشی)
سورہ نحل	(شہد کی مکھی)
سورہ نمل	(چیونٹی)
سورہ عنکبوت	(مکڑی)
سورہ عادیات	(گھوڑا)
سورہ الفیل	(ہاتھی)

"بابا جی! اس مسئلہ کا حل بھی آپ نے کرنا ہے"۔ میں نے کہا۔

"تم پر بندشیں لگی ہیں، اس کا توڑ میں کروں گا"۔ انہوں نے کہا۔ "اس کے لئے مجھے وظیفہ پڑھنا پڑے گا اور تمہیں ایک تعویذ بھی دوں گا۔ یہ تعویذ بڑا کرشماتی ہے۔ اس کو پہن کر تم اپنے اندر ایک تبدیلی محسوس کرو گے اور تمہارے سب کاموں میں آسانیاں پیدا ہو جائیں گی"۔

"بابا جی! میں آپ کا شکر گزار ہوں گا"۔ میں نے کہا۔ "نظر کرم کیجئے"۔

"اس تعویذ کا ہدیہ دو ہزار روپے ہے"۔ انہوں نے کہا۔ "آپ پیسے مجھے دیں میں ابھی آپ کو تعویذ دیتا ہوں"۔

"بابا جی! میں چند گھنٹے بعد لاہور جا رہا ہوں"۔ میں نے کہا۔ "میرے پاس پیسے نہیں ہیں"۔

"لاہور جا کر فوراً بھیج دینا"۔ بابا جی کہنے لگے۔ "آج سے میں نے تمہارے لئے پڑھائی شروع کر دی ہے۔ تمہیں جلد تبدیلی محسوس ہو گی"۔ میں نے ان سے بہت زیادہ متاثر ہو کر ان سے رخصت لی۔ جب میں شام کو اپنے میزبان سے ملا، میں نے بابا جی سے ملاقات کا ذکر کیا اور اُن کی روحانیت کے قصے سنائے۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

''کوئی پیسے تو نہیں دیئے؟'' انہوں نے فوراً پہلا سوال یہ کیا۔ میں نے کہا کہ نہیں۔

''اللہ کا شکر ادا کرو کہ فراڈ سے بچ گئے''۔

میں نے اپنے میزبان سے کہا کہ آپ ایسی نیک شخصیت کو فراڈیا کہہ رہے ہیں۔

''یہ حقیقت ہے''۔ انہوں نے بتایا۔ ''کئی سال قبل یہ شخص ہماری دُکان میں آیا۔ اس زمانے میں ہمیں کئی گھریلو اور کاروباری پریشانیاں تھیں اور ہم ذہنی طور پر بہت پریشان تھے۔ اتفاقاً باباجی سے ملاقات ہوگئی۔ ان کی باتوں سے ہم بہت متاثر ہوئے اور انہوں نے بتایا کہ آپ کے کاروبار کو کسی نے باندھ دیا ہے اور کئی ''شعبدے'' دکھائے۔ ہم لوگ بہت متاثر ہوئے اور ان کی خاطر مدارات میں مصروف ہوگئے۔ ہمارا ایک ملازم جو کسی کام سے باہر گیا ہوا تھا، دُکان میں آ گیا۔ وہ ان بابا جی کو جانتا تھا اور ان کی کرتوتوں سے واقف تھا۔ اُس نے اشارے سے مجھے بلایا اور کہا کہ ان باباجی کی باتوں میں مت آئیں اور نہ ان کو کوئی پیسہ وغیرہ دیں بلکہ ان سے کہیں کہ اپنی ''شعبدے بازی'' مجھ پر بھی آزمائیں۔ چنانچہ کچھ وقفے کے بعد میں نے باباجی سے کہا کہ یہ ہمارا ملازم ہے۔ یہ ان چیزوں کو نہیں مانتا، آپ اپنی روحانیت اور علم اس پر بھی آزمائیں۔ باباجی نے اس کو اپنے سامنے بٹھایا اور کہا کہ میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھو۔ اس نے اس کے برعکس آنکھیں جھپکنا شروع کردیں۔ باباجی نے کہا کہ یہ کیا کر رہے ہو؟ ہمارے ملازم نے کہا کہ یہ میری عادت ہے۔ باباجی نے کہا اس پر میرا ''عمل'' نہیں چل سکتا اور دُکان سے چلے گئے۔ ہمارے ملازم نے بتایا کہ اس ''شعبدے بازی'' کے ختم کرنے کا حل یہی ہے کہ آنکھیں جھپکتے رہیں۔ اس طرح ہم اس کے فراڈ سے بچ گئے۔

اب میں اس واقعہ کی طرف توجہ دلاتا ہوں جس کا

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

ذکر میں نے شروع میں اپنے مضمون میں کیا تھا۔ ہمارے ایک دوست اور ساتھی جن کو میں نے زاہد صاحب ہی کہوں گا، ہمارے محکمے میں ایک سینئر آفیسر تھے اور بڑی سخت طبیعت کے آدمی تھے اور ضرورت سے زیادہ اصول پسند تھے۔ اُن کا کام ڈیمانڈ نوٹس جاری کرنا تھا۔ ایک روز ایک بزرگ اُن کے پاس آئے اور کہا کہ میں دو دفعہ پہلے بھی آیا ہوں اپنے ڈیمانڈ نوٹس کے سلسلے میں آپ نے کہا کہ گھر پہنچ جائے گا لیکن ابھی تک نہیں پہنچا۔ آج میں ہر صورت میں لے کر جاؤں گا۔ زاہد صاحب نے کچھ دفتری مسائل بتائے اور کہا کہ اگلے ہفتہ تک آپ کا کام ہو جائے گا۔

''میں آج ہر صورت میں ڈیمانڈ نوٹس لے کر جاؤں گا''۔ بابا جی نے کہا۔ ''ورنہ تم خود میرے گھر لے کر آؤ گے اور ڈیمانڈ نوٹس کی فیس بھی تم خود جمع کراؤ گے''۔

''تم جیسے روزانہ کئی لوگ آتے ہیں''۔ زاہد صاحب نے غصہ میں کہا۔ ''اور دھمکیاں دے کر چلے جاتے ہیں۔ میں کسی سے نہیں ڈرتا''۔

''میری آنکھوں میں آنکھیں ڈالو اور مجھے اچھی طرح پہچان لو''۔ بابا جی نے زاہد صاحب کو کہا۔ ''تا کہ تمہیں پہچاننے میں دقت نہ ہو۔ یہ میرا پتہ بھی سمجھ لو۔ کچھ دیر بعد تم خود میرے غریب خانے پر آؤ گے''۔

''میں نے تمہیں اچھی طرح دیکھ اور پہچان لیا ہے''۔ زاہد صاحب نے کہا۔ ''جو کرنا ہے کر لینا''۔ بابا جی وہاں سے اٹھ کر آ گئے۔

کچھ دیر بعد زاہد صاحب کو پیشاب کی حاجت محسوس ہوئی، وہ جب واش روم گئے تو ان کو دیکھ کر یہ بڑی تشویش ہوئی کہ ان کا آلہ بول ان کے ساتھ نہیں تھا۔ ان کو اسی وقت بابا جی کے الفاظ یاد آئے کہ ''تم خود میرے گھر آؤ گے اور ڈیمانڈ نوٹس لے کر آؤ گے''۔ اُن کی یہ ایسی پریشانی تھی کہ وہ اس میں کسی کو اپنا شریک بھی نہیں بنا سکتے تھے۔ پیشاب بھی آ رہا تھا۔ انہوں نے فوری طور پر ڈیمانڈ نوٹس تیار کروایا اور بابا جی کے گھر پہنچ گئے۔ جب بابا جی کے گھر پہنچے تو بابا جی گھر میں نہیں تھے۔ زاہد صاحب نے اُن کے گھر کے باہر ٹہلنا شروع کر دیا۔ بڑے انتظار کے بعد بابا جی آتے ہوئے نظر آئے۔ اُن کو دیکھتے ہی زاہد صاحب نے دوڑ لگا دی اور بابا جی کے گھٹنوں کو ہاتھ لگا کر معافی مانگنی شروع کر دی۔ بابا جی نے اُن کو پہچاننے سے انکار کر دیا اور کہا کہ میں تمہیں نہیں جانتا اور کس بات کی معافی دوں۔ جب بابا نے زاہد صاحب کو اچھی طرح رُلا دیا تو پھر معافی دی اور کہا کہ ہر آدمی کو ایک جیسا نہ سمجھا کرو۔ آئندہ لوگوں سے پیار اور محبت سے پیش آیا کرو۔ ورنہ ہر فرعون کے لئے ایک موسیٰ پیدا ہوتا ہے۔ بابا جی نے زاہد صاحب کو اس شرط پر معاف کیا کہ آئندہ تمہاری کوئی شکایت نہیں آنی چاہئے حالانکہ زاہد صاحب جسمانی طور پر بالکل ٹھیک تھے لیکن بابا جی نے اُن کو ہپناٹائز کر کے ''مفلوج'' کر دیا تھا۔ زاہد صاحب سے میری بڑی دوستی تھی اس واقعہ کے بعد وہ بڑے پیر پرست ہو گئے تھے۔ جب اُن کو کسی پیر کا پتہ چلتا تھا تو وہ فوراً اس کے پاس حاضر ہوتے تھے۔ میرے ساتھ بھی کئی روز پیروں کے پاس گئے جن کے واقعات کسی دوسری نشست میں سنائیں گے۔

بیرونی ممالک میں ہپناٹزم سے مریضوں کا علاج ہوتا ہے اور کئی مثبت اقدام کئے جاتے ہیں جن سے فلاحی مقاصد پورے ہوتے ہیں۔ اب تو پاکستان میں بھی ہپناٹزم سے علاج معالجے میں مدد لی جا رہی ہے۔ خاص طور پر نفسیاتی علاج میں بہت کامیابی سے ہپناٹزم کا استعمال ہو رہا ہے۔ ماہر ہپناٹسٹ زچہ کو ہپناٹائز کر کے بغیر درد ڈیلیوری کے عمل سے گزار دیتے ہیں۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

☆---------- 0345-1563185/E-mail.shahidkohler@gmail.com رزاق شاہد کوہلر

موم سے پتھر بن جانے والے ایک شریف النفس قبائلی نوجوان کی سنسنی خیز سرگزشت۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

وہ دونوں ماں بیٹی کمرے کے فرش پر تڑپتے اور ایڑیاں رگڑتے جابر خان سے لپٹ کر رو رہی تھیں۔ اُن کی چیخیں اور آہیں سن کر صمد یار خان تیزی سے اُٹھا اور اپنے ہاتھ میں موجود ریوالور پلک جھپکنے کی دیر میں قمیص کے نیچے شلوار میں اڑس لیا۔ اُس کی چلائی گئی دونوں گولیاں جابر خان کے سر میں لگی تھیں۔ اُن ماں بیٹی کو خبر ہی نہ ہوسکی کہ جابر خان کو قتل کیا گیا ہے۔ وہ اُسے اقدامِ خودکشی سمجھ رہی تھیں۔ دونوں بدستور جابر خان سے لپٹی رو رہی تھیں مگر اب وہ قیدِ حیات سے آزاد ہو چکا تھا۔ اُسے اُن کے رونے، تڑپنے اور بین کرنے کی کوئی پروا نہیں تھی۔

''ہائے خالہ! یہ...... یہ کیا ہوگیا...... خالو نے کیوں کیا ایسا؟...... کاش تم لوگوں نے خالو کو نہ روکا ہوتا۔'' وہ مگرمچھ کے آنسو بہاتا ہوا زرینہ سے بولا۔ ''اس سے تو اچھا تھا کہ خالو میری جان لے لیتے...... اب میں مور جان کو کیا منہ دکھاؤں گا؟''

زرینہ اُس وقت صدمے کی کیفیت میں تھی۔ اُس نے صمد یار خان کی بات کا کوئی نوٹس نہ لیا۔ تب وہ بھی ماں بیٹی کے ساتھ مل کر بَین کرنے لگا۔ آن کی آن میں پورا گاؤں اُن کے گھر میں اکٹھا ہوگیا۔ کچھ اُنھیں تسلی دلاسہ دینے لگے تو بعض اصل بات کی تہہ تک پہنچنے کے لیے اُن سے سوال وجواب کرنے لگے۔ وہ ماں بیٹی لوگوں کے سوالات سے عاجز آنے لگی تھیں کہ ایسے ہی وقت یاری خان اور خانم وہاں پہنچ گئے۔ زرینہ بہن کے گلے لگ کر بَین کرنے لگی۔ اُس کے نالے وآہیں آسمان کا دل دہلانے لگے۔ گل رخ بھی رو رہی تھی۔ رشتے دار اور جاننے والے اُنھیں تسلیاں اور دلاسے دے رہے تھے مگر غم کا یہ پہاڑ تسلیوں سے کہاں ٹلنے والا تھا۔

یاری خان نے جب صمد خان کو وہاں دیکھا تو ایک لمحے کو تو وہ چونک گیا۔ اُسے چھوٹے بھائی کی موجودگی وہاں کھٹک رہی تھی۔ ''رات کے اس وقت یہ یہاں کیا کر رہا تھا، دماغ نے سوال کیا تو یاری خان کے دل ودماغ میں شک کے سانپ پھن اُٹھا کر کھڑے ہوگے۔ وہ چند لمحے سوچتا رہا پھر آگے بڑھ کر بھائی سے بولا۔

''صمد! تم یہاں کیا کر رہے ہو؟''

صمد خان اس اچانک سوال سے گڑبڑا گیا۔ ''لالہ! وہ...... وہ...... میں...... میں......''

یاری خان نے اُسے بازو سے پکڑا اور گھر کے ایک کونے میں لے گیا۔ ''ہاں اب بتاؤ یہ کیا چکر ہے...... تم یہاں کیا کر رہے تھے؟''

صمد خان اتنی دیر تک خود کو سنبھال چکا تھا لہٰذا پُراعتماد لہجے میں بولا۔ ''لالہ! میں خالو سے بات کرنے کے لیے آیا تھا۔''

''کون سی بات؟'' اُس نے مشکوک انداز میں پوچھا۔

وہ بولا۔ ''آپ کے رشتے کی بات...... مجھے پتا ہے کہ آپ گل رُخ کو پسند کرتے ہیں۔''

''جھوٹ مت بولو...... سچ سچ بتاؤ اصل بات کیا ہے؟''

''لالہ! میں بھلا آپ سے کیوں جھوٹ بولوں گا...... شاید...... شاید آپ کو کوئی غلط فہمی ہوگئی ہے۔'' اُس نے تحیرآمیز لہجے میں جواب دیا۔

''مجھے یقین نہیں آتا کہ تم خالو سے میرے رشتے کی بات کرنے آئے تھے؟''

''لالہ! مجھے آپ سے یہ اُمید نہیں تھی۔'' وہ روہانسا ہوگیا۔ ''آپ...... آپ مجھ پہ شک کر رہے ہیں...... اپنے چھوٹے بھائی پہ...... اب میں یہ سچ ثابت کر کے ہی رہوں گا۔ چلو آؤ میرے ساتھ۔''

''کہاں؟''

''خالہ زرینہ کے پاس، وہ گواہ ہیں کہ میں نے

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

آپ سے جو کچھ بھی کہا ہے اُس میں رتی بھر بھی جھوٹ نہیں ہے۔''

''تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے؟'' یاری خان نے قدرے سخت انداز میں کہا۔ ''یہ وقت ایسی باتوں کے لیے مناسب نہیں ہے۔ اس وقت تو خالہ اپنے حواسوں میں بھی نہیں ہے۔ وہ بھلا تیری بات کیا جواب دے گی؟''

''ٹھیک ہے۔'' اُس نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''جیسے آپ کی مرضی خالہ سے بعد میں پوچھ لیں گے...... اگر میں جھوٹا ثابت ہو گیا تو پھر اپنے ہاتھوں سے مجھے گولی مار دینا میں آپ کو اپنا خون معاف کر دوں گا۔''

''جاہلوں جیسی باتیں مت کرو...... میں اپنے بھائی کو گولی ماروں گا؟''

وہ بولا۔ ''بھائی پہ شک کر سکتے ہو تو پھر گولی مارنے میں تردد کیسا؟''

''میں نے تم پر شک نہیں کیا...... البتہ تمہاری یہاں موجودگی مجھے ضرور کھٹک رہی ہے۔ بہرکیف یہ وقت ان باتوں کے لیے مناسب نہیں ہے۔ پہلے ہمیں خالو کے کفن دفن کا انتظام کرنا ہے۔''

دوسرے دن صبح سویرے جابر خان کا جنازہ پڑھ کر اُسے سپردِ خاک کر دیا گیا۔ گاؤں کے سردار نے اپنا اثر و رسوخ استعمال کرتے ہوئے گاؤں کی بات گاؤں میں ہی رہنے دی تھی۔ علاقے کے پولیٹیکل ایجنٹ کے کانوں تک یہ بات پہنچی ہی نہیں تھی۔ زرینہ اور گل رُخ نے یاری خان کے سمجھانے پر یہ گواہی دی تھی کہ جابر خان کو رائفل کی صفائی کے دوران غلطی سے گولی لگ گئی تھی۔ چونکہ قبائلی علاقوں میں اکثر اس طرح کے واقعات پیش آتے رہتے تھے اس لیے سردار کے لیے شک کی کوئی گنجائش نہیں رہی تھی۔ چنانچہ صمد خان صاف بچ گیا تھا۔

☆☆☆

چند روز گزرنے کے بعد جب خالہ کا غم قدرے ہلکا ہو گیا تو یاری خان اپنے شک کی تصدیق کرنے کے لیے اُن کے گھر پہنچ گیا۔ رسمی علیک سلیک کے بعد یاری خان براہِ راست اصل موضوع پر آ گیا۔ ''خالہ! میں آپ سے کچھ پوچھنے کے لیے آیا ہوں۔ مجھے اُمید ہے کہ آپ میری بات کا ٹھیک ٹھیک جواب دیں گی؟'' یاری خان نے سنجیدہ لہجے میں پوچھا۔

''کیا پوچھنا ہے تجھے؟'' خالہ نے حیرانی کا اظہار کیا۔

وہ بولا۔ ''خالہ! جس رات خالو نے خودکشی کی تھی اُس رات صمد خان آپ کے ہاں کس لیے آیا تھا؟''

''مم...... میں بھی نہیں...... تم کہنا کیا چاہتے ہو؟'' اُس کی حیرت دوچند ہو گئی۔

''خالہ! میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ اُس رات صمد خان آپ کے گھر میں کیا کسی کام کے سلسلے میں آیا تھا، یا پھر ویسے ہی آیا تھا؟''

''تم جان کر کیا کرو گے؟ یہ گزری باتیں ہیں ان پر مٹی ڈالو۔''

''خالہ! میں بہت بڑی اُلجھن کا شکار ہوں اور آپ ہی مجھے اس اُلجھن سے نکال سکتی ہیں۔ خدا کے لیے بات کو ٹالنے کی کوشش نہ کریں۔ جو حقیقت ہے مجھے بتا دیں؟'' یاری خان نے منت کے انداز میں سوال کیا۔

''مجھے کچھ بھی معلوم نہیں ہے کہ وہ کس لیے آیا تھا...... کیا اُس نے تجھے کچھ بتایا ہے؟'' خالہ نے نگاہیں چراتے ہوئے سوال کیا۔

''خالہ! مجھے لگتا ہے کہ آپ کچھ چھپا رہی ہیں۔''

''نن...... نہیں...... میں بھلا تم سے کوئی بات کیوں چھپاؤں گی؟...... میں اس بارے میں مکمل طور پر لاعلم ہوں۔''

''میں بتاتی ہوں یاری بھائی کہ اصل بات کیا

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہے؟'' بالکل غیر متوقع طور پر گل رُخ نے کمرے میں داخل ہو کر مداخلت کی۔

''تم چُپ رہو گل رُخ۔'' زرینہ نے بیٹی کو ڈانٹتے ہوئے کہا۔ ''بڑوں کے بیچ چھوٹے نہیں بولتے۔ جاؤ باورچی خانے میں جا کر کام کرو۔''

''بڑے جب حقائق کو جھوٹ کا لبادہ اوڑھانے لگتے ہیں تو چھوٹوں کی مداخلت ناگزیر ہو جاتی ہے۔ آپ یاری بھائی سے اصل بات کس لیے چھپا رہی ہیں، کس کا ڈر ہے آپ کو؟''

زرینہ بولی۔ ''تم منہ بند کرتی ہو یا میں..........''

''کیا کریں گی آپ؟'' گل رُخ نے قطع کلامی کرتے ہوئے کہا۔ ''کیا بابا کی طرح مجھے بھی خودکشی کرنے پر مجبور کر دیں گی؟''

''یہ......یہ......تم کیا کر رہی ہو گل......کیا خالو نے خالہ کی وجہ سے خودکشی کی ہے؟'' یاری خان نے تحیر کے عالم میں سوال کیا۔

''دماغ چل گیا ہے اس کا، بکواس کرتی ہے یہ۔'' زرینہ خالہ چلائی۔ ''اس کی بات کا کون اعتبار کرے گا؟''

''اماں! آپ مجھے بات کرنے دیں گی یا نہیں؟'' گل نے دوٹوک انداز میں پوچھا۔

''یاری! تم جاؤ یہاں سے۔'' زرینہ خالہ دوبارہ چلائی۔ ''میں......میں خود کوئی مناسب موقع دیکھ کر تمہیں ساری بات بتا دوں گی......مگر اس وقت خدا کے لیے یہاں سے چلے جاؤ......یہ......یہ لڑکی پاگل ہو چکی ہے۔''

''اماں! کیوں جھوٹ بولتی ہیں؟ میں یاری بھائی کو سچ بتانا چاہتی ہوں اور آپ مجھے پاگل قرار دے رہی ہیں۔''

زرینہ نے بیٹی کی بات سنی اَن سنی کرتے ہوئے یاری خان کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے۔ ''یہ دیکھ بیٹے! میں تمہارے سامنے ہاتھ جوڑتی ہوں۔ تمہیں خدا کا واسطہ ابھی یہاں سے چلے جاؤ......یہ موقع ایسی باتوں کے لیے مناسب نہیں ہے۔''

''خالہ! مجھے سمجھ نہیں آ رہی کہ آپ......آپ ایسا کیوں کر رہی ہیں؟'' یاری خان نے اُلجھے ہوئے انداز میں پوچھا۔

وہ بولی۔ ''وقت آنے پر میں تجھے حق بجانب نظر آؤں گی۔ بعض دفعہ ہمیں جو نظر آ رہا ہوتا ہے حقیقت اُس کے برعکس ہوتی ہے۔ تم بھی کچھ روز تک صبر کر لو، سب معلوم ہو جائے گا۔ آج میں تجھے غلط لگتی ہوں مگر کل مجھے یقین ہے کہ میں تجھے صحیح لگوں گی۔''

اُس نے کہا۔ ''خالہ! میں آپ کو غلط نہیں سمجھتا۔ البتہ آپ سے ایک شکایت ضرور ہے کہ آپ مجھ پر اعتبار نہیں کر رہیں۔''

''میں تمہارے سب گلے شکوے دُور کر دوں گی مگر اس وقت نہیں۔''

''ٹھیک ہے خالہ! میں جا رہا ہوں۔'' اُس نے مایوسی کے عالم میں جواب دیا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا بیرونی دروازے سے باہر نکل گیا۔

☆☆☆

''تم بھائی کے ہاتھوں بھائی کا خون کرانے پر کیوں تلی ہو؟'' یاری خان کے باہر نکلتے ہی زرینہ بیٹی پر چڑھ دوڑی۔ ''صمد خان کی موت سے تیرا باپ کیا واپس آ جائے گا؟''

''وہ میرے باپ کا قاتل ہے ماں! میں اُسے کبھی معاف نہیں کروں گی۔'' گل رُخ نے طیش کے عالم میں جواب دیا۔

''وہ تمہارے باپ کا قاتل کیسے ہو گیا......تم جانتی ہو کہ تمہارے باپ نے خودکشی کی ہے اور وہ بھی تمہاری نگاہوں کے سامنے۔''

''اُسے خودکشی کرنے پر صمد خان نے ہی مجبور کیا

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہے۔ میں جب اُسے پسند ہی نہیں کرتی تو پھر وہ کیوں میرے پیچھے پڑا ہوا ہے؟ میں مرتو سکتی ہوں مگر اُس سے شادی نہیں کرسکتی، یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔''

''تمہیں اُس سے شادی کرنے پر کون مجبور کررہا ہے؟ بے فکر رہو تمہاری شادی ہوگی تو یاری خان سے ہی ہوگی مگر خدا کے لیے یاری خان کو یہ بات کبھی مت بتانا کہ صمد خان بھی تم سے شادی کرنے کا خواہش مند تھا۔''

''میں اُن دونوں میں سے کسی سے بھی شادی نہیں کرسکتی۔''

''کیوں نہیں کرسکتی؟'' زرینہ نے چلا کر پوچھا۔

''یاری خان میں کیا کمی ہے...... کیا وہ اندھا ہے، لولا ہے یا لنگڑا ہے؟''

''اُس میں ایک ہی خامی ہے اور وہ ہے صمد یار خان کا بھائی ہونا، میں اُس گھر میں زندگی بھر کے لیے کیسے جاسکتی ہوں جہاں میرے باپ کا قاتل رہتا ہو؟''

وہ بولی۔ ''گل! مجھے مجبور مت کرو...... شادی تو تجھے یاری خان ہی سے کرنا پڑے گی، چاہے ہنسی خوشی کرو یا رو دھو کر۔''

''ماں! آپ مجھے مجبور کریں گی تو میں بھی بابا کی طرح خودکشی کرلوں گی۔ بہتر ہوگا کہ آپ میری شادی کا خیال دل سے نکال دیں۔'' اُس نے فیصلہ کن انداز میں جواب دیا۔

''دور ہوجاؤ میری نظروں سے بے حیا نافرمان۔'' وہ چلائی۔ ''وقت آنے دو پھر میں تم سے نمٹ لوں گی۔''

گل رُخ اُٹھی اور بھاگ کر باپ کے کمرے میں داخل ہوگئی۔ کھڑکی کے ساتھ ہی جابر خان کا بستر لگا ہوا تھا۔ اُسے دنیا سے گزرے ایک ہفتہ ہونے کو آیا تھا مگر اُس کا بستر بدستور اُسی جگہ لگا ہوا تھا۔ گل رُخ بستر پر اوندھی لیٹ گئی اور تکیے میں منہ چھپا کر رونے لگی۔ اُسے شدت سے بابا کی یاد آنے لگی۔ آج اگر وہ زندہ ہوتے تو یقیناً اپنی اکلوتی اور لاڈلی بیٹی کا ساتھ دیتے۔ اماں اُسے یوں بے عزت کرنے کی کبھی ہمت نہ کرتیں۔ اُس کے خاموش آنسو بابا کا تکیہ بھگونے لگے مگر بابا کے وہ پُرشفقت ہاتھ جن کی انگلیوں کی پوریں یہ آنسو پونچھا کرتی تھیں وہ ہاتھ، وہ انگلیاں بابا کے ساتھ ہی رزقِ خاک ہوچکی تھیں۔ بابا اُس کے لیے وقت کی کڑی دھوپ میں شجرِ سایہ دار کی طرح تھے لیکن آج وہ شجر نہیں رہا تھا۔ چنانچہ وقت کی کڑی دھوپ اُس کا کومل بدن جلا رہی تھی۔ روتے روتے اُس کی ہچکی بندھ گئی مگر اماں نے پلٹ کر اُس کی خبر ہی نہ لی۔

ذرا دیر کے بعد جب اُس کے دل کا بوجھ قدرے ہلکا ہوگیا تو وہ خود ہی اوڑھنی کے پلو سے اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے اُٹھ بیٹھی۔ بابا کے بستر سے ذرا اُوپر دیوار پر لگی کھونٹی سے بابا کی محبوب رائفل لٹکی ہوئی تھی۔ یہ آٹھ ایم ایم کی ایک خوب صورت اور دیدہ زیب رائفل تھی۔ اسی رائفل سے بابا نے خودکشی کی تھی۔ اس رائفل کے چیمبر میں دس گولیوں کی گنجائش تھی اور بابا اُسے ہمہ وقت لوڈ رکھا کرتے تھے۔ رائفل کے چیمبر میں دس کی دس گولیاں بھری رہتی تھیں۔ گل رُخ چند لمحے رائفل کو گھورتی رہی پھر غیرارادی طور پر اُٹھ کر کھونٹی سے رائفل اُتار لی۔ دیگر بہت سی قبائلی لڑکیوں کی طرح وہ بھی رائفل کے استعمال سے اچھی طرح واقف تھی۔ بابا نے خود ہی بڑے شوق سے اُسے رائفل چلانا سکھایا تھا۔ اُس کا نشانہ بھی بہت اچھا تھا۔ چند ثانیے وہ رائفل پر ہاتھ پھیرتی رہی اور بابا کو یاد کرتی رہی، پھر اچانک ہی اُس نے رائفل کا کاکنگ ہینڈل کھینچا اور چیمبر میں موجود گولیاں نکالنے لگی۔ ایک ایک کرکے اُس نے تمام گولیاں نکال لیں اور پھر گولیوں کو شمار کیا تو اُس کا دل بے اختیار دھڑک اُٹھا۔ یہ پوری

WWW.PAKSOCIETY.COM

دس گولیاں تھیں، حالانکہ دس کی بجائے چیمبر میں نو گولیاں ہوتیں۔ جو گولی بابا نے خود پر چلائی تھی وہ رائفل میں موجود نہیں ہونی چاہیے تھی۔ اُس کا دل پہلو میں اچھلنے لگا۔ دس گولیوں کی موجودگی سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ اُس کے بابا نے خودکشی نہیں کی تھی۔ اُس نے دل ہی دل میں سوچا۔ ''اگر بابا نے خودکشی نہیں کی تو پھر اُس پر گولی کس نے چلائی تھی؟'' دماغ نے فوراً دلیل دی۔ ''یہ کام صمد خان ہی کا ہوسکتا ہے۔'' وہ دماغ کی اس دلیل کی نفی نہیں کرسکتی تھی کیونکہ اُس وقت کمرے میں اُن ماں بیٹی کے علاوہ تیسرا شخص صمد خان ہی تھا۔

''اماں اماں۔'' وہ چلاتی ہوئی کمرے سے باہر نکلی اور ماں کے کمرے میں داخل ہوگئی۔ زرینہ نے اُسے حواس باختگی کے عالم میں دیکھا تو پریشان ہوکر پوچھا۔ ''کیا بات ہے تم چلا کیوں رہی ہو؟''

وہ پُرجوش انداز میں بولی۔ ''اماں! بابا نے خودکشی نہیں کی تھی بلکہ اُنھیں قتل کیا گیا ہے۔''

''تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے؟'' اماں نے حیرت اور پریشانی کی ملی جلی کیفیت میں سوال کیا۔ ''یہ...... کیا بکواس کررہی ہو...... تمہارے بابا نے ہم دونوں کے سامنے ہی تو خود کو گولی ماری تھی۔''

''نہیں اماں۔'' اُس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''بابا نے خود کو گولی نہیں ماری تھی...... بلکہ اُسے...... اُسے صمد خان نے گولی ماری تھی۔''

''شاید تم اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھی ہو۔'' ماں نے ترحم آمیز نظروں سے اُسے دیکھا۔ ''ہوش میں آؤ میری بچی! یہ کیسی بہکی بہکی باتیں کررہی ہو؟''

''ماں! میں پوری طرح ہوش میں ہوں، آپ میرے ساتھ بابا کے کمرے میں چلیں میں آپ کو کچھ دکھاتی ہوں۔'' اُس نے جوش کے عالم میں جواب دیا۔

''چلو دکھاؤ ایسا کیا ہے وہاں کہ تم اتنا پُرجوش ہورہی ہو۔'' اماں اُٹھ کر اُس کے ساتھ چل دی۔

دونوں آگے پیچھے چلتی ہوئی جابر خان کے کمرے میں داخل ہوگئیں۔ سامنے ہی بستر پر رائفل اور گولیاں پڑی ہوئی تھیں۔ گل رُخ رائفل اور گولیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔ ''اماں! یہ گولیاں گنو۔''

''مجھے لگتا ہے تم سچ مچ پاگل ہوگئی ہو؟'' اماں نے مشکوک نظروں سے اُس کی طرف دیکھا۔

وہ بولی۔ ''پہلے آپ گولیاں تو گنیں، پھر بے شک مجھے پاگل کہتی رہنا۔''

زرینہ نے بیزار انداز میں گولیاں گنیں اور کہا۔ ''یہ دس گولیاں ہیں۔''

''اور بابا کی رائفل میں کتنی گولیاں آتی ہیں؟'' گل نے پوچھا۔

''دس گولیاں آتی ہیں اور کتنی آتی ہیں؟'' زرینہ نے اُلجھے ہوئے انداز میں جواب دیا۔

''اماں! یہ دس گولیاں میں نے ابھی ابھی بابا کی رائفل سے نکالی ہیں۔ اگر بابا نے اس رائفل سے خودکشی کی ہے تو پھر اس میں دس کی جگہ نو گولیاں ہوتیں۔ دسویں گولی کا کوئی جواز ہی نہیں بنتا؟''

''تم...... تم سچ کہہ رہی ہو؟'' اماں نے صدمے کی کیفیت میں سوال کیا۔

''مجھے بھلا جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے؟'' گل رُخ نے جواب دیا۔

''اس...... اس کا مطلب ہے کہ تمہارے بابا...... کو گولی صمد خان...... نے...... مم...... ماری......'' بات مکمل ہونے سے قبل ہی زرینہ لہراتے ہوئے زمین بوس ہوگئی۔

''اماں!'' گل رُخ چیختے ہوئے ماں سے لپٹ گئی۔ ''خدا کے لیے اُٹھو...... اماں اُٹھو...... اُٹھو اماں اُٹھو......'' وہ چیخ چیخ کر رونے لگی مگر ماں کے بدن میں

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

کوئی جنبش پیدا نہ ہوئی۔

☆☆☆

گاؤں سے باہر صمد خان ایک پہاڑی چٹان پر پریشانی کے عالم میں بیٹھا ہوا تھا۔ اُس کے قریب ہی اُس کے بچپن کا دوست شاہ ولی بھی بیٹھا ہوا تھا جو ترحم نظروں سے صمد خان کی جانب دیکھ رہا تھا۔ صمد خان کا کوئی بھی راز شاہ ولی سے پوشیدہ نہیں تھا۔ وہ ہر بات بغیر پوچھے شاہ ولی کو بتا دیا کرتا تھا۔ حتیٰ کہ اپنے خالو کو قتل کرنے والی بات بھی اُس نے شاہ ولی کو بتا دی تھی۔ شاہ ولی چند لمحے تو اُس کے چہرے کی طرف دیکھتا رہا پھر کہنے لگا۔ ''صمد خان! تم نے اپنے خالو کو قتل کر کے بہت بُرا کیا ہے۔ مجھے سمجھ نہیں آتی کہ تم گل رُخ سے یہ کیسا پیار کرتے ہو؟ میں نے آج تک ایسا عاشق نہیں دیکھا جس نے اپنی محبوبہ کو یتیم بنا ڈالا ہو؟''

صمد خان بولا۔ ''شاہ ولی! میں نے ایسا جان بوجھ کر تو نہیں کیا، میں اگر ایسا نہ کرتا تو وہ مجھے گولی مار دیتا۔ میں نے صرف اپنی جان بچائی ہے اور اپنی جان بچانا کوئی جرم نہیں ہے۔ تم بھی اگر میری جگہ ہوتے تو شاید یہی کرتے جو میں نے کیا ہے۔''

''نہیں۔'' اُس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''میں کبھی بھی ایسا نہ کرتا...... پیار کرنے والے اپنی جان کی پروا نہیں کیا کرتے۔ وہ جان دیتے ہیں جان لیتے نہیں۔''

وہ ہنسا۔ ''شاہ ولی! ایسی باتیں فلموں اور قصے کہانیوں میں اچھی لگتی ہیں، حقیقی زندگی میں کوئی ایسا نہیں کرتا...... یہاں سب اپنے لیے جیتے ہیں۔ میں اگر گل رُخ کے باپ کی گولی کھا کر مر جاتا تو مجھے کیا فائدہ ہوتا، میں گل رُخ کو کیسے حاصل کرتا؟''

''گل رُخ کو تو تم اب بھی حاصل نہیں کر سکتے، وہ یاری خان کی منگیتر ہے۔''

''میرے اور گل کے بیچ جو بھی آیا جان سے جائے گا، چاہے وہ میرا بھائی ہی کیوں نہ ہو؟'' اُس نے فیصلہ کن انداز میں جواب دیا۔

''پیار میں زبردستی نہیں چلتی صمد خان! دیکھنا تم ایک دن ہار جاؤ گے۔ تمہاری محبت یک طرفہ ہے، گل تم سے محبت نہیں کرتی۔''

وہ پھر ہنسا۔ ''محبت ہمیشہ یک طرفہ ہوتی ہے۔ دو طرفہ تو سودا ہوتا ہے۔ مزا تو تب آتا ہے جب کوئی تم سے نفرت کرے، اور تم اُس سے پیار کرو...... پیار کے بدلے پیار تو میرے نزدیک تجارت ہے اور میں تاجر نہیں ہوں عاشق ہوں۔''

''تمہارا یہ منطق میری سمجھ سے بالاتر ہے۔ یک طرفہ محبت، محبت نہیں ضد کہلاتی ہے۔'' شاہ ولی نے جواب دیا۔

''ضد کہلائے یا محبت...... مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ گل میری ہے اور ہمیشہ میری ہی رہے گی۔''

''گل کوئی پلاسٹک کی بنی گڑیا نہیں ہے، ایک جیتی جاگتی لڑکی ہے۔ تم اُسے زبردستی اپنے ساتھ کیسے رکھو گے، وہ تمہارا جینا حرام کر دے گی۔''

''گل کے ساتھ میں جہنم میں بھی جی سکتا ہوں۔''

''اور گل تمہارے ساتھ جنت میں بھی جینے کو تیار نہیں ہے۔'' شاہ ولی نے طنز کیا۔

''تم کس کے ساتھ ہو میرے یا گل کے؟'' اُس نے بُرا مناتے ہوئے جواب دیا۔

''یہ بھی بھلا کوئی پوچھنے والی بات ہے؟ تم میرے دوست ہو تمہیں سمجھانا میں اپنا فرض سمجھتا ہوں۔ تم غلط راہوں پر چل رہے ہو، تمہارا یہ جنون کسی دن تمہاری جان نے لے گا۔ اب بھی وقت ہے خود کو سدھار لو بعد میں پچھتانے کا موقع بھی نہیں ملے گا۔''

''میں عاشق ہوں اور عاشقوں کو نصیحتوں کی

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

ضرورت نہیں ہوتی...... سمجھے تم۔" اُس نے بدستور بگڑے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

شاہ ولی نے کہا۔ "آج تجھے میری نصیحتیں ناگوار گزر رہی ہیں مگر کل جب زمانہ تجھے سبق سکھائے گا تو اُس وقت میں تجھے یاد آؤں گا مگر تب تک پلوں کے نیچے سے بہت سا پانی گزر چکا ہوگا۔ تمہارے اس سفر کا اختتام ایک دن بند گلی میں ہوگا۔ آگے جا نہیں سکو گے اور واپسی کے رستے وقت کی دھول میں کھو چکے ہوں گے۔"

"میں ہر دیوار گرانے کی طاقت رکھتا ہوں۔ تم دیکھنا ایک دن کامیابی میرے قدم چومے گی اور تم میرا دوست ہونے پر فخر کیا کرو گے۔"

وہ بولا۔ "میں ضرور تمہارا دوست ہونے پر فخر کروں گا اگر تم بغیر خون خرابہ کیے منزل تک پہنچ سکے تو تب۔"

"کیا تم نے وہ مثل نہیں سنی کہ جنگ اور محبت میں سب کچھ جائز ہوتا ہے۔"

"تمہارے جیسے کسی جنونی نے ہی بنائی ہوگی یہ مثل ورنہ محبت تو نام ہی قربانی کا ہے۔"

اُس نے قہقہہ لگایا۔ "محبت کی خاطر میں نے اپنے ہاتھ خون سے رنگ لیے ہیں۔ یہ قربانی نہیں تو اور کیا ہے؟"

"تم پاگل ہو صمد خان اور پاگلوں کا علاج کسی کے پاس نہیں ہوتا۔"

"تو پھر ہار مان لو، اسی میں تمہاری بھلائی ہے۔"

"میرے ہار ماننے یا نہ ماننے سے کیا ہوگا؟...... کیا گل ہاں کر دے گی؟" شاہ ولی نے سوال کیا۔

"وہ ہاں کرے یا نہ کرے بہرکیف ایک دن میں اُسے حاصل کر کے ہی رہوں گا۔"

"اللہ کرے ایسا ہی ہو لیکن مجھے یہ ناممکن لگتا ہے۔ عورت کی نفرت کو محبت میں بدلنا آسان کام نہیں ہے؟"

وہ بولا۔ "میں نے یہ کب کہا ہے کہ یہ آسان کام ہے؟ بہت مشکل ہے مگر ناممکن نہیں ہے۔ دنیا میں کچھ بھی ناممکن نہیں ہوتا البتہ اس کا انحصار انسان کی ہمت پر ہوتا ہے۔ بزدل کے لیے ممکن بھی ناممکن ہوتا ہے جب کہ ایک بہادر اور مستقل مزاج انسان ناممکن کو بھی ممکن بنا ڈالتا ہے۔"

"ٹھیک ہے بابا تم جیتے میں ہارا۔" شاہ ولی نے موضوع بدلتے ہوئے کہا۔ "اب چلو بہت دیر ہوگئی ہے۔"

"نہیں۔" اُس نے سر ہلایا۔ "تم جاؤ میں ابھی تھوڑی دیر تک بیٹھوں گا۔"

شاہ ولی خدا حافظ کہہ کر رخصت ہوگیا جب کہ وہ سوچوں میں غرق ہوگیا۔

☆☆☆

وہ ایک چھوٹا سا ہاسپٹل تھا جہاں زرینہ سفید بستر پر چت لیٹی ہوئی تھی جب کہ گل رُخ بستر کے قریب بچھی ہوئی کرسی پر بیٹھی افسردہ انداز میں ماں کی جانب دیکھ رہی تھی۔ زرینہ غنودگی کے عالم میں تھی۔ غالباً ڈاکٹر نے اُسے سکون آور انجکشن لگا دیا تھا۔ ڈاکٹر نے کمرے سے جاتے ہوئے گل کو یہ تسلی بھی دے دی تھی کہ مریض کی حالت اب خطرے سے باہر ہے لہٰذا اُسے جاگنے اور تنگ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ گل کے چہرے پر بے چارگی کے تاثرات چھائے ہوئے تھے اور وہ دل ہی دل میں ماں کی لمبی عمر کے لیے خدا سے دعائیں کر رہی تھی۔ ایسے ہی وقت کمرے سے باہر کاریڈور میں قدموں کی چاپ سنائی دی اور گل سر پر موجود دوپٹہ درست کرنے لگی۔

یاری خان کمرے کے اندر داخل ہوا اور خالہ کے چہرے پر نظر ڈالتے ہوئے بولا۔ "گل! تجھے یوں مایوس ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ خالہ بالکل ٹھیک ٹھاک

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہیں، ڈاکٹر نے کہا ہے کہ وہ صرف ذہنی صدمے کی وجہ سے بے ہوش ہوگئی تھیں۔"

وہ بولی۔ "کیا آپ یہ نہیں پوچھیں گے کہ اماں کی اس حالت کا ذمہ دار کون ہے؟"

"میں سمجھا نہیں گل! کہ..... کہ تم کہنا کیا چاہتی ہو؟" اُس نے حیرانی سے پوچھا۔

وہ چند لمحے یاری خان کی طرف دیکھتی رہی پھر ٹھہر ٹھہر کر بولی۔ "اگر..... میں..... یہ کہوں کہ میرے بابا کو قتل کیا گیا ہے تو کیا آپ میری بات کا یقین کریں گے؟"

"یہ..... یہ..... تم کیا کہہ رہی ہو..... ہوش میں تو ہو؟"

"ہاں۔" اُس نے سر ہلایا۔ "میں پوری طرح اپنے ہوش وحواس میں ہوں مگر میری بات سن کر آپ کے ہوش ضرور اُڑ جائیں گے۔"

"مم..... میں نے کیا کیا ہے؟"

وہ بولی۔ "میں نے یہ کب کہا ہے کہ آپ نے کچھ کیا ہے؟"

"تمہارا انداز اور رویہ بتا رہا ہے کہ تم مجھ سے شاکی ہو۔"

"ہاں آپ کا یہ اندازہ بالکل درست ہے۔" گل نے اثبات میں سر ہلایا۔ "میں آپ سے واقعی شاکی ہوں مگر میرے شاکی ہونے کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ آپ نے کوئی قصور کیا ہے؟"

"تو پھر بتاؤ کون قصوروار ہے؟"

"سننے کا حوصلہ ہے آپ میں؟" اُس نے طنز کے عالم میں سوال کیا۔

وہ بولا۔ "تجھے اگر میرا حوصلہ آزمانا ہی مقصود ہے تو پھر جو کچھ تمہارے دل میں ہے بلا جھجک کہہ ڈالو، میں زخم کھانے کا عادی ہوں۔ تم سے کوئی شکوہ نہیں کروں گا۔"

"تو پھر دل تھام کر سنو............"

"پپ..... پانی....." اچانک زرینہ نے کمزور سی آواز میں پانی مانگا اور گل کی بات ادھوری رہ گئی۔

گل نے سائیڈ ٹیبل پر رکھے جگ سے گلاس میں پانی ڈالا تو تب تک یاری خان خالہ کے سر کے نیچے بازو ڈال کر اُسے سہارا دے چکا تھا۔ گل نے گلاس اُٹھایا اور ماں کے لبوں سے لگا دیا۔ زرینہ گھونٹ گھونٹ کر کے پانی پینے لگی۔ گل کا دھیان پانی کے گلاس اور ماں کے چہرے کی طرف تھا جب کہ یاری خان گل کے چہرے کی طرف والہانہ انداز میں دیکھ رہا تھا۔ اس قدر غور سے اُس نے پہلی بار گل کی طرف دیکھا تھا۔ چنانچہ اُس کے دل کی دھڑکنیں اتھل پتھل ہونے لگیں۔ گل بے حد حسین وجمیل تھی، بلکہ حسین وجمیل کے الفاظ اُس کے حسن کا احاطہ کرنے کے لیے ناکافی تھے۔ وہ یاری خان کو آسمان سے اُتری ہوئی کوئی اپسرا لگ رہی تھی جو شاید زمین پر اُس کے لیے اُتاری گئی تھی۔ دل ہی دل میں وہ اپنی قسمت پر رشک کرنے لگا۔ عین اسی لمحے کوئی کھنکارا تو یاری خان کی محویت ٹوٹ گئی۔ اُس نے نظر اُٹھا کر کمرے کے دروازے کی طرف دیکھا تو صمد خان اندر داخل ہو کر اُنھیں غصیلی نگاہوں سے گھور رہا تھا۔

یاری خان اُسے دیکھ کر بولا۔ "آؤ صمد خان! خالہ تمہاری ہی راہ دیکھ رہی ہے۔"

"خالہ کے پاس اُس کا چہیتا بھانجا موجود ہے پھر میری کیا ضرورت ہے؟" اُس نے طنزیہ لہجے میں جواب دیا۔

"یہ یہ تم کس لہجے میں بات کر رہے ہو؟" یاری خان نے اُلجھ کر پوچھا۔

صمد خان جو اُن دونوں کو ایک ساتھ دیکھ کر اندر ہی اندر کھول رہا تھا۔ بات بدل کر بولا۔ "لالہ! کیا یہ میری خالہ نہیں ہیں؟"

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

''بالکل ہیں اس میں بھلا کیا شک ہے؟'' یاری خان نے مسکرا کر جواب دیا۔
''تو پھر مجھے خالہ کے بیمار ہونے کی اطلاع کیوں نہیں دی گئی۔ کیا میں خالہ کا کچھ بھی نہیں لگتا؟''
صمد خان کو دیکھ کر گل کے تن من میں آگ لگی ہوئی تھی مگر یہ موقع مناسب نہیں تھا۔ ماں کی موجودگی میں وہ کھل کر اپنی نفرت کا اظہار نہیں کر سکتی تھی تاہم اگر اُس کا بس چلتا تو وہ صمد خان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی۔ وہ اُس کے باپ کا قاتل تھا، اُسے یتیم اور اُس کی ماں کو بیوہ کرنے والا درندہ تھا لیکن وائے قسمت کہ وہ چاہتے ہوئے بھی اُس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی تھی۔ اُس نے ابھی تک نگاہ اُٹھا کر صمد خان کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں کیا تھا۔
یاری خان اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے بولا۔ ''میں اماں کو بتا کر آیا تھا۔ اُس وقت تم گھر میں موجود نہیں تھے۔''
وہ بولا۔ ''لالہ! قصور آپ کا ہے اور گل ناراض مجھ سے ہوگی، اسی لیے تو وہ میری طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں کر رہی۔''
گل کا جی چاہا کہ اُٹھ کر اُس قاتل کا منہ نوچ ڈالے مگر یہ سوچنا جس قدر آسان تھا اس پر عمل کرنا اُسی قدر مشکل تھا۔ وہ خون کے گھونٹ پی کر رہ گئی۔
''نہیں بھئی! یہ تمہارا وہم ہے گل تم سے ناراض تو نہیں ہے۔ دراصل اس وقت وہ صدمے کی کیفیت میں ہے۔'' یاری خان نے جواب دیا۔
''اوہ تو یہ بات ہے۔'' وہ آگے بڑھا اور گل سے زرمینہ خالہ کی طبیعت کے متعلق سوال کرنے لگا۔ ''خالہ اب ٹھیک تو ہیں ناں؟ انہیں ہوا کیا تھا...... کل تک تو یہ بالکل تندرست تھیں؟''
گل نے اُس کے کسی سوال کا جواب نہ دیا بلکہ اُس کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہ کیا۔ تب وہ کھسیانا سا ہو کر یاری خان سے بولا۔ ''گل شاید ابھی تک صدمے کی کیفیت میں ہے، تبھی تو میری کسی بات کا جواب ہی نہیں دے رہی۔''
''تم جاؤ گھر میں ماں اکیلی ہوں گی۔ خالہ کا خیال رکھنے کے لیے میں کافی ہوں۔'' یاری خان نے اُسے ٹالنے کی کوشش کرتے ہوئے جواب دیا۔
''نہیں لالہ! آپ جائیں میں ان کا خیال رکھوں گا۔'' وہ بھلا کہاں جھانسے میں آنے والا تھا۔ ''ویسے بھی اماں آپ کو بلا رہی ہیں۔''
''کیوں اماں مجھے کس لیے بلا رہی ہیں؟'' یاری خان نے استفسار کیا۔
''مجھے اماں نے بتایا تو کچھ نہیں لیکن مجھے اندازہ ہے کہ وہ آپ سے کوئی بہت اہم بات کرنا چاہتی ہیں۔''
''تم ایسا کرو اماں کو یہیں لے آؤ۔'' یاری نے مشورہ دیا۔ ''وہ خالہ سے بھی مل لیں گی اور مجھ سے بات بھی کر لیں گی۔''
''نہیں لالہ! میں خالہ کو ایسی حالت میں چھوڑ کر جانے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔'' اُس نے چہرے پر مصنوعی پریشانی طاری کرتے ہوئے جواب دیا۔
''میں ہوں ناں! خالہ کے ساتھ پھر تجھے کیا پریشانی ہے؟''
''میں تو کہتی ہوں کہ آپ دونوں چلے جائیں، اماں کے ساتھ میں ہوں ناں! پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔'' گل نے مداخلت کی۔
''میں تو قطعاً نہیں جاؤں گا...... ہاں اگر لالہ جانا چاہے تو جا سکتا ہے۔'' صمد خان نے حتمی لہجے میں جواب دیا۔
''ٹھیک ہے تو پھر میں ہی چلی جاتی ہوں آپ دونوں خالہ کے پاس رہیں۔'' گل نے جھنجھلا کر

WWW.PAKSOCIETY.COM

کہا اور پھر تیزی سے اُٹھ کر کمرے سے باہر نکل گئی۔
یہ سب کچھ اس قدر تیزی سے وقوع پذیر ہوا تھا کہ دونوں بھائی ایک دوسرے کی صورت ہی دیکھتے رہ گئے۔
''چلو اب خالہ کا خیال رکھو، میں دیکھتا ہوں کہ گل کدھر گئی ہے؟'' یاری خان نے پریشانی کے عالم میں کہا اور پھر اُسے بولنے کا موقع دیے بغیر تیزی سے باہر نکل گیا۔

☆☆☆

ہاسپٹل کے احاطے میں یاری خان کی نگاہیں چاروں طرف گھوم رہی تھیں مگر کوشش کے باوجود اُسے گل نظر نہیں آ رہی تھی۔ یونہی گھومتے گھومتے وہ ہاسپٹل کے اکلوتے کنٹین میں داخل ہو گیا۔ سامنے ہی ایک ٹیبل پر گل موجود تھی۔ وہ تیز تیز چلتا ہوا اُس کے پاس پہنچ گیا۔
''گل! بات کیا ہے مجھے بتاؤ...... تم یوں خالہ کو چھوڑ کر یہاں آ کر کیوں بیٹھ گئی ہو، مجھ سے کوئی شکایت ہے یا صمد خان سے؟''
''کسی سے بھی نہیں ہے۔'' اُس نے بھرائی ہوئی آواز میں جواب دیا۔
''نہیں کچھ تو ہے ورنہ میں نے تجھے کبھی اس قدر پریشان نہیں دیکھا۔ بولو کیا بات ہے؟'' یاری خان نے اصرار کیا۔
''میں نے کہا ہے ناں کہ کوئی بات نہیں پھر آپ کیوں میرے پیچھے پڑے ہوئے ہو؟'' وہ جھنجھلا اُٹھی۔
''گل! میری بات سنو۔'' وہ اُس کے سامنے دوسری کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ ''میں تمہارا دشمن نہیں ہوں۔ تمہیں افسردہ دیکھ کر مجھے تکلیف ہوتی ہے۔ میں تمہارے دکھ بانٹنا چاہتا ہوں۔ جانتی ہو کیوں؟...... اس لیے کہ میں تجھے اپنا سمجھتا ہوں اور...... اور اگر سچ پوچھو تو...... میں تم سے پیار کرنے لگا ہوں۔''
''کتنا پیار کرتے ہو مجھ سے؟'' اُس نے بلا جھجک سوال کیا۔
''مم...... میں سمجھا نہیں۔'' وہ گڑبڑا گیا۔ ''تم کہنا کیا چاہتی ہو؟''
وہ بولی۔ ''اس میں سمجھ میں نہ آنے والی کون سی بات ہے؟...... یہ تو ایک عام سا سوال ہے کہ آپ مجھ سے کتنا پیار کرتے ہیں؟''
''اوہ...... تو یوں کہو ناں! کہ تم مجھے آزمانا چاہتی ہو؟''
''ہاں۔'' اُس نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''اگر آپ کو اعتراض نہ ہو تو میں یقیناً آپ کو آزمانا چاہوں گی۔''
''ٹھیک ہے میں تیار ہوں۔ بولو مجھے کیا کرنا ہوگا؟''
''میں بابا کے قاتل سے انتقام لینا چاہتی ہوں کیا آپ میری خاطر یہ کام کر سکتے ہیں ہیں؟'' اُس نے پُرامید نظروں سے یاری خان کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔
''ہاں اگر تم مجھے یقین دلا دو کہ تمہارے بابا کو واقعی قتل کیا گیا ہے تو میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں قاتل کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔'' یاری خان نے پُرعزم لہجے میں جواب دیا۔
''یاری خان! ابھی قسم مت کھاؤ...... یہ نہ ہو کہ قاتل کا نام سن کر آپ کے پیروں تلے سے زمین نکل جائے؟''
''پہیلیاں مت بوجھواؤ گل! مجھے قاتل کا نام بتاؤ؟''
وہ بولی۔ ''پہلے ثبوت پیش کروں گی، پھر قاتل کا نام بتاؤں گی۔''
''تو ثبوت پیش کرو ناں! کس نے روکا ہے تجھے؟''
''ثبوت یہاں نہیں، گھر میں موجود ہے۔''
''تو چلو گھر چلتے ہیں۔'' وہ اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ ''میں

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

بھی دیکھوں کہ تمہارے پاس کون سا ثبوت ہے؟''
''نہیں ابھی نہیں۔'' اُس نے نفی میں سر ہلایا۔
''ماں کو یہاں چھوڑ کر میں آپ کے ساتھ نہیں جا سکتی۔''
''خالہ کے پاس صمد خان ہے ناں! اُس کی تم فکرمت کرو، صمد خان خالہ کا خیال رکھے گا۔''
''آپ بیٹھیں۔'' وہ یاری خان کا ہاتھ پکڑتے ہوئی بولی۔''جلد بازی کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ وقت آنے پر میں آپ کو ثبوت دینے کے ساتھ ساتھ قاتل کا نام بھی بتادوں گی۔''

گل نے اُس کا ہاتھ کیا پکڑا یاری خان کے جسم میں کرنٹ سا دوڑ گیا۔ گل کا ہاتھ مخمل کی طرح نرم وگداز تھا۔ یاری خان کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ اس ہاتھ پر اپنے لب رکھ دے۔ اُس وقت وہ لذت وکیف کی جس کیفیت سے گزر رہا تھا وہ اُس نے اس سے پہلے کبھی محسوس نہیں کی تھی۔ دل ہی دل میں وہ اپنی قسمت پر رشک کر رہا تھا کہ اُسے بن چاہے گل جیسی کومل اور سندر لڑکی جیون ساتھی کے طور پر مل گئی تھی۔ وہ سحرزدہ سا ہو کر گل کے سامنے بیٹھ گیا اور اُسے والہانہ انداز میں دیکھنے لگا۔ گل نے اپنے چہرے پر اُس کی نگاہوں کی تپش محسوس کرتے ہوئے نظریں جھکا دیں اور پھر حیا آلود لہجے میں پوچھا۔''ایسے کیوں دیکھ رہے ہیں، کیا اس سے پہلے کبھی کوئی لڑکی نہیں دیکھی؟''

وہ بولا۔''بہت سی دیکھی ہیں مگر اُن میں کوئی بھی تیرے جیسی نہیں تھی۔''

''مجھے بنائیں مت۔'' اُس نے لجا کر کہا۔''مجھ میں ایسا کیا ہے جو آپ کو دوسری لڑکیوں میں نظر نہیں آیا؟''
''مجھے آپ نہیں ''تم'' کہو گل۔'' وہ لفظ ''تم'' پر زور دیتے ہوئے بولا۔''میں تیرے منہ سے آج کے بعد لفظ آپ نہیں سننا چاہتا، مجھے اس لفظ سے اجنبیت کا احساس ہوتا ہے۔ وعدہ کرو کہ تم اب مجھے ''آپ'' کہہ کر نہیں پکارا کرو گی؟''

''آپ...... آپ بڑے ہیں مجھ سے...... میں بھلا یہ گستاخی کیسے کر سکتی ہوں؟'' اُس نے شرما کر جواب دیا۔
''نہیں...... یہ گستاخی نہیں ہے گل! بلکہ اسے میں اپنی عزت افزائی سمجھوں گا۔''

وہ کانپتی ہوئی آواز میں بولی۔''لل...... لیکن...... مجھے شرم آتی ہے۔ میں...... آپ کو...... تم نہیں کہہ سکتی۔''

ایسے ہی وقت جب وہ دونوں ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے ہوئے ایک دوسرے کو والہانہ انداز میں دیکھ رہے تھے۔ بالکل غیر متوقع طور پر کنٹین کی کھڑکی سے اُنھیں دو آنکھیں گھور رہی تھیں اور اُن آنکھوں میں نفرت کے شعلے سے بھڑک رہے تھے۔ یہ آنکھیں کسی دشمن کی نہیں تھیں بلکہ صمد خان کی تھیں، جو اُنھیں تلاش کرتے کرتے اچانک ہی وہاں پہنچ گیا تھا۔ یاری خان کے ہاتھوں میں گل کے ہاتھ دیکھ کر اُس کے تن من میں آگ سی لگ گئی تھی۔ اُسے اپنا بدن ان دیکھے شعلوں میں جلتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ گل کے ہاتھ وہ کسی غیر کے ہاتھوں میں بھلا کیسے برداشت کر سکتا تھا۔ چاہے وہ ہاتھ اُس کے بھائی کے ہی کیوں نہ ہوتے؟

''لالہ!'' وہ خود کلامی کرتے ہوئے بولا۔''یہ...... یہ آپ نے اچھا نہیں کیا میرے ساتھ...... میں اب چاہوں بھی تو آپ کو معاف نہیں کر سکتا...... بہت بُرا کیا ہے آپ نے لالہ بہت بُرا۔'' غیر ارادی طور پر اُس کا ہاتھ رینگتا شلوار کے نیفے تک پہنچ گیا۔ دوسرے ہی لمحے اُس کے ہاتھ میں ایک خوف ناک پستول نظر آنے لگا اور آنکھوں سے قہر برسنے لگا۔ اُس نے پستول والا ہاتھ سیدھا کیا اور یاری خان کے سر کا نشانہ لیتے ہوئے ہونٹ بھینچ لیے۔ اُس وقت اُس کے چہرے پر رحم کا شائبہ تک نہیں تھا۔

(یہ لہورنگ داستان جاری ہے)

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

مریض دوائی منگوانے کے لئے اپنا حوالہ نمبر ضرور لکھا کریں
رپورٹس اور خطوط پر اپنا موبائل نمبر لازماً لکھیں

پلوریسی کے لئے قدرت کا عظیم تحفہ

ڈاکٹر رانا محمد اقبال (گولڈ میڈلسٹ)
0321-7612717
ڈی۔ایچ۔ایم ایس (DH.Ms)
ممبر پیرامیڈیکس ایسوسی ایشن پنجاب
ممبر پنجاب ہومیو پیتھک ایسوسی ایشن
شعبۂ طب ونفسیات

اس ماہ جو کیس میں اپنے محترم قارئین کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں وہ اگرچہ بہت مختصر سا ہے مگر عملی زندگی میں بے پناہ اہمیت کا حامل ہے کیونکہ انسانی زندگی بعض اوقات چند گھنٹوں یا لمحوں کی محتاج رہ جاتی ہے اور اگر اس وقت فوری/ بروقت مناسب اقدام نہ کیا جائے تو بعدازاں پچھتاوے کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ درج ذیل کیس بھی ان ہی امراض کے زمرے میں آتا ہے۔

یہ اسی سال کا واقعہ ہے گرمیوں کا موسم تھا، ایک روز میں سارا دن دفتر میں کام کر کے اور تقریباً دو گھنٹوں کا سفر کر کے گھر پہنچا تو گرمی سے نڈھال تھا اگرچہ دن غروب ہونے کے قریب تھا مگر حبس اور گرمی سے توبہ توبہ ہو رہی تھی۔ جسم پسینہ سے شرابور تھا، کپڑے تبدیل کر کے بیڈ پر لیٹ گیا پسینہ قدرے کم ہوا تو باتھ روم میں چلا گیا اور غسل خانے میں ٹھنڈا پانی دیکھ کر رہا نہ گیا اور میں نہانے لگ پڑا۔ جسم پر ٹھنڈا پانی ڈالتا گیا اور جسم میں قدرے سکون ہوتا گیا۔ نہا کر نکلا تو پھر بیڈ پر پنکھے کے نیچے لیٹ گیا جسم میں قدرے سکون تھا پھر اٹھ کر شام کی سیر کی تو پھر جسم پسینہ میں نہا گیا۔ واپس آ کر نمازِ مغرب ادا کی، کچھ دیر کمپیوٹر پر کام کیا، رات کا کھانا کھا کر اوپر والی منزل پر پنکھا چلا کر لیٹ گیا۔ اب جسم میں کچھ بے چینی سی شروع ہوئی تو ایک دو ادویات استعمال کر لیں۔ صبح اٹھا تو پسلیوں میں اس قدر شدید درد ہو رہا تھا کہ سانس لینا اور حرکت کرنا بھی محال تھا۔ حالانکہ یہ ٹائم میری صبح کی سیر کا تھا۔ پھر کچھ ادویات الماری سے نکالیں اور استعمال کیں پھر حلق سے ریشے کا اخراج اور سانس میں شدید

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

مشکل پیدا ہو گئی حتیٰ کہ ایسا لگنے لگا کہ بس اب کام ختم ہوا کہ ہوا۔

بہر حال چونکہ میں روزمرہ کی مستعمل ادویات پہلے ہی استعمال کر چکا تھا مثلاً فاسفورس، ایپس، بیلاڈونا وغیرہ۔ اب سانس میں تنگی اتنی زیادہ ہو چکی تھی کہ زیادہ وقت نہ تھا صرف ایک ہی راستہ سمجھ میں آتا تھا کہ کسی اچھے ہسپتال سے رجوع کروں کیونکہ اتنی صبح سویرے کسی پرائیویٹ ڈاکٹر کا ملنا ناممکن تھا۔ اس حالات میں دماغ بھی خاصی حد تک ماؤف ہو چکا تھا جو کہ ایک قدرتی عمل ہے۔ اب فوراً گرم پانی کی بوتل کا استعمال ضروری ہوا اور ساتھ ساتھ سوچ رہا ہوں کہ یاالٰہی اب کیا کروں تُو ہی مالک کل اور عقل کل ہے میری راہنمائی فرما۔

اب خدا کی قدرت دیکھیں کہ میں پانی پینے کے لئے بڑی مشکل سے اٹھ کر ڈریسنگ ٹیبل تک گیا اور اچانک نگاہ ایک کتاب بعنوان ''سحر ہومیوپیتھی از ڈاکٹر گلزار احمد راجپوت'' پر پڑی۔ میں نے کتاب اٹھا کر جلدی جلدی الٹ پلٹ کر دیکھنا شروع کی۔ اچانک میری نگاہ ان کے ایک کیس پر پڑی جس میں انہوں نے پلوریسی کے ایک مریض کا علاج کیا تھا۔ کتاب پڑھتے پڑھتے میری نگاہ ایک صفحے پر پڑی جس میں ان کا وہ کیس بھی درج ہے جس میں انہوں نے ایک دیسی چیز (ہلدی) کے ساتھ ایک بچے کا علاج کیا تھا۔ اب جب میں نے کیس بغور پڑھا تو فوراً سمجھ میں آ گیا کہ مجھ پر بھی پلوریسی کا شدید اٹیک ہو چکا ہے کیونکہ اس سے قبل کبھی میرے یا میرے اہل خانہ کے ساتھ کبھی ایسا واقعہ پیش نہیں آیا تھا۔ اگرچہ کھانسی، دمہ، ٹی بی وغیرہ کے کیس آتے رہتے ہیں مگر ایسا پریشان کن مرحلہ پہلی بار میرے تجربے میں آیا تھا۔

ڈاکٹر مرحوم اللہ ان کی مغفرت فرمائے، میں ان کے علم و تجربات سے بھی بے حد متاثر ہوں اگرچہ زندگی میں کبھی ان سے فون پر یا بالمشافہ ملاقات کا شرف حاصل نہیں ہو سکا جس کا مجھے بے حد افسوس ہے ان کا دل سے بے حد احترام کرتا ہوں۔ کیونکہ ان کی ہومیوپیتھی کے بارے میں اپروچ بہت حد تک ماڈرن ہے اور کسی بھی دوسرے ڈاکٹر سے کسی طور کم نہیں ہے میری دعا ہے کہ کاش کہ پاکستان میں ایسے ڈاکٹر پیدا ہوتے رہیں۔

یہ کیس پڑھ کر میں ایک گہری سوچ میں پڑ گیا کیونکہ ہلدی کا یہ استعمال میں نے اپنی پوری زندگی میں اب تک نہیں پڑھا تھا۔ تاہم اس سے کام لینے میں کوئی حرج بھی نہیں تھا۔ البتہ ایک مسئلہ یہ تھا کہ میں نے ہلدی کبھی اس طرح خام حالت میں استعمال نہیں کی تھی اور نہ ہی میں ادویات کو Crude Form میں استعمال کرنے کے حق میں ہوں خصوصاً اس لئے بھی کہ میں اس کو فلسفہ ہومیوپیتھی کے مطابق نہیں سمجھتا اگرچہ بے شمار ڈاکٹر ایسا کرتے ہیں۔ بہرحال ڈاکٹر موصوف کی ایک بات میرے ذہن میں آ گئی جو کہ انہوں نے اسی کتاب میں کسی دوسری جگہ لکھی ہوئی ہے۔ میں نے ان کی اس سوچ سے ایک نتیجہ اخذ کیا ہوا ہے وہ یہ کہ افلاطون، ارسطو، رازی، ابن ریحان، ڈاکٹر ہانمن، کینٹ، نیش وغیرہ وغیرہ بے شک بے بہا علم رکھتے تھے اور انہوں نے اس وقت کے میڈیکل کے طلباء کے لئے ایک بہت بڑی بنیاد فراہم کی تاہم وہ عقل کل ہرگز نہ تھے اور ایک دوسری بڑی اہم بات یہ ہے کہ اب حالات بھی وہ نہیں رہے جو اب سے کئی سو سال قبل تھے کیونکہ جو امراض اس وقت ناقابلِ علاج سمجھی جاتی تھیں اب ان کا نہ صرف شافی علاج موجود ہے بلکہ کئی امراض کا تو بالکل قلع قمع ہو چکا ہے۔ یہاں میں ایک سرسری سی بات بھی کرتا ہوں کہ ہومیوپیتھک طریقہ علاج میں بہت سے DRaw Backs کے باوجود بھی کئی ایسے امراض کا علاج موجود ہے جو کہ دیگر طریقہ علاج میں موجود نہیں۔ تاہم میں ان کو سرے سے ہی غلط نہیں کہتا جیسے کہ دوسرے ڈاکٹر حضرات کا خیال ہے

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

کیونکہ اگر ایک سسٹم بالکل ہی غلط ہو اور اس میں کوئی اچھائی نہ ہو تو وہ جلد یا بدیر صفحہ ہستی سے مٹ جاتا ہے جبکہ تقریباً تمام طریقہ علاج فی الحال خاص حد تک زیر استعمال ہیں۔ ہاں البتہ وہ چیزیں جو کہ بالکل بے بنیاد ہیں تو ان سے پرہیز ہی بہتر ہے۔

تو میں بات یہ کر رہا تھا کہ اتنے نامور ڈاکٹر اس وقت کے مطابق جو کہتے اور کرتے تھے، بالکل ٹھیک نہ بھی ہو تو قابل پریکٹس ضرور تھا لیکن آج کل کے بدلے ہوئے حالات کے مطابق اب اس کی اندھا دھند پیروی ضروری نہیں۔ خدا تعالیٰ نے آپ لوگوں کو بھی دماغ دیا ہوا ہے اور اپنی پاک کتاب میں تو واضح طور پر لکھ دیا ہے کہ "آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اس میں غور کرتے رہو" یعنی کہ جو ایجاد ہوا ہے اس میں بھی غور کرتے رہیں گویا کہ مزید غور یعنی (Further Improvement) اور یہی چیز اصل ترقی ہے۔ تو بھائی میں نے بھی اس بات پر غور کیا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو بات دماغ میں آئی وہ یہ تھی کہ میں اس کی کوئی Potency بنالوں۔ تو میں نے ہومیو پیتھک فارما کوپیا کے اصول کے تحت اس کی 2M پوٹینسی بنالی اور فوراً ہی ایک گلاس پانی میں ڈال کر پی لی اور بیڈ پر لیٹ کر رزلٹ کا انتظار کرنے لگا۔

اب جو بات میں قارئین کو بتانے لگا ہوں شاید کسی Expert فزیشن کو بھی یقین نہ آئے مگر تجربہ کریں گے تو شاید رزلٹ دیکھ کر بے ہوش ہی ہو جائیں۔ تقریباً بیس پچیس منٹ کے بعد اس دوا نے اپنا اثر دکھانا شروع کر دیا اور وہ اس طرح کہ ہڈیوں اور مسلز سے درد غائب ہونا شروع ہوا اور سانس میں بہت بہتری آ گئی گویا کہ Pluracy Infection کم ہونا شروع ہو گئی اور آدھ گھنٹے کے بعد میں نے سیکنڈ ڈوز اسی طرح لے لی۔ اب تو گویا معجزہ ہو گیا۔ ایک گھنٹے کے اندر سب تکالیف

RTM: 71114
N.B.S
FANS
سب اچھا لگا مگر
بات ان سے بنی
U.I INDUSTRY
184-C, Small Industries State
Gujrat PAKISTAN.
PH:+92 53 3535901-2, 3523494-5
Fax: 053-3513307
E-mail: nbsfans@gmail.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

ختم ہو گئیں اور ساری دردیں اور سانس کی تنگی (Difficulty in Respiration Vanished) بھی ختم ہو گئی۔

اب آپ ایلو پیتھک طریقہ علاج کی طرف آئیں تو اس میں جو دوائیں ہے وہ کم و بیش (Antibiotics & Pain Killers) اور کئی دن استعمال بھی کرانی پڑتی ہیں۔ ان کے اثر کا عرصہ کار دو دن سے سات دن کے درمیان ہے۔ خرچہ اور سائیڈ ایفکٹس بہرحال اپنی جگہ ہیں۔ ان کی نسبت مندرجہ بالا علاج بالکل محفوظ ہے کوئی سائیڈ ایفکٹس نہیں جو چاہے آزمائے کوئی شرط یا اجازت کی ضرورت نہیں۔

یہ مضمون لکھتے وقت کئی بار روپے پیسے، مال کی مصلحت نے مجھے روکا اور کئی دوستوں نے بھی سمجھایا بجھایا کہ کیوں اتنے لاکھ کا نسخہ عام کرتے ہو اور ہماری کمائی پر لات مار رہے ہو مگر مجھے خلق خدا کا فائدہ زیادہ پسند ہے اور وہ میں نے کر دیا ہے۔ خود بھی دوا بنائیں اور فائدہ اٹھائیں کیونکہ یہ ایک عام ملنے والی چیز ہے جو کہ مہنگی بھی نہیں۔ بے شک میں نے مال نہیں کمایا مگر مجھے دو باتوں کی خوشی ضرور ہو گی۔

(1) یہ کہ میں نے بفضلہٖ پاکستان میں عام ملنے والی جڑی بوٹی سے ہومیو پیتھک دوا بنا کر ایک خطرناک مرض میں استعمال کر کے انوکھی / بے مثال کامیابی حاصل کی جو کہ کسی بھی انگریزی میڈیسن سے حاصل نہیں ہو سکتی۔

(2) قارئین انگلش ادویات کے استعمال، خرچے اور سائیڈ ایفکٹس سے بچ جائیں گے۔

(3) عین ممکن ہے کہ قارئین یا ڈاکٹر صاحبان میرے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے کئی نئی ادویات ایجاد کر لیں۔

(4) حکومت کے متعلقہ محکمہ سے گزارش ہے کہ مندرجہ بالا میڈیسن کو میرے نام سے رجسٹرڈ کیا جائے۔ جس کو میں نے HD-2M کا نام دیا ہے اور وہ ہمارے شعبے سے مل سکتی ہے۔

اس مضمون میں ایک کتاب سحر ہومیو پیتھی کا ذکر ہوا ہے جس کے حقیقی مصنف محترم ڈاکٹر گلزار حسین راجپوت مرحوم ہیں مگر مقام افسوس یہ ہے کہ مذکورہ کتاب لاہور کیے ایک مشہور ڈاکٹر (جو کہ ڈاکٹر مرحوم کے قریبی ساتھی تھے) اب اپنے نام سے نئے عنوان کے تحت چھپوا رہے ہیں۔ بہرحال جہاں اتنی جعلی احادیث بن رہی ہیں اور چھاپی گئی ہیں وہاں اس بات کی اہمیت رہ جاتی ہے اور اب مرحوم کر بھی کیا سکتے ہیں کیونکہ پاکستان میں قانون کی اب حیثیت کیا رہ گئی ہے۔ اب تو پاکستان میں صرف دو ہی قانون رہ گئے ہیں ایک قانونِ ضرورت اور دوسرا جس کی لاٹھی اس کی بھینس۔ ان دونوں قوانین کو ضرورت مند امراء بڑے دھڑلے اور بے شرمی سے استعمال کر رہے ہیں۔ جن کو شاید قانون خدا کا بھی کوئی ڈر نہیں اور نہ ہی آخرت میں حساب کتاب کا ڈر ہے۔ اگر پاکستان کی اب تک کی ہسٹری دیکھیں تو یہ بات آپ کو ہر بار ہر موقع پر سچ نظر آئے گی لیکن ان تمام باتوں کے باوجود بھی ہمیں ان ڈاکٹر صاحب کا شکر گزار ہونا چاہئے کیونکہ جو بھی ہے اگر وہ یہ کام نہ کرتے تو مذکورہ کتاب اب تک ملک سے ناپید ہو گئی ہوتی۔

نوٹ:۔ اگر محترم ڈاکٹر گلزار راجپوت صاحب کے لواحقین یا قریبی دوستوں، عزیزوں میں سے کوئی یہ تحریر پڑھے تو گزارش ہے کہ مجھ سے ضرور رابطہ کریں تاکہ ہم مرحوم کے کام کو مزید آگے بڑھانے کی کوشش کریں۔ شکریہ! فون برائے رابطہ 0323-4329344, 0312-6625066, 0321-7612717 معرفت ماہنامہ "حکایت" 26- پٹیالہ گراؤنڈ، لنک میکلوڈ روڈ لاہور (پاکستان)

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

جب کسی زندہ انسان کی شناخت کھو جائے تو پھر ایسی ہی دردناک کہانیاں جنم لیتی ہیں۔ ہمارے کرپٹ سسٹم کے داغ دار چہرے کی نقاب کشائی۔

☆ -- رزاق شاہد کوہلر

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

عامی اُستاد ایک کرسی پر مضبوطی کے ساتھ بندھا ہوا تھا۔ جب کہ کرمانی اور دو خون خوار قسم کے کانسٹیبل اُس کے اردگرد کھڑے ہوئے تھے۔ کرمانی کے ہاتھ میں سروس ریوالور بھی موجود تھا جس کا رخ عامی کی طرف تھا۔

"شاباش اچھے بچوں کی طرح وہ ثبوت میرے حوالے کردو ورنہ مارے جاؤ گے۔" کرمانی نے اُس کی آنکھوں کے سامنے ریوالور لہرایا۔

"کبھی نہیں۔" اُس نے بمشکل سر ہلایا۔ "جب تک وہ ثبوت میرے پاس ہیں تم مجھے نہیں مار سکتے، البتہ چاہو تو جیل میں ڈال سکتے ہو۔"

"مارو اسے۔" کرمانی نے چلا کر کانسٹیبلوں کو حکم دیا۔

کرمانی کا حکم سن کر دونوں کانسٹیبل عامی پر ٹوٹ پڑے۔ اُنھوں نے اُس کے چہرے پر گھونسوں اور تھپڑوں کی بارش کردی۔ عامی کی ناک اور باچھوں سے لہو رسنے لگا مگر وہ ضبط کا مظاہرہ کرتے ہوئے دانت بھینچے بیٹھا رہا۔ جب کہ کرمانی اُس کی چیخیں سننے کا منتظر تھا۔ چنانچہ کانسٹیبلوں پر چلانے لگا۔ "تم حرام خور ہو تمہارے ہاتھوں میں جان ہی نہیں ہے ورنہ یہ گلا پھاڑ پھاڑ کر چیخ رہا ہوتا...... مارو اسے اور مارو میں اس کی چیخیں سننا چاہتا ہوں۔"

عامی کے لبوں پر ایک خون آلود مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ "کرمانی! تم میری چیخیں سننے کے لیے ترستے رہو گے۔ جتنا مار سکتے ہو مار لو مگر میں نہیں چیخوں گا۔"

"تمہارا تو باپ بھی چیخے گا۔" یہ کہہ کر کرمانی خود اُس پر ٹوٹ پڑا۔ وہ کس کس کر اُس کے چہرے پر گھونسے مار رہا تھا اور ایسی ایسی نادر و نایاب گالیاں دے رہا تھا جو عامی نے ایک غنڈہ ہوتے ہوئے بھی اس سے قبل نہیں سنی تھیں۔

دس منٹ کے بعد کرمانی کسی کتے کے مانند ہانپ رہا تھا جب کہ عامی پر نیم بے ہوشی کی کیفیت طاری تھی۔ پٹتے ہوئے اُس کے منہ سے چند سسکیاں ضرور برآمد ہوئی تھیں لیکن وہ چلایا نہیں تھا۔

"پانی لاؤ۔" کرمانی ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے چلایا۔

ایک کانسٹیبل بھاگ کر پانی سے بھرا ہوا جگ لے آیا۔ ٹیبل سے گلاس اُٹھا کر اُس نے گلاس میں پانی ڈالا اور کرمانی کو پیش کرتے ہوئے بولا۔ "لیجیے جناب۔"

کرمانی نے گلاس لیا اور ایک ہی سانس میں چڑھا گیا۔ "اور ڈالو۔" اُس نے گلاس آگے بڑھایا۔ یکے بعد دیگرے تین گلاس حلق میں انڈیلنے کے بعد جب قدرے اُس کی حالت سنبھل گئی تو وہ کرسی سے اُٹھ کر ایک بار پھر عامی کے سامنے پہنچ گیا۔ عامی بدستور نیم بے ہوشی کے عالم میں پڑا ہوا تھا۔

"پانی ڈالو اس کے چہرے پر۔" وہ پلٹ کر کانسٹیبل سے مخاطب ہوا۔ "اسے ہوش میں لاؤ...... فوراً۔"

کانسٹیبل نے اُس کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے عامی کے چہرے پر پانی کے چند چھینٹے مارے تو اُس نے کراہتے آنکھیں کھول دیں۔ کرمانی نے طنزیہ انداز میں اُس کی طرف دیکھا اور نخوت بھرے انداز میں بولا۔

"انسپکٹر کرمانی سے دشمنی کرو گے تو جان سے جاؤ گے...... تمہارے حق میں یہی بہتر ہے کہ میری بات مان کر اپنی جان بچالو۔"

وہ بولا۔ "کرمانی! میرے ساتھ ایک سودا کرلو فائدے میں رہو گے۔"

"کیسا سودا؟" کرمانی نے چونک کر پوچھا۔

"ان کے سامنے نہیں بتا سکتا۔" اُس نے کانسٹیبلوں کی طرف دیکھا۔ "یہ سودا تیرے اور میرے بیچ ہوگا۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

کرمانی نے ہاتھ کے اشارے سے کانسٹیبلوں کو باہر بھیج دیا۔ ”ہاں اب بولو کیسا سودا؟“ وہ عامی سے مخاطب ہوا۔

”میرے اکاؤنٹ میں پانچ کروڑ روپے کی رقم موجود ہے۔ میرے ایک سائن سے وہ رقم تمہارے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر ہو سکتی ہے اگر تم مجھ سے تعاون کرو تو۔“

پانچ کروڑ روپے کا سن کر کرمانی کی آنکھیں چمک اُٹھیں، تاہم وہ کچھ سوچ کر بولا۔ ”میرے لیے رقم سے زیادہ وہ ثبوت اہم ہیں۔“

عامی نے کہا۔ ”وہ ثبوت تم سے زیادہ میرے لیے اہم ہیں۔ یوں سمجھو کہ وہ میری زندگی کی گارنٹی ہیں۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ اگر تم مجھ سے وفادار رہے تو وہ ثبوت کبھی بھی منظر عام پر نہیں آئیں گے۔“

”میں تم پر کیسے اعتبار کرلوں؟“ کرمانی نے سوال کیا۔ ”تم کسی بھی وقت اُن ثبوتوں کو بنیاد بنا کر مجھے بلیک میل کر سکتے ہو؟“

”اس کا میرے پاس کوئی حل نہیں ہے۔ ہمیں ایک دوسرے کی زبان پر اعتبار کرنا پڑے گا۔“

”او کے مجھے سوچنے کے لیے وقت چاہیے۔“ کرمانی نے جواب دیا۔

”کتنا وقت؟“ اُس نے استفسار کیا۔

”صرف پندرہ بیس منٹ۔“ اُس نے جواب دیا اور پھر کانسٹیبلوں کو آواز دے کر دوبارہ اندر بلالیا۔

”میں ابھی چند لمحوں کے اندر واپس آتا ہوں۔ تم لوگ اس کا خیال رکھنا۔ بہت تیز اور عیار آدمی ہے۔“ کانسٹیبلوں کو ہدایت دیتے ہوئے وہ باہر نکل گیا۔

دوسرے کمرے میں پہنچ کر اُس نے پاشا کا سیل فون نمبر ملایا اور رابطہ ہوتے ہی بولا۔ ”پاشا صاحب! عماد کے بعد وہ غنڈہ عامی بھی اس وقت میرے نرغے میں ہے مگر میں دونوں کو ایک ساتھ ٹھکانے نہیں لگا سکتا۔ اُن میں سے ایک کو جیل بھیجنا پڑے گا۔ لیکن...... میں یہ فیصلہ نہیں کر پا رہا ہوں کہ کس کو ٹھکانے لگائے جائے اور کس کو جیل بھیجا جائے؟“

پاشا نے کہا۔ ”کرمانی! تم بہت ہی کند ذہن انسان ہو، مجھے سمجھ نہیں آتی کہ تمہیں کس اُلو کے پٹھے نے پولیس فورس میں بھرتی کرلیا؟“

”اسی لیے تو جناب آپ سے مشورہ مانگ رہا ہوں۔“ اُس نے بُرا مانے بغیر جواب دیا۔

”بالکل گدھے ہو تم...... احمق انسان! عماد کو پولیس مقابلے میں ہلاک کردو اور عامی کو جیل بھیج دو لیکن یہ خیال رہے کہ عماد کو تم نے مارنے کے بعد عامی ظاہر کرنا ہے جب کہ عامی کو عماد بنا کر جیل بھیج دو۔ باقی سب میں سنبھال لوں گا۔“

وہ بولا۔ ”جناب! آپ کا مشورہ سر آنکھوں پر لیکن عامی کے پاس ہم دونوں کے خلاف ٹھوس ثبوت موجود ہیں۔ وہ جیل سے باہر آکر ہمارے لیے مصیبت بن جائے گا۔ ہمیں خوب سوچ سمجھ کر قدم اُٹھانا ہوگا۔“

”تو پھر اُسے ہی ٹھکانے لگا دو، عماد کا میں خود ہی کوئی بندوبست کرلوں گا۔“

”مسئلہ تو یہی ہے جناب! کہ میں اُسے ٹھکانے بھی نہیں لگا سکتا۔“ کرمانی نے بے بسی کے عالم میں جواب دیا۔

”یہ کیا بکواس ہے؟“ پاشا جھنجلا گیا۔ ”تم اُسے ٹھکانے کیوں نہیں لگا سکتے؟“

”اُس نے دھمکی دی ہے کہ اگر اُسے کچھ ہوا تو ہمارے خلاف ثبوت کسی نامعلوم ذرائع سے میڈیا تک پہنچ جائیں گے۔“

”ہوں...... اس کا مطلب ہے کہ اُس غنڈے کو زندہ رکھنا ہماری مجبوری ہے؟“

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

''ہاں...... جب تک اُس کے پاس ہمارے خلاف ثبوت موجود ہیں ہم اُس کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے۔''

''نہیں کرمانی!'' پاشا بولا۔ ''ہر مسئلے کا کوئی نہ کوئی حل موجود ہوتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ وقتی طور پر انسان کو کوئی حل نہیں سوجھتا۔''

''میرا تو سوچ سوچ کر دماغ ماؤف ہوگیا ہے۔ آپ ہی اس مسئلے کا کوئی مناسب حل نکالیں تاکہ میں چین کی نیند سوسکوں۔'' کرمانی نے مایوسی کے عالم میں جواب دیا۔

پاشا چند لمحوں کے لیے چپ ہوگیا شاید وہ کچھ سوچ رہا تھا جب کہ کرمانی بے چینی سے اُس کے بولنے کا منتظر تھا۔

''اس مسئلے کا ایک ہی حل ہے کرمانی۔'' ذرا دیر کے بعد پاشا کی آواز سنائی دی۔ ''تم اُسے عماد بنا کر جیل بھیج دو، میں کچھ ایسا بندوبست کروں گا کہ وہ زندگی بھر جیل سے باہر نہیں آسکے گا۔ جیل میں ہی مر کھپ جائے گا۔''

''میں...... میں سمجھا نہیں پاشا صاحب! آپ کیا کرنا چاہتے ہیں؟'' اُس نے متحیر انداز میں پوچھا۔

پاشا نے کہا۔ ''کیا تمہیں معلوم ہے کہ جیل میں بند اگر کسی قیدی کی فائل گم ہوجائے تو اُس کا کیا بنتا ہے؟''

''اوہ...... ویری گڈ پاشا صاحب! میں سمجھ گیا۔'' وہ پُرمسرت لہجے میں بولا۔ ''اگر ایسا ہوجائے تو عامی کبھی بھی جیل سے باہر نہیں آسکے گا۔''

''سمجھو ایسا ہوگیا، تم بس اُسے جلد سے جلد جیل بھجوا دو۔ باقی سب کچھ میں دیکھ لوں گا۔'' پاشا نے پُریقین انداز میں جواب دیتے ہوئے رابطہ منقطع کردیا۔

☆☆☆

عامی گزشتہ تین ماہ سے جیل میں بند تھا مگر اُسے ایک بار بھی عدالت میں پیش نہیں کیا گیا تھا۔ یہ تین ماہ اُس نے جیل کے حوالات میں کاٹے تھے۔ حوالات میں اُن قیدیوں کو رکھا جاتا ہے جو پولیس کے ریمانڈ پر ہوتے ہیں یا پھر اُن کے کیس عدالتوں میں زیرِ سماعت ہوتے ہیں۔ تین ماہ کے بعد عامی کو بغیر کسی عدالتی کارروائی کے حوالات سے نکال کر جیل کی ایک بارک میں شفٹ کردیا گیا۔ اُنھیں دنوں ایک سینئر قیدی سے اُس کی دوستی ہوگئی جو دوہرے قتل کے جرم میں عمر قید کی سزا کاٹ رہا تھا۔ قیدی کا نام بہاول خان تھا اور وہ سہراب گوٹھ کا رہائشی تھا۔

''عامی بیٹے! تمہیں کس جرم میں اور کتنی سزا ہوئی ہے؟'' ایک دن بہاول خان نے اُس سے پوچھا۔

وہ بولا۔ ''چاچا! جرم تو میں نے بہت بڑے بڑے کیے ہیں مگر سزا کا تاحال کوئی پتا نہیں ہے۔ ابھی تک تو مجھے عدالت میں پیش ہی نہیں کیا گیا۔''

''یہ بھلا کیسے ہوسکتا ہے؟'' بہاول خان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ ''عدالت جب تک کسی مجرم کو سزا نہیں سنا دیتی تب تک اُسے جیل کے حوالات میں ہی رہنا پڑتا ہے۔ جب کہ تم یہاں سزا یافتہ قیدیوں کی بارک میں رہ رہے ہو...... پتا کرو بھئی! یہ کیا چکر ہے؟''

''کیسے اور کس سے پتا کروں چاچا؟'' اُس نے پریشان ہوکر سوال کیا۔

''جیلر سے بھئی...... اور کس سے پتا کرو گے؟'' بہاول خان نے جواب دیا۔

وہ بولا۔ ''چاچا! میں پہلی بار جیل میں آیا ہوں۔ مجھے یہاں آپ کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا۔ جیلر سے بھلا مجھے کون ملنے دے گا؟''

''کیوں نہیں ملنے دے گا...... میں ملاؤں گا تجھے جیلر سے، جیل کے ریکارڈ روم میں ہر قیدی کی اپنی فائل ہوتی ہے، جس میں قیدی کی تصویر، جرم اور دیگر معلومات ہوتی ہیں۔ وہاں تمہاری بھی فائل موجود ہوگی۔''

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

''بہت بہت شکریہ چاچا میں آپ کا یہ احسان ہمیشہ یاد رکھوں گا۔''

''کوئی بات نہیں تم میرے بیٹے جیسے ہو۔'' بہاول خان نے اُس کی پیٹھ تھپکتے ہوئے جواب دیا۔

وعدے کے مطابق بہاول خان دوسرے دن اُسے جیل سپرینٹنڈنٹ کے آفس میں لے گیا اور سارا واقعہ جیل سپرینٹنڈنٹ کو سنا دیا۔ جیل سپرینٹنڈنٹ نے سرتاپا عامی کا بغور جائزہ لیا اور پھر افسرانہ شان سے سوال کیا۔ ''اپنا پورا نام اور جرم بتاؤ؟''

''عامر شفیق عرف عامی ولد محمد شفیق، جرم تین سو دو۔'' اُس نے بلا جھجک جواب دیا۔

''تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے؟'' سپرینٹنڈنٹ نے تمسخرانہ انداز میں پوچھا۔ ''عامر شفیق تو ایک مشہور ٹارگٹ کلر تھا۔ جو تین ماہ قبل پولیس مقابلے میں انسپکٹر اسلم کرمانی کی گولیوں کا نشانہ بن کر ہلاک ہو چکا ہے۔''

یہ خبر عامی کے لیے کسی دھماکے سے کم نہیں تھی۔ لمحہ بھر کے لیے تو اُس کے اعصاب ہی جواب دے گئے تاہم پھر وہ سنبھلتے ہوئے بولا۔ ''یہ جھوٹ ہے..... میں زندہ ہوں..... یہ دیکھو..... آپ کے سامنے موجود ہوں۔''

سپرینٹنڈنٹ بولا۔ ''مجھے تو تم پاگل لگتے ہو..... تمہارے پاس کوئی ثبوت ہے کہ تم عامر شفیق ہو؟''

''یہی سوال میں بھی آپ سے کر سکتا ہوں کہ آپ کے پاس کیا ثبوت ہے کہ میں عامر شفیق نہیں ہوں؟''

''ابھی دکھاتا ہوں۔'' اُس نے سر ہلایا اور پھر ایک چوبی الماری کی طرف بڑھ گیا۔ الماری کے پٹ کھول کر اُس نے ایک خانے سے پرانے اخبارات کا بنڈل نکال کر ٹیبل پر رکھ دیا اور پھر اُنھیں ایک ترتیب سے چیک کرنے لگا۔ ذرا دیر کے بعد اُس نے تین مختلف اخبارات نکالے اور عامی کے سامنے ٹیبل پر پھینکتے ہوئے بولا۔ ''یہ رہے ثبوت، اچھی طرح چیک کر لو۔ ان اخبارات میں نہ صرف عامر شفیق کی تصویریں موجود ہیں بلکہ پولیس مقابلے کی تفصیل بھی درج ہے۔''

عامی نے تینوں اخبار باری باری چیک کیے۔ اُن میں عامی کی ہلاکت کے بعد کی خون آلود تصویریں بھی موجود تھیں اور ایک کونے میں اُس کی فائل فوٹو بھی لگی ہوئی تھی۔ بلاشک وشبہ وہ اُسی کی تصویریں تھیں۔ لیکن اُس کا دل یقین کرنے کو نہیں چاہ رہا تھا۔ کہیں کوئی گڑبڑ تھی جو اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ اتنا تو وہ جانتا تھا کہ اس سازش کے پیچھے انسپکٹر کرمانی اور سلیمان پاشا کا ہاتھ ہے مگر یہ اخبارات میں موجود اُس کی تصویریں اور ہلاکت کی خبریں اُس کے حلق سے نہیں اُتر رہی تھیں۔ وہ بھلا اُس کی ایسی تصویریں کس طرح بنا سکتے تھے؟...... یقیناً وہ اور کوئی اور تھا جسے اُس کی جگہ قربانی کا بکرا بنایا گیا تھا۔ شاید اُس کا جرم یہ تھا کہ وہ بچارا عامی کا ہم شکل تھا۔

تینوں اخبار اچھی طرح چیک کرنے کے بعد وہ بولا۔ ''سر! میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں ہی عامر شفیق ہوں۔ یہ شخص جسے انسپکٹر کرمانی نے پولیس مقابلے میں ہلاک کیا ہے یہ کوئی اور ہے۔ پلیز میرا یقین کریں۔''

''نو..... میں نہیں مان سکتا۔'' سپرینٹنڈنٹ نے نفی میں سر ہلایا۔ ''عامر شفیق مر چکا ہے۔''

''او کے تو پھر میں کون ہوں؟'' اُس نے سوال کیا۔

''یہ تو تمہیں پتا ہوگا کہ تم کون ہو؟'' سپرینٹنڈنٹ نے جواب دیا۔

''میں نے تو بتا دیا ہے کہ میں عامر شفیق ہوں۔ آپ ہی نہیں مان رہے۔''

''ماننے والی بات ہو تو مانوں ناں؟''

''ٹھیک ہے تو پھر جیل کے ریکارڈ روم سے میری فائل منگوائیں، مجھے پتا تو چلنا چاہیے کہ میں کون ہوں کس

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

جرم میں جیل میں ہوں اور مجھے کتنی سزا ہوئی ہے؟''
''کیا تم واقعی اپنے بارے میں کچھ نہیں جانتے؟''
اُس نے تحیر آمیز لہجے میں پوچھا۔
عامی بولا۔''جانتا ہوتا تو آپ سے کیوں پوچھتا؟''
''ٹھیک ہے۔''اُس نے اثبات میں سر ہلایا۔''تم کل پتا کرنا تب تک میں ریکارڈ روم سے تمہاری فائل منگوا لوں گا لیکن......''
''لیکن کیا سر؟''عامی نے بے چینی سے پوچھا۔
''نام والا مسئلہ ہے۔ ہر فائل پہ قیدی کا نام و پتا درج ہوتا ہے۔ تمہاری فائل ہم کس نام سے ڈھونڈیں گے؟''
''نام تو میرا عامر شفیق ہی ہے سر! اب اگر آپ کو یقین نہیں آ رہا تو میں کیا کر سکتا ہوں؟''
''ایک نام کے ہزاروں آدمی ہوتے ہیں جناب! مجھے یقین ہے کہ اس کی فائل مل جائے گی۔''بہاول خان نے مداخلت کرتے ہوئے کہا۔''آپ فائل تلاش کرنے کا حکم تو صادر فرمائیں، سب کچھ سامنے آ جائے گا۔''
''اوکے...... یہ بھی کر کے دیکھ لیتے ہیں۔''
سپرینٹنڈنٹ نے سر ہلایا اور وہ دونوں سلام کرتے ہوئے آفس سے باہر نکل گئے۔
وہ دوسرے دن جیل سپرینٹنڈنٹ کے آفس میں پہنچے مگر وہ آفس میں موجود نہیں تھا۔ سو ناکام لوٹ آئے۔ لگ بھگ ایک ہفتے کے بعد اُنھیں سپرینٹنڈنٹ تو مل گیا مگر عامی کی فائل باوجود کوشش کے نہ مل سکی۔ جیل سپرینٹنڈنٹ کے کہنے کے مطابق ریکارڈ روم کے عملے نے سارا ریکارڈ روم چھان مارا تھا مگر اُنھیں نہ تو کسی فائل میں عامر شفیق کا نام ملا تھا اور نہ ہی کسی فائل میں اُس کی تصویر ملی تھی۔ تب عامی نے جیل سپرینٹنڈنٹ سے اس سلسلے میں مدد کی درخواست کی تو وہ معذرت کرتے ہوئے بولا۔''میں اس سلسلے میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ یہ میرا نہیں بلکہ عدالت کا کام ہے۔''
''تو پھر مجھے عدالت میں پیش کیجیے سر۔''وہ ملتمس ہوا۔''یہ میری شناخت کا مسئلہ ہے۔''
''یہ بھی ممکن نہیں ہے۔''سپرینٹنڈنٹ نے انکار میں سر ہلایا۔''نہ تمہارے نام کا پتا ہے، نہ جرم کا۔ تم خود سوچو میں تمھیں کس طرح عدالت میں پیش کر سکتا ہوں؟''
''تو پھر مجھے رہا کر دیں...... جب میرے متعلق یہاں کوئی ریکارڈ ہی نہیں ہے تو پھر مجھے قید میں رکھنے کا کیا جواز بنتا ہے؟''
وہ بولا۔''یہ بھی میرے دائرہ اختیار میں نہیں ہے۔ میں نہ کسی کو قید میں رکھ سکتا ہوں اور نہ سزا ختم ہونے سے قبل رہا کر سکتا ہوں۔''
''لیکن ہر قیدی کی سزا کا تعین بھی تو ہوتا ہے۔ میں یہاں کب تک قید رہوں گا؟''
''میں کچھ نہیں جانتا۔ اس سلسلے میں تمہارے رشتادار ہی کچھ کر سکتے ہیں۔''
''مگر میرا تو کوئی رشتادار نہیں ہے۔''اُس نے مایوسی کے عالم میں جواب دیا۔''تو کیا میں مرتے دم تک جیل میں ہی رہوں گا؟''
وہ بولا۔''میں صرف وزیرِ جیل خانہ جات کو چٹھی بھیج سکتا ہوں۔ اس کے علاوہ تمہارے لیے کچھ نہیں کر سکتا۔''
وہ ناکام و نامراد واپس لوٹ آئے کہ اس کے علاوہ کوئی چارہ بھی تو نہیں تھا۔

☆☆☆

بہت دنوں تک عامی وزیرِ جیل خانہ جات کی چٹھی کا منتظر رہا۔ مگر چٹھی نے نہ آنا تھا نہ آئی۔ اب وہ ہر طرف سے مایوس ہو چکا تھا۔ لہٰذا فرار کے منصوبوں پر غور کرتا رہتا تھا۔ اس دوران ایک سال کا عرصہ بیت گیا لیکن وہ۔ بر

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

شناخت ہی رہا۔ بارک کے قیدی اُسے عامی کے نام سے ہی جانتے تھے مگر خود وہ مشکوک ہو چکا تھا۔ اُسے لگتا تھا جیسے وہ عامی نہیں ہے بلکہ کوئی اور ہے۔ کوئی ایسا شخص جس کی یادداشت گم ہو چکی ہے۔ وہ افسردہ اور بےزار سا رہنے لگا تھا۔ بہاول خان خلوص دل کے ساتھ اُس کی دلجوئی میں لگا رہا اور پھر ایک دن بہاول خان کے اصرار پر اُس نے اُسے اپنی آپ بیتی من وعن سنا دی۔ کوئی ایک واقعہ بھی اُس نے پوشیدہ نہیں رکھا تھا۔

اُس کی آپ بیتی سننے کے بعد بہاول خان بولا۔ ''مجھے لگتا ہے تمہارے خلاف بہت بڑی سازش کی گئی ہے اور اس سازش میں انسپکٹر کرمانی اور سلیمان پاشا ہی ملوث ہیں۔''

وہ بولا۔ ''یہ تو میں جانتا ہوں چاچا لیکن مجھے ایک بات کی سمجھ نہیں آتی کہ انھوں نے اتنی بڑی سازش رچائی کس طرح؟''

''تم سے ملتا جلتا کوئی قربانی کا بکرا اُنھوں نے ڈھونڈ لیا ہوگا۔'' بہاول خان نے جواب دیا۔

''نہیں چاچا!'' اُس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''چکر کوئی اور ہے اخبارات میں جو تصویریں چھپی ہیں وہ سو فی صد میری ہی ہیں۔''

''ہوسکتا ہے وہ تمہاری ہی تصویریں ہوں۔ پیسے کے دم پر اس ملک میں کچھ بھی کیا جاسکتا ہے۔ خریدار کم ہیں جب کہ بکنے والے دکانیں سجائے بیٹھے ہیں۔ پیسے کی خاطر ایماں تک بیچ دیتے ہیں لوگ۔''

''چاچا! مجھے لگتا ہے میں جیل سے زندگی بھر نہیں نکل پاؤں گا۔'' اُس نے انتہائی مایوسی کے عالم میں کہا۔ ''مرنے کے بعد یقیناً مجھے لاوارث سمجھ کر دفنا دیا جائے گا۔''

''میں تجھے ایک مشورہ دیتا ہوں، کیا مانو گے؟'' بہاول خان نے پوچھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

''ضرور مانوں گا چاچا! آپ حکم کریں؟''

''عامی! تم پانچ وقت کی نماز پڑھا کرو اور ہر نماز کے بعد اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگا کرو۔ وہ بڑا غفور الرحیم ہے۔ مجھے یقین ہے کہ تمہاری رہائی کا کوئی نہ کوئی راستا نکل آئے گا۔ اُس کے ہاں دیر ہے مگر اندھیر نہیں۔ وہ سب کی سنتا ہے چاہے کوئی نیک ہو یا گناہ گار، بس شرط یہ ہے کہ اُسے دل سے پکارے تب وہ ہر پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہے۔''

''ہاں چاچا۔'' اُس نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''اب تو بس اُسی کا آسرا ہے ورنہ تو ہر طرف تاریکی ہی تاریکی ہے۔''

''وہ بڑا کارساز ہے تاریکیوں کو اُجالوں میں بدل دیتا ہے۔ تم اُسے پکار کر تو دیکھو۔''

بہاول خان کی نصیحت پر عمل کرتے ہوئے اُس نے خود کو یکسر بدل ڈالا اور اللہ تعالیٰ سے لو لگا لی۔ نماز اور ذکر میں اُسے وہ سکون ملا کہ اُس نے قید کے دن شمار کرنا ہی چھوڑ دیا۔ اس دوران مزید چھ ماہ بیت گئے مگر وہ خوش وخرم تھا۔ اُسے اب اس لامتناہی قید کی کوئی پروا نہیں تھی۔

اُس کی روٹین تھی کہ وہ عشاء کی نماز پڑھتے ہی سو جایا کرتا تھا گو کہ اُس کے ساتھی قیدی شور مچائے رکھتے تھے لیکن وہ ذکر کرتے کرتے بڑے سکون کے ساتھ نیند کی آغوش میں چلا جاتا تھا۔ اُس رات بھی وہ حسب معمول عشاء کی نماز ادا کرنے کے بعد فرشی بستر پر دراز زیر لب ذکر کرتے ہوئے سونے کی کوشش کر رہا تھا۔ جب کہ دیگر قیدی شور وغل میں مصروف تھے۔ کوئی اپنی بے سُری آواز میں فحش گانا گا رہا تھا تو کوئی چرس بھرے سگریٹ کے کش لے رہا تھا۔ اُس کا بستر بہاول خان کے ساتھ ہی لگا ہوا تھا تاہم بہاول خان دیر سے سونے کا عادی تھا۔ عامی کی ابھی پوری طرح آنکھ نہیں لگی تھی کہ

جیل میں جیسے زلزلہ سا آ گیا۔ چاروں طرف کھلبلی مچ گئی۔ جیل کا عملہ حواس باختگی کے عالم میں اِدھر سے اُدھر دوڑتا پھر رہا تھا۔ سائرن کی آواز بھی گونج رہی تھی۔ بارک کے اس ہال نما کمرے میں جتنے بھی قیدی تھے وہ دوڑ کر بند دروازوں پر جا کھڑے ہوئے۔ سب قیدی ماجرا جاننے کے لیے بے چین تھے۔

عامی بھی اپنے بستر سے اُٹھا اور قیدیوں کے ساتھ اُلجھتا ٹکراتا دروازے تک پہنچ گیا۔ اسی دوران بارک کے کمروں کے دروازے کھلنے لگے اور قیدی بارک کے دالان میں اکٹھے ہونے لگے۔ چند لمحوں کے اندر ہی اُن کے کمرے کا دروازہ بھی کھل گیا۔ وہ بھاگتے ہوئے کمرے سے نکلے تو تب اُنھیں ایک بارک میں آگ کے شعلے اُٹھتے ہوئے دکھائی دیے۔ یہ بارک اُن کی بارک سے کافی فاصلے پر واقع تھی۔ جونہی تمام قیدی دالان میں اکٹھے ہوئے تو اُنھیں ایک انسپکٹر نے جیل سپرینٹنڈنٹ کا حکم سنایا۔ ''تمام قیدی بالٹیاں، کنستر یا جو بھی برتن اُنھیں میسر ہے۔ فوراً اُٹھائیں اور پانی لے کر آگ بجھانے کی کوشش کریں۔ یاد رکھنا اگر کسی قیدی نے اس موقعہ سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے فرار ہونے کی کوشش کی تو اُسے گولی ماردی جائے گی۔ جیل کو چاروں طرف سے مسلح فورس نے گھیر رکھا ہے۔ فائر بریگیڈ کی گاڑیاں بھی ابھی پہنچ جائیں گی۔''

سب قیدی حکم کی تعمیل میں دوبارہ بھاگتے ہوئے اپنے اپنے کمرے میں گھس گئے اور بالٹیاں اور خالی کنستر لے کر پانی لینے کے لیے واٹر ٹینکی کی طرف دوڑ پڑے جہاں ایک بڑے سائز کا تالاب بنا ہوا تھا۔ یہ تالاب قیدیوں کے نہانے اور کپڑے دھونے کے لیے بنایا گیا تھا۔ عامی نے بھی ایک بالٹی اُٹھائی اور کمرے سے نکلنے ہی لگا تھا کہ معاً کسی نے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے اُسے اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

کی۔اُس نے پلٹ کر دیکھا تو وہ چاچا بہاول خان تھا، جس کے چہرے پر معنی خیز مسکراہٹ طاری تھی۔

''کیا بات ہے چاچا؟'' اُس نے قدرے تحیر سے پوچھا۔''کیا بالٹی چاہیے؟''

''احمق انسان! بالٹی پھینک دو اور ادھر آؤ، ایسا نادر موقعہ تمہیں دوبارہ نہیں ملے گا۔'' بہاول خان نے پُرجوش لہجے میں جواب دیا۔

''ک ک......کیسا موقعہ چاچا؟'' اُس نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ سوال کیا۔

''یہاں سے نکلنے کا...... اور ابھی زیادہ سوال وجواب مت کرو، جو میں کہتا ہوں وہ کرو۔تمہارے پاس ٹائم بہت کم ہے۔''

عامی نے بالٹی پھینک دی بہاول خان کے ساتھ چل پڑا۔بہاول خان سیدھا اپنے لاکر کے سامنے پہنچ کر رک گیا۔جیل میں ہر قیدی کے پاس دیوار میں پیوستہ ایک الماری نما فولادی لاکر ہوتا ہے جس میں قیدی اپنا ذاتی سامان اور نقدی وغیرہ رکھتا ہے۔بہاول خان نے لاکر کھولا اندر سے ایک شاپنگ بیگ نکالا اور عامی کے حوالے کرتے بولا۔ ''اس میں پولیس کی وردی موجود ہے۔باتھ روم میں جا کر اسے پہن لو...... شاباش دیر مت کرو، رات کے وقت اس افراتفری کے عالم میں کوئی بھی تجھے نہیں پہچان سکے گا۔مجھے یقین ہے کہ جب فائر بریگیڈ کی گاڑیاں اندر آئیں گی تو اُس وقت تمہیں باہر نکلنے کا موقع مل جائے گا۔''

عامی کا دل بے اختیار دھڑک اُٹھا۔اُس نے تیزی سے بہاول خان کے ہاتھ سے شاپنگ بیگ جھپٹا اور دوڑتا ہوا باتھ روم میں گھس گیا۔پانچ منٹ کے اندر ہی جب وہ باتھ روم سے نکلا تو ایک ہینڈسم پولیس مین نظر آ رہا تھا۔بہاول خان نے اُس پر ایک ستائشی نظر ڈالی اور بولا۔

''بہت خوب تم واقعی ایک سپاہی نظر آ رہے ہو۔''

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

''ہاں مگر حقیقت اس کے برعکس ہے۔'' اُس نے ہنس کر جواب دیا۔

''تم بس پُر اعتماد رہنے کی کوشش کرنا کوئی تم پر شک نہیں کر سکے گا...... چلو اب نکلو اور جیل کے صدر دروازے کی طرف بڑھنا شروع کردو۔''

وہ آگے بڑھ کر بہاول خان سے لپٹ گیا۔ ''مجھے معلوم ہے چاچا! یہ وردی آپ نے اپنے فرار ہونے کے لیے رکھی ہوئی تھی۔'' وہ ممنون انداز میں بولا۔ ''میں آپ کا یہ احسان زندگی بھر یاد رکھوں گا۔''

''تم وقت ضائع کر رہے ہو بیٹے! شاباش جلدی ...'' وہ اُس کی پشت تھپکتے ہوئے الگ ہوگیا۔

''میرے لیے دعا کرنا چاچا۔'' وہ تیزی سے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے بولا اور پھر باہر نکل گیا۔

ایسے ہی وقت فائر بریگیڈ کی گاڑیوں کے سائرن سنائی دینے لگے اور عامی اندھا دھند جیل کے صدر دروازے کی طرف دوڑ پڑا۔

☆☆☆

ظہیر صدیقی کو نوجوان بیٹے کی موت نے وقت سے پہلے ہی بوڑھا کردیا تھا۔ کچھ عرصہ تو اُس نے پولیس کے ساتھ عماد کی موت کے سلسلے میں قانونی جنگ لڑی تھی مگر عدالت کے سامنے اُس کے وکیل کے کمزور دلائل نہیں چل سکے تھے۔ عماد کی شکل چونکہ سو فی صد عامی ٹارگٹ کلر سے ملتی تھی، اس لیے عدالت کے پاس کسی شک وشبے کی گنجائش ہی نہیں تھی۔ چنانچہ چند پیشیوں کے بعد وہ کیس ہار گیا تھا۔ عدالت کے فیصلے کے مطابق پولیس مقابلے میں مارا جانے والا شخص عماد نہیں بلکہ مشہور ٹارگٹ کلر عامر شفیق عرف عامی تھا۔ جب کہ عماد کو عدالت نے گم شدہ قرار دے دیا تھا۔ گزشتہ ڈیڑھ سال سے کوشش کرنے کے باوجود وہ عماد کو بھلا نہیں پایا تھا۔ اُسے یہ بھی معلوم تھا کہ عماد کی موت کے پیچھے سلیمان پاشا کا ہاتھ ہے لیکن وہ سلیمان پاشا کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا تھا۔ وہ ایک کم زور اور عام سا شخص تھا جب کہ پاشا کراچی جیسے انڈسٹریل شہر میں کئی فیکٹریوں کا بلاشراکتِ غیرے مالک تھا۔ اُس کی پہنچ اسلام آباد کے ایوانوں تک تھی۔ چند وفاقی منسٹرز سے تو اُس کے گہرے تعلقات تھے کہ اُنھیں اقتدار کے ایوانوں تک پہنچانے میں اُس کی دولت کارفرما تھی۔ سو ایسے طاقت ور شخص سے پنگا لینا ظہیر صدیقی کے بس کا روگ نہیں تھا۔ چنانچہ اُس نے سب کچھ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیا تھا کہ اُس سے بڑا منصف کوئی نہیں تھا۔

اُس رات عشاء کی نماز ادا کرنے کے بعد ہی وہ سو گیا تھا۔ چونکہ عماد کی موت کے بعد اُسے بے خوابی کی شکایت رہنے لگی تھی، اس لیے وہ خواب آور گولیاں استعمال کرتا رہتا تھا۔ بغیر گولی لیے اُسے کبھی نیند نہیں آتی تھی۔ رات کا نجانے کون سا پہر تھا کہ اچانک ہی اُس کی آنکھ کھل گئی۔ کمرے میں نائیٹ بلب کی مدہم روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ چند لمحے تو وہ بے حس وحرکت بستر پر پڑا آنکھ کھلنے کے سبب پر غور کرتا رہا، پھر نظر کا چشمہ لگاتے ہوئے وہ اُٹھا اور ٹیوب لائیٹ آن کرنے کے بعد کمرے کا جائزہ لینے لگا۔ ایسے ہی وقت اُسے کچن میں کسی برتن کے گرنے کی آواز سنائی دی۔ وہ فوراً محتاط ہوگیا۔ کچن کا دروازہ وہ ہمیشہ بند کرکے سوتا تھا۔ برتن گرنے کا مطلب تھا کہ کچن میں کوئی موجود ہے۔ عماد کی موت کے بعد اُسے ویسے ہی زندہ رہنے میں کوئی کشش محسوس نہیں ہوتی تھی۔ لہٰذا اُس نے موت سے ڈرنا چھوڑ دیا تھا۔ اگر خودکشی حرام نہ ہوتی تو شاید وہ اب تک موت کو گلے لگا چکا ہوتا۔ اُس نے ٹیبل کی دراز سے لوڈ ریوالور نکالا اور محتاط قدموں سے کچن کی طرف بڑھنے لگا۔ کچن کی لائیٹ جلتی دیکھ کر اُس کا یہ شبہ یقین میں بدل گیا کہ کچن میں کوئی موجود ہے۔

وہ بلی کی طرح دبے قدموں چلتا ہوا کچن میں داخل

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہوگیا۔اندر ایک شخص پولیس یونی فارم پہنے موجود تھا،اُس کی پشت دروازے کی طرف تھی اور وہ گیس کے چولھے پر کوئی چیز گرم کرنے میں مصروف تھا۔اُسے ظہیر صدیقی کی آمد کی خبر ہی نہیں ہوسکی تھی۔

''کون ہوتم اور یہاں کیا کررہے ہو؟'' ظہیر صدیقی نے ریوالور تانتے ہوئے درشت انداز میں پوچھا۔

اجنبی اُس کی آواز سن کر بوکھلا کر پلٹا اور اُس کے ہاتھ میں ریوالور دیکھ کر دونوں ہاتھ سر سے بلند کرلیے۔ظہیر صدیقی کی نظر جونہی اُس کے چہرے پر پڑی تو اُسے ایک جھٹکا سا لگا۔اُس کے سامنے عماد پولیس کی وردی میں ملبوس کھڑا ہوا تھا،مگر اُس کی آنکھوں میں شناسائی کی جگہ خوف تھا۔وہ اگر عماد ہوتا تو اُسے دیکھ کر یوں خوف زدہ کیوں ہوتا؟ ابو کہہ کر اب تک اُس سے لپٹ چکا ہوتا۔چند لمحے تو ظہیر صدیقی کسی ٹرانس کے زیر اثر اُسے دیکھتا رہا لیکن جلد ہی وہ حقائق کی تہہ تک پہنچ گیا۔اُس کے سامنے کھڑا یہ شخص سو فی صد وہی ٹارگٹ کلر تھا۔جسے کے حصے کی موت اُس کے بے گناہ بیٹے کا مقدر بن گئی تھی۔

''تم عامر شفیق عرف عامی ہی ہوناں؟'' اس بار ظہیر صدیقی نے سرد لہجے میں پوچھا۔

''ہاں...... ہاں میں ...... عامی ہی ہوں......مگر آپ مجھے کیسے جانتے ہیں؟'' اُس نے حیرت اور خوف کی ملی جلی کیفیت میں جواب دیا۔

''بہت لمبی کہانی ہے۔'' وہ ذو معنی انداز میں بولا۔

''جب کہ تم بھوکے ہو پہلے کچھ کھالو،پھر تجھے پوری کہانی سناؤں گا۔''

''سوری۔'' اُس نے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔''میں انتہائی مجبوری کے عالم میں آپ کے گھر میں داخل ہوا ہوں،دراصل......''

''میں نے کہاناں! کہ تم بھوکے ہو،پہلے کھانا کھالو۔اس کے بعد میں تمہاری کہانی بھی ضرور سنوں گا۔اتنی جلدی بھی کیا ہے؟'' ظہیر صدیقی نے طنزیہ انداز میں اُس کی بات کاٹتے ہوئے جواب دیا۔

وہ شکریہ کہہ کر دوبارہ چولھے کی طرف متوجہ ہوگیا ،جس پر رکھا ہوا کھانا گرم ہوچکا تھا۔اُس نے کھانا نکالا اور پھر وہیں ایک چوبی اسٹول پر بیٹھ کر کھانے لگا۔اس دوران ظہیر صدیقی اُسے بغور دیکھتا رہا۔ریوالور بدستور اُس کے ہاتھ میں تھا جس کا رخ عامی کی طرف تھا۔اُس کی کسی بھی غلط حرکت پر وہ گولی چلانے کے لیے تیار تھا۔ذرا دیر کے جب وہ کھانے سے فارغ ہوگیا تو ظہیر صدیقی سے بولا۔''آپ کو مجھ سے کسی قسم کا کوئی خطرہ نہیں ہے آپ پلیز یہ ریوالور ہٹالیں۔''

''خطرہ مجھے نہیں تجھے ہے۔'' ظہیر صدیقی نے اُسے گھورا۔''تمہیں اس گھر میں تمہاری شامتِ اعمال لے کر آئی ہے۔''

''مم......میں سمجھا نہیں......آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟......دیکھیے! میں کوئی چور یا ڈاکو نہیں ہوں۔بلکہ میں تو کسی پناہ گاہ کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا ہوں۔''

صدیقی بولا۔''جو شخص تمہارا نام جانتا ہے کیا وہ تمہارے ماضی سے آگاہ نہیں ہوگا؟''

''مگر میں تو اپنے ماضی کو کب کا دفن کرچکا ہوں۔اب تو میں ایک بے شناخت سا شخص ہوں جس کا نہ کوئی نام ہے اور نہ ہی پہچان۔''

''اُٹھو۔'' وہ اچانک گرجا اور پھر اُسے نشانے پر رکھتے ہوئے بولا۔''میں تجھے ماروں گا اور ضرور ماروں گا لیکن اس سے پہلے تجھے تیرا گناہ ضرور بتاؤں گا۔''

عامی چاروناچار اُٹھ کر کھڑا ہوگیا۔تب وہ اُسے نشانے پر رکھتے ہوئے تحکمانہ انداز میں بولا۔''چلو میں تجھے تیرا گناہ بتاتا ہوں اور وہ بھی تمام ثبوتوں سمیت جنھیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

تم چاہتے ہوئے بھی نہیں جھٹلا سکو گے۔"

وہ اُسے نشانے پر رکھتے ہوئے اپنی خواب گاہ میں لے آیا اور پھر اُسے ایک کرسی پر بٹھاتے ہوئے بولا۔ "خبردار! اگر کوئی بھی غلط حرکت کی تو کھوپڑی میں سوراخ کردوں گا۔ چپ چاپ بیٹھے رہنا، ہلنے کی کوشش بھی مت کرنا۔"

"انکل! شاید آپ کو کوئی غلط فہمی......"

"خاموش ہوجاؤ جلاد کہیں کے۔" صدیقی گلا پھاڑ کر چلایا تو اُس کی بات ادھوری رہ گئی۔ "اپنی گندی زبان سے مجھے انکل مت کہو، میں تمہاری موت ہوں۔ سمجھے تم۔"

عامی کو پہلی بار خطرے کا احساس ہوا مگر ایک مسلح شخص کے سامنے وہ کوئی بھی غلط حرکت کرنے سے قاصر تھا۔ سودم سادھ کر بیٹھا رہا۔ صدیقی نے آگے بڑھ کر دیوار سے ایک فریم شدہ تصویر اُتاری اور اُسے تھماتے ہوئے بولا۔ "اسے جانتے ہو؟"

عامی نے ایک نظر تصویر پر ڈالی اور متحیر ہوکر کہا۔ "یہ...... یہ تو...... میری تصویر ہے...... آپ کے پاس کیسے پہنچی؟"

"یہ تمہاری تصویر نہیں ہے۔" وہ غرایا۔ "میرے اکلوتے بیٹے عماد صدیقی کی ہے جسے انسپکٹر اسلم کرمانی نے تمہارے شبے میں مار ڈالا۔ شاید اُس نے ایسا تمہیں بچانے کی خاطر کیا تھا۔ مگر آج تمہیں میرے ہاتھ سے کوئی بھی نہیں بچا سکے گا۔"

وہ بولا۔ "انکل! میں مانتا ہوں کہ عماد کو میرا ہم شکل ہونے کی وجہ سے جھوٹے پولیس مقابلے میں مار دیا گیا ہے۔ لیکن خدا گواہ ہے کہ اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ کیا آپ مجھے اپنی صفائی پیش کرنے ایک موقع نہیں دیں گے؟ اگر آپ کو میری کہانی جھوٹی لگے تو بے شک مجھے گولی مار دینا۔ میں آپ سے رحم کی کوئی بھیک نہیں مانگوں گا۔"

وہ چند لمحوں کے لیے کش مکش کا شکار ہوگیا۔ جیسے دل ہی دل میں کسی فیصلے پر پہنچنے کی کوشش کررہا ہو۔ عامی اُمید بھری نگاہوں سے اُس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ کمرے میں پل بھر کے لیے اعصاب شکن خاموشی چھا گئی۔

"ٹھیک ہے۔" بالآخر صدیقی خاموشی توڑتے ہوئے بولا۔ "میں تجھے صفائی کا موقع دینے کے لیے تیار ہوں۔ بولو کیا کہنا چاہتے ہو؟"

وہ بولا۔ "یہ کھیل انسپکٹر کرمانی نے سلیمان پاشا کے ساتھ مل کر کھیلا ہے۔ وہ دونوں آپ کے اور میرے مشترکہ دشمن ہیں۔" اتنا کہہ کر اُس نے اپنی زندگی کی ساری روداد بغیر کسی قطع و برید کے صدیقی کے سامنے بیان کردی۔

صدیقی نے کہا "میں کیسے یقین کرلوں کہ تم نے سچ کہا ہے۔ تمہاری یہ داستان من گھڑت بھی تو ہوسکتی ہے؟"

"اگر کوئی تیسرا شخص میری اس کہانی کی تصدیق کردے تو کیا پھر آپ یقین کرلیں گے؟"

"تیسرا کون؟" اُس نے سوال کیا۔

"انسپکٹر کرمانی۔"

"وہ بھلا تمہارے حق میں گواہی کیوں دے گا؟" اُس نے طنزیہ انداز میں پوچھا۔

وہ بولا۔ "یہ آپ مجھ پر چھوڑ دیں کہ میں اُس سے کس طرح گواہی دلواتا ہوں؟"

"شاید تم فرار ہونے کے لیے یہ چکر چلا رہے ہو؟" اُس نے خدشہ ظاہر کیا۔

"نہیں۔" عامی نے انکار میں سر ہلایا۔ "میں آپ سے چاہوں بھی تو دھوکا نہیں کرسکتا۔"

"وہ بھلا کس طرح؟" اُس نے چونک کر پوچھا۔

"مجھے شناخت چاہیے، جو صرف آپ ہی مجھے دے

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

سکتے ہیں۔"

"کیا مطلب...... میں سمجھا نہیں؟" اُس نے حیرت کا اظہار کیا۔

وہ بولا۔"سیدھی سی بات ہے عامر شفیق عرف عامی مر چکا ہے جب کہ عماد صدیقی زندہ ہے۔ مجھے عماد صدیقی کی شناخت چاہیے۔ اگر آپ چاہیں تو مجھے یہ شناخت باآسانی دے سکتے ہیں۔ میں اُس گناہ کی تلافی کرنا چاہتا ہوں جو میں نے کیا ہی نہیں ہے۔"

"میں اپنے بیٹے کے قاتل کو اپنا بیٹا کس طرح بنا سکتا ہوں؟" اُس نے نفی میں سر ہلایا۔"یہ ممکن نہیں ہے۔"

"میں پہلے خود کو بے گناہ ثابت کروں گا۔ تب آپ مجھے شناخت دینا۔ اگر میں خود کو بے گناہ ثابت نہ کر سکا تو تب آپ مجاز ہوں گے کہ مجھے گولی مار دیں۔"

وہ ایک بار پھر کش مکش کا شکار ہو گیا۔ اُس کی صورت دیکھ کر دل مچلنے لگا تھا کہ اُسے عماد کا نعم البدل تسلیم کر لیا جائے جب کہ دماغ دل کی مخالفت کرتے ہوئے سمجھا رہا تھا کہ یہ شخص تمہارے بیٹے کا ہی نہیں اور بھی بہت سے معصوم اور بے گناہوں کا قاتل ہے، اسے بیٹا بنانے کی بجائے گولی مار کر اپنا دل ٹھنڈا کر لو۔"

اُسے سوچوں میں ڈوبا دیکھ کر عامی بولا۔"اگر آپ کو میری نیت پر شک ہے تو پھر سوچنا کیا؟ چلاؤ گولی میرا سینہ حاضر ہے۔" اتنا کہہ کر وہ اُس کے سامنے سینہ تان کر کھڑا ہو گیا۔"مار ڈالو مجھے آپ پر کوئی الزام نہیں آئے گا۔ پولیس ریکارڈ میں تو مجھے پہلے ہی مردہ قرار دیا جا چکا ہے۔"

وہ ریوالور پھینک کر بیڈ پر بیٹھ گیا۔"جاؤ تم آزاد ہو، مجھے تم سے کچھ لینا دینا نہیں ہے۔" پھر ایک دم اُس کی آنکھیں چھلکنے لگیں۔

عامی چند لمحے اُسے دیکھتا رہا، پھر جھجکتے ہوئے آگے بڑھا اور اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔

"انکل! خدا گواہ ہے کہ عماد کے قتل میں میرا کوئی ہاتھ نہیں ہے۔ تاہم یہ بات میں مانتا ہوں کہ اُسے میرا ہم شکل ہونے کی سزا ملی ہے۔ لیکن آپ خود سوچیں کہ اس میں میرا کیا قصور ہے؟"

"میں جانتا ہوں۔" وہ پہلی بار نرم انداز میں بولا۔"اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں ہے۔ عماد اگر میری بات مان لیتا تو شاید ایسے انجام سے دوچار نہ ہوتا۔ اُسے وعدہ خلافی کی سزا ملی ہے، باپ کی نصیحت نہ ماننے کی سزا ملی ہے۔ میں نے اُسے بہت سمجھایا تھا کہ اُس لڑکی سے نہ ملے مگر اُس نے میری ایک بھی نہ مانی۔ خود تو مر گیا لیکن مجھے مر مر کر جینے کے لیے چھوڑ گیا۔"

"یہ...... لڑکی کا کیا چکر ہے، کیا عماد کسی کو چاہتا تھا؟" عامی نے سوال کیا۔

"ہاں۔" اُس نے اثبات میں سر ہلایا اور پھر جو کچھ بھی اُسے معلوم تھا اُس نے عامی کو بتا دیا۔

"تو لڑکی کا نام زارا احمد ہے اور وہ کسی امیر کبیر شخص کی بیٹی ہے۔ آپ کے کہنے کے مطابق وہ امیر شخص سلیمان پاشا ہو سکتا ہے؟"

"سو فی صد وہی ہے۔" اُس نے پُر اعتماد لہجے میں جواب دیا۔

عامی لمحہ بھر کے لیے سوچوں میں ڈوب گیا۔ جیسے کچھ یاد کرنے کی کوشش کر رہا ہو، پھر ایک دم چونک کر بولا۔"آپ کا اندازہ بالکل درست ہے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ پہلی بار مجھے دیکھ کر وہ چونک اُٹھا تھا۔ یقیناً اُس نے پہلی نگاہ میں مجھے عماد سمجھا ہوگا۔"

"ہو سکتا ہے...... میں بھی تو پہلی نگاہ میں تجھے عماد ہی سمجھا تھا۔"

"آپ چاہیں تو اب بھی مجھے عماد سمجھ سکتے ہیں۔ بے شک میں عماد کی طرح پڑھا لکھا نہیں ہوں

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

مگر آپ کی نافرمانی کبھی نہیں کروں گا۔"

"میں تمہارے اس جذبے کی قدر کرتا ہوں لیکن یہ ممکن نہیں ہے۔"

"دنیا میں کچھ بھی ناممکن نہیں ہے انکل۔" وہ پہلی بار مسکرایا اور اُس سے بغل گیر ہوگیا۔

☆☆☆

انسپکٹر اسلم کرمانی سہ پہر تین بجے کے بعد اپنی ذاتی گاڑی میں پولیس اسٹیشن سے باہر نکلا اور گھر کی طرف روانہ ہوگیا۔ اُس وقت وہ یونی فارم کی بجائے عام ڈریس میں تھا۔ اُس کا گھر شہر کی ایک نئی اور مشہور ومعروف کالونی میں واقع تھا۔ وہاں زیادہ تر امیر لوگوں کے بنگلے تھے۔ وہ مختلف شاہراہوں اور چوراہوں سے گزرتا ہوا ایک مشہور چوراہے تک پہنچ گیا۔ اکثر اُس چوراہے پر ٹریفک کا بہت زیادہ رش رہا کرتا تھا۔ وہاں ہارنوں اور گاڑیوں کے شور میں کان پڑی آواز بھی سنائی نہیں دیتی تھی۔ وہ چوراہا کراس کرنے ہی لگا کہ اچانک سگنل کی بتی سرخ ہوگئی۔ وہ بریک لگا کر بتی کے سبز ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ چند لمحوں کے بعد جونہی سبز بتی جلی اُس نے گاڑی آگے بڑھا دی۔ ٹریفک کے اژدہام سے نکل کر وہ ایک کشادہ سڑک پر پہنچ گیا۔ اسی روڈ پر چند کلومیٹر کے فاصلے پر اُس کا شان دار بنگلا واقع تھا۔ جہاں وہ اپنی خوب صورت بیوی اور دو بچوں کے ساتھ رہتا تھا۔

وہ اپنے ہی خیالوں میں گنگناتا ہوا ڈرائیونگ کر رہا تھا کہ معاً اُسے اپنی پشت پر چبھن کا احساس ہوا۔ اُس نے گردن گھما کر پیچھے دیکھا تو ایک نقاب پوش ہاتھ میں خوف ناک قسم کا ریوالور پکڑے اُسے گھور رہا تھا۔ نقاب پوش کا تمام چہرہ نقاب میں چھپا ہوا تھا۔ صرف آنکھیں نظر آرہی تھیں، جو انگارے برسا رہی تھیں۔ ریوالور کا رخ انسپکٹر کرمانی کی طرف تھا۔ وہ ایک لمحہ کرمانی کو گھورتا رہا پھر سرد لہجے میں بولا۔ "اگر تم میری ہدایات پر عمل کرتے رہے تو محفوظ رہو گے ورنہ دوسری صورت میں مجھے تمہاری کھوپڑی اُڑاتے ہوئے ذرا سا افسوس بھی نہیں ہوگا۔"

نقاب پوش کی آواز کرمانی کو جانی پہچانی لگی۔ اُس نے دماغ پر زور دے کر کچھ یاد کرنے کی کوشش کی مگر اُسے کچھ بھی یاد نہیں آیا کہ یہ آواز اُس نے کب اور کہاں سنی تھی؟ نقاب پوش کے لہجے میں چھپی دھمکی سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ جو کچھ بھی کہہ رہا ہے اُس پر عمل کرنے میں دیر نہیں لگائے گا۔ سو اُس نے کوئی بھی غلط حرکت کرنے کا خیال دل سے نکال دیا تھا کہ اسی میں اُس کی بھلائی تھی۔ تاہم وہ ہمت کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولا۔

"شاید تمہیں معلوم نہیں ہے کہ میں ایک.........."

"حرامی قسم کا پولیس انسپکٹر اور دوست کش انسان ہوں...... یہی کہنا چاہتے تھے ناں تم؟" نقاب پوش نے قطع کلامی کرتے ہوئے پوچھا۔

اُس کی بات سن کر کرمانی کے تن من میں آگ بھڑک اُٹھی۔ "میں تجھے اس بدتمیزی کا مزا........"

"چوپ۔" نقاب پوش گرجا اور کرمانی ایک دم خاموش ہوگیا۔ "اب اگر تم نے میری مرضی کے خلاف ایک لفظ بھی منہ سے نکالا تو میں تمہاری کھوپڑی میں سوراخ کر دوں گا۔ زندگی پیاری ہے تو چپ چاپ بیٹھے رہو۔"

اب کرمانی کے لیے اُس کے حکم پر عمل کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا۔ وہ اُس کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے ساحلِ سمندر کے قریب واقع ایک بنگلے تک پہنچ گیا۔ بنگلے کا مین گیٹ بند تھا۔ چنانچہ نقاب پوش کی ہدایت پر کرمانی نے گیٹ کے سامنے گاڑی روک دی۔ نقاب پوش نے گاڑی سے اُترے بغیر جیب سے سیل فون نکالا، کال ملائی اور رابطہ قائم ہوتے ہی بولا۔ "انکل! گیٹ کھول دیں، میں شکار لے کر پہنچ گیا ہوں۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

چند ثانیوں کے بعد گیٹ کھل گیا۔ تب نقاب پوش نے کرمانی کو گاڑی اندر لے جانے کا حکم دیا تو اُس نے گاڑی آگے بڑھا دی۔ گاڑی کو بنگلے کے پورچ میں ٹھہرانے کے بعد نقاب پوش نے کرمانی کو نشانے پر رکھتے ہوئے نیچے اُترنے کا حکم دیا۔ وہ بے چوں چراں نیچے اُترا اور نقاب پوش کے آگے آگے چلنے لگا۔ طویل کاریڈور سے گزرتے ہوئے وہ آخری کمرے میں پہنچ کر رک گئے۔ اسی دوران ایک اور نقاب پوش کمرے میں داخل ہوا، اُس نے ایک نظر کرمانی پر ڈالی اور مٹھیاں بھینچتا ہوا کمرے کے ایک کونے کی طرف بڑھ گیا۔ فرش پر جھک کر اُس نے ایک چوبی تختہ اُٹھایا تو نیچے بیسمنٹ کی سیڑھیاں نظر آنے لگیں۔ وہ بلا تردد نیچے اُتر گیا۔ کرمانی خوف زدہ نگاہوں سے یہ منظر دیکھتا رہا۔ اُسے نقاب پوش سے کچھ پوچھنے کی ہمت ہی نہیں ہو رہی تھی۔

''چلو نیچے تہہ خانے میں چل کر بات کرتے ہیں۔'' نقاب پوش نے کرمانی کو حکم دیا۔

''پپ...... پلیز...... مم...... مجھے جانے دو۔'' کرمانی نے لرزتی ہوئی آواز میں التجا کی۔

''شاید تم کتے کی موت مرنا چاہتے ہو؟'' نقاب پوش نے ریوالور سیدھا کیا۔ ''چلو آگے بڑھو ورنہ میں گولی چلانے لگا ہوں۔''

نقاب پوش کے لہجے میں قطعیت تھی۔ کرمانی کانپتی ہوئی ٹانگوں کے ساتھ آگے بڑھا اور تہہ خانے کی سیڑھیاں اُترتا چلا گیا۔ جب کہ نقاب پوش بھی اُس کی تقلید کرتا ہوا پیچھے پیچھے تھا۔ نیچے پہنچ کر نقاب پوش نے اُسے ایک کرسی پر بٹھایا، رسی لی اور اُسے مضبوطی سے کرسی کے ساتھ باندھ دیا۔

''تم...... لوگ...... مم...... میرے ساتھ...... ایسا سلوک کیوں کر رہے ہو؟'' کرمانی نے فریادی انداز میں پوچھا۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول:-
انسان کا نقصان جان اور مال کا چلا جانا نہیں، انسان کا سب سے بڑا نقصان کسی کی نظر سے گر جانا ہے۔ (مظہر سعید)

''تم ایک سانپ ہو کرمانی اور سانپ کا سر کچلنا کوئی جرم یا گناہ نہیں ہے۔'' اتنا کہہ کر نقاب پوش نے نقاب اُتار دیا۔

اُس کی شکل دیکھ کر حیرت سے کرمانی کی آنکھیں پھٹنے کے قریب ہو گئیں۔ اُس کے سامنے مشہور ٹارگٹ کلر عامی کھڑا اُسے خون خوار نگاہوں سے گھور رہا تھا۔

''یہ...... یہ کیا ہے عامی!...... کیا میں نے اس لیے تمہاری جان بچائی تھی کہ تم میرے ہی دشمن بن جاؤ؟''

''تم سچ مچ پاگل ہو گئے ہو کرمانی!'' وہ طنزیہ انداز میں بولا۔ ''عامی کو تو تم نے خود پولیس مقابلے میں ہلاک کیا تھا۔ کیا بھول گئے؟ میں تو عماد صدیقی ہوں۔''

''نن...... نہیں...... مم...... میں نے تو عماد کو...... پولیس مقابلے میں...... ہلاک کیا تھا۔'' اُس نے لرزتی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

''کیوں مارا تھا اُسے کمینے!'' دوسرا نقاب پوش بھوکے عقاب کی طرح اُس پر جھپٹا اور تہہ خانہ تھپڑوں کی آواز سے گونجنے لگا۔ ''میں...... تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا...... مار ڈالوں گا تجھے...... تیرے گندے اور ناپاک جسم کو چیل کوؤں کی خوراک بنا دوں گا۔'' اُس پر جیسے پاگل پن کا دورہ پڑ گیا۔ اُس کے دونوں ہاتھ میکانکی انداز میں چل رہے تھے، جب کہ کرمانی بے تحاشا چلا رہا تھا۔ بندھا ہوا ہونے کی وجہ سے وہ خود کو بچانے سے قاصر تھا۔

عامی چپ چاپ کھڑا یہ تماشا دیکھتا رہا۔ اُسے معلوم تھا کہ اُس کا ساتھی جو کہ ظہیر صدیقی تھا، خود ہی تھک کر کرمانی کو چھوڑ دے گا۔ ظہیر صدیقی چند لمحے تو کرمانی کے

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

چہرے پر تھپڑ اور گھونسے برساتا رہا، پھر عامی کی توقع کے عین مطابق وہ ہانپنے لگا۔ تب عامی آگے بڑھا اور ظہیر صدیقی کو سہارا دیتے ہوئے بولا۔ ''بس انکل! اس کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔ باقی میں سنبھال لوں گا۔''

''نہیں۔'' وہ ہانپتی ہوئی آواز میں بولا۔

''میں......اسے اپنے ہاتھوں سے گولی ماروں گا۔ تب کہیں جا کر......میرے سینے میں ٹھنڈ پڑے گی۔''

''کبھی نہیں انکل!'' اُس نے نفی میں سر ہلایا۔

''اس کے گندے خون سے میں آپ کو ہاتھ نہیں رنگنے دوں گا۔''

''ٹھیک ہے بیٹے! جیسے تمہاری مرضی۔'' وہ غیر متوقع طور پر رضامند ہوگیا۔

''ہاں تو مسٹر کرمانی! کیا خیال ہے؟'' عامی کرمانی کی طرف متوجہ ہوگیا۔ ''کس قسم کی موت مرنا پسند کرو گے؟ میں نے سارا بندوبست کیا ہوا ہے۔ تمہیں بس انتخاب کی زحمت اُٹھانا پڑی گی باقی کام میرا ہے۔''

''کک......کیا...... تت......تم......مجھے مار ڈالو گے؟'' خوف سے کرمانی کا رنگ زرد پڑ گیا اور زبان ہکلانے لگی تھی۔

''ہاں......میں چاہوں بھی تو تجھے نہیں چھوڑ سکتا۔'' اُس نے جواب دیا۔

''پلیز عامی پلیز......'' وہ گڑگڑانے لگا۔ ''تمہیں خدا کا واسطہ مجھے معاف کردو...... میں تمہارے پانچ کروڑ روپے بھی لوٹا دوں گا، بلکہ جتنا کچھ بھی میرے پاس سب تجھے دے دوں گا......پلیز مجھ پر رحم کرو پلیز......''

''انکل ظہیر کو اُس کا بیٹا لوٹا دو، میں تجھے معاف کردوں گا۔''

''یہ......یہ بھلا کیسے ممکن ہے؟'' وہ پھر گڑگڑایا۔

''مم......میں اُسے......کیسے واپس لا سکتا ہوں؟''

''تمہاری چیک بک کہاں ہے؟'' عامی نے ایک غیر متعلق سوال کردیا۔

''گاڑی میں......ڈیش بورڈ کے اندر رکھی ہے۔'' اُس نے فوراً جواب دیا شاید دل ہی دل میں اُس نے کوئی اُمید باندھ لی تھی۔

''انکل! یہ ریوالور لو اور اس پر نظر رکھنا، میں گاڑی سے چیک بک نکال کر لاتا ہوں۔'' عامی نے ظہیر صدیقی کی طرف ریوالور بڑھایا۔

''نہیں چیک بک لے کر میں آتا ہوں۔'' اتنا کہہ کر وہ سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔

☆☆☆

کرمانی کا دایاں ہاتھ آزاد تھا اور وہ چیک فل کرنے کے بعد سائن کر رہا تھا کہ اُسی وقت اُس کا سیل فون بجنے لگا۔ اُس نے سائن کرنے کے بعد چیک عامی کی طرف بڑھا دیا اور پھر اُسے اُمید بھری نظروں سے دیکھنے لگا۔ عامی نے اُس کی جیب سے سیل فون نکال کر اسکرین پر نظر ڈالی تو کسی شبانہ کرمانی کا نام دکھائی دیا۔

''شبانہ کرمانی کا فون ہے۔ کون ہے یہ...... بیگم یا گرل فرینڈ؟'' اُس نے کرمانی کی طرف جواب طلب نظروں سے دیکھا۔ اس دوران فون بجنا بھی بند ہوگیا۔

''مم...... میری بیوی ہے۔''

''ٹھیک ہے اسے بتادو کہ تم ایک دو دن تک گھر نہیں پہنچ سکو گے، کسی سرکاری کام کے سلسلے میں شہر سے باہر گئے ہوئے ہو۔ اس کے علاوہ تم نے مزید اُس سے کچھ بھی نہیں کہنا اور نہ ہی کسی قسم کی چالاکی دکھانی ہے ورنہ مجھے ایک سیکنڈ لگے گا اور تم لاش میں تبدیل ہو جاؤ گے۔''

''مم...... میں کوئی غلط حرکت نہیں کروں گا۔'' کرمانی نے میکانکی انداز میں جواب دیا۔

عامی نے اثبات میں سر ہلایا اور شبانہ کرمانی کو کال

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

بیک کرنے لگا۔ جونہی رابطہ ہوا اُس نے اسپیکر آن کرتے ہوئے فون کرمانی کی طرف بڑھادیا۔

''ہیلو......'' اُس نے فون کان سے لگاتے ہوئے کہا۔ ''کیابات ہے؟''

''کرمانی! آپ کب تک پہنچ جائیں گے؟'' بیگم نے سوال کیا۔

وہ بولا۔ ''میں دودنوں تک گھر نہیں پہنچ سکوں گا۔ شہر سے باہر گیا ہوا ہوں ایک سرکاری کام ہے۔''

''ٹھیک ہے تو کیا میں امی کے ہاں چلی جاؤں؟''

''چلی جاؤ، یہ بھی بھلا کوئی پوچھنے والی بات ہے؟'' کرمانی نے جواب دیا۔

''تھینکس کرمانی۔'' بیگم نے پُرمسرت آواز میں کہا اور پھر خداحافظ کہتے ہوئے رابطہ منقطع کردیا۔

اس کے بعد کرمانی نے عامی کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے اپنے ایک ماتحت افیسر کوفون کر کے بتادیا کہ وہ دودنوں کے بعد پولیس اسٹیشن پہنچے گا کیونکہ اُسے کوئی گھریلو مسئلہ درپیش ہے۔

وہ ساری رات اُنھوں نے کرمانی کے ساتھ تہہ خانے میں گزار دی تھی۔ کھانے پینے کا بندوبست اُنھوں نے کرمانی کواغوا کرنے سے پہلے ہی کررکھا تھا۔ چنانچہ تہہ خانے میں رہتے ہوئے اُنھیں کوئی مشکل درپیش نہیں آئی تھی۔ صبح اُنھوں نے پہلے کرمانی کو ناشتا کرایا اور پھر خود کیا۔ لگ بھگ صبح کے نو بجے اُنھوں نے کرمانی کو تہہ خانے میں چھوڑا اور خود باہر چلے گئے۔ تہہ خانے کا تختہ اپنی جگہ پر لگانے کے بعد عامی نے ظہیر صدیقی کو الرٹ رہنے کی تاکید کرتے ہوئے ریوالور اُس کے حوالے کردیا۔

''انکل! ہوشیار رہنا میں ایک گھنٹے کے اندر لوٹ آؤں گا۔'' اتنا کہہ کر وہ کمرے سے باہر نکل گیا۔

چند لمحوں کے بعد وہ گاڑی میں بیٹھا اندرونِ شہر کی جانب گامزن تھا۔ یہ ایک چھوٹی سی سوزوکی مہران کارتھی، جو اُسے ظہیر صدیقی نے خرید کردی تھی۔ ایک بینک کے سامنے گاڑی روک کر اُس نے ایک درمیانے سائز کا بریف کیس اُٹھایا اور گاڑی کولاک کرنے کے بعد بینک کے اندر داخل ہوگیا۔ بینک میں اُسے تقریباً نصف گھنٹا لگ گیا مگر جب وہ باہر نکلا تو اُس کے بریف کیس میں پانچ کروڑ روپے کی رقم موجود تھی۔ انسپکٹر کرمانی سے اُس نے اوپن چیک لیا تھا۔ اُس نے گاڑی کوان لاک کیا بریف کیس ساتھ والی سیٹ پر رکھا اور گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے بینک کی عمارت سے باہر آگیا۔ اب اُس کا رخ شہر کی ایک معروف مارکیٹ کی طرف تھا۔ مارکیٹ میں پہنچ کر اُس نے ایک دکان سے ہینڈ کیری وڈیو کیمرا خریدا اور واپس روانہ ہوگیا۔

جب وہ دوبارہ بنگلے میں داخل ہوا تو اُس وقت ساڑھے دس بجنے والے تھے۔ اُس نے پورچ میں جاکر گاڑی روکی، بریف کیس اُٹھایا اور تیزی سے اُس کمرے کی جانب بڑھ گیا جس میں ظہیر صدیقی موجود تھا۔ ظہیر صدیقی واقعی کسی فوجی جوان کی طرح الرٹ بیٹھا ہوا تھا۔ عامی کو دیکھتے ہی اُس کے تنے ہوئے اعصاب ڈھیلے پڑگئے۔

''کام ہوگیا ہے انکل۔'' اُس نے بریف کیس لہرایا۔ ''اس میں پورے پانچ کروڑ روپے کی رقم موجود ہے۔ ہم دونوں میرے گاؤں چلے جائیں گے اور وہاں سکون سے زندگی گزاریں گے۔''

وہ بولا۔ ''ہاں بیٹے! عماد کے بعد اب میرا بھی دل اچاٹ ہوگیا ہے اس شہر سے۔ ویسے بھی اب یہ شہر درندوں کی آماج گاہ بن چکا ہے۔ روزانہ کتنی ہی ماؤں کے لختِ جگر اور باپوں کے بڑھاپے کی لاٹھیاں چھین لیتا ہے۔ اب یہاں چاروں طرف موت کا بسیرا ہے۔''

''تو چلیے پھر عماد کے قاتل سے نمٹ لیتے ہیں۔'' یہ

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

کہتے ہوئے اُس نے تہہ خانے کا چوبی تختہ ہٹا دیا۔

ایک بار پھر وہ بندھے ہوئے کرمانی کے سر پر موجود تھے۔ ایک ہی رات میں کرمانی کی بُری حالت ہوگئی تھی اور وہ برسوں کا بیمار نظر آرہا تھا۔

''کیا حال ہے مسٹر اسلم کرمانی عرف اِن کاؤنٹر اسپیشلسٹ!'' عامی نے ریوالور کے ذریعے اُس کی ٹھوڑی اُوپر اُٹھاتے ہوئے طنزیہ انداز میں پوچھا۔

''خدا کے لیے......مم......مجھے چھوڑ دو۔'' وہ روتی ہوئی آواز میں بولا۔ ''اب تو میں نے تمہارے پانچ کروڑ روپے بھی لوٹا دیے ہیں۔''

''چھوڑ دیں گے بھئی! اتنی بھی کیا جلدی ہے؟ پہلے ذرا اپنے دوست پاشا کو تو کال کر کے یہاں بلالو، اُس کے ذمے بھی اپنا بہت سا حساب کتاب باقی ہے۔ جو مجھے بے باق کرنا ہے۔''

''وہ بھلا یہاں کیوں آئے گا؟'' اُس نے اُلجھن آمیز انداز میں پوچھا۔

''یہ تجھے میں بتاؤں گا کہ وہ کیسے آئے گا؟'' عامی نے ذومعنی انداز میں جواب دیا اور پھر کرمانی کا دایاں بازو رسیوں سے آزاد کرنے لگا۔

کرمانی کا فون عامی کی جیب میں موجود تھا، جسے اُس نے آف کر رکھا تھا۔ اُس نے جیب سے فون نکال کر آن کیا اور پھر فون بک میں جا کر پاشا نمبر تلاش کرنے لگا۔

☆☆☆

سلیمان پاشا دیر سے جاگنے کا عادی تھا۔ اُس وقت وہ ناشتے کی ٹیبل پر موجود تھا جب اچانک اُسے انسپکٹر کرمانی کی طرف سے کال آنے لگی۔ پہلے تو اُس نے بُرا سا منہ بنایا اور پھر کال ریسیو کرتے ہوئے بولا۔ ''ہاں کرمانی! صبح صبح تم پر کون سی مصیبت نازل ہوگئی ہے؟''

''پاشا صاحب! کیا آپ اسی وقت اپنے ساحلِ سمندر والے بنگلے پر پہنچ سکتے ہیں؟'' کرمانی نے استفسار کیا۔

''تم......تم وہاں کس طرح پہنچ گئے؟'' پاشا کو حیرت کا ایک جھٹکا لگا۔ ''وہ تو ایک عرصے سے بند پڑا ہے اور وہاں صرف ایک چوکیدار ہوتا ہے۔''

''دراصل میں عامی اُستاد کا پیچھا کرتے ہوئے یہاں تک پہنچا ہوں۔ وہ جیل سے فرار ہو کر آپ کے اس بنگلے میں روپوش تھا۔ اس وقت وہ میرے قبضے میں ہے۔ مجھے لگتا ہے اُس نے ہم دونوں کے خلاف ثبوت اسی بنگلے میں کہیں چھپا رکھے ہیں۔ کیا اس بنگلے میں کوئی تہہ خانہ وغیرہ ہے؟'' کرمانی نے تفصیل بتاتے ہوئے آخر میں سوال کیا۔

''ہاں ہاں......بالکل ہے۔'' وہ تقریباً اچھل پڑا۔ ''میں بس ابھی پہنچتا ہوں، خیال رکھنا وہ نکلنے نہ پائے۔''

''ڈونٹ وری پاشا صاحب! اس وقت وہ کسی کتے کی طرح میرے پیروں میں بندھا پڑا ہے۔ بنگلے کا مین گیٹ کھلا ہوگا آپ بے دھڑک اندر چلے آئیے'' کرمانی نے فخریہ انداز میں بتا کر رابطہ کاٹ دیا۔

پاشا نے جلدی جلدی ناشتا کیا اور پھر بغیر ڈرائیور کے ساحلِ سمندر والے بنگلے کی طرف روانہ ہو گیا۔ تقریباً پون گھنٹے کے بعد وہ بنگلے کے مین گیٹ سے گزرتا ہوا اندر داخل ہوگیا۔ گاڑی روک کر وہ نیچے اترنے ہی لگا تھا کہ عامی کسی بلائے ناگہانی کی طرح اُس کے سر پر پہنچ گیا۔

''ہاتھ اُوپر پاشا صاحب۔'' وہ اُسے نشانے پر رکھتے ہوئے غرایا۔ ''ورنہ بھون ڈالوں گا۔''

''تت......تم......وہ......کرمانی......کہاں ہے؟'' اُس نے اٹکتے ہوئے۔ لہجے میں پوچھا۔

''نیچے تہہ خانے میں پڑا ہوا ہے اور کسی خارش زدہ کتے کے مانند چلا رہا ہے۔ چلو وہ تمہارا منتظر ہے۔''

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"دیکھو! تم یہ ٹھیک نہیں کر رہے ہو...... تمہیں اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔" پاشا نے دھمکی دی۔

"چلتے ہو یا چلاؤں گولی؟" عامی نے ریوالور کے ٹریگر پر انگلی رکھتے ہوئے سرد لہجے میں پوچھا۔

اُس کا لہجہ اور چہرے کے تاثرات بتا رہے تھے کہ اگر پاشا نے دوبارہ منہ کھولا تو جواب میں گولی آئے گی۔ سو وہ بلاچوں چرا اں عامی کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے تہہ خانے کے اندر پہنچ گیا۔ وہاں کرمانی ایک کرسی پر بندھا بیٹھا تھا۔ پاشا کو عامی نے دوسری کرسی پر بٹھادیا اور پھر اُس کی جیب سے سیل فون نکال کر آف کرنے کے بعد ظہیر صدیقی کے حوالے کر دیا۔

"پاشا!" عامی اُسے گھورتے ہوئے بولا۔ "تم نے عماد کو کیوں اور کیسے مروایا تھا؟ اگر تم نے ذرا سا بھی جھوٹ بولا تو میں بلا جھجک گولی چلا دوں گا۔"

پاشا گو کہ بہت بڑا آدمی تھا مگر ایسی صورتِ حال سے اُس کا واسطہ کبھی نہیں پڑا تھا۔ چنانچہ ایک ٹارگٹ کلر کے سامنے جلد ہی اُس کے اعصاب جواب دے گئے اور اُس نے فرفر ساری کہانی سنا دی۔

بہت خوب پاشا!" عامی نے اسے داد دی۔ "اگر تم اسی طرح تعاون کرتے رہے تو شاید ایک بُری موت مرنے سے بچ جاؤ۔"

"مم...... مجھے مت مارنا...... میں تعاون کروں گا۔" پاشا نے فوراً جواب دیا۔

نصف گھنٹے کے اندر عامی ایک ایسی وڈیو فلم فلما چکا تھا کہ وہ اگر کسی چینل سے آن ایئر ہو جاتی تو عوام پاشا کی بوٹی بوٹی کر دیتے۔ وہ بیک وقت انڈین ایجنسی را، اسرائیل کی موساد اور امریکہ کی سی آئی اے کے لیے کام کرتا تھا۔ کراچی میں ٹارگٹ کلنگ سے لے کر بلوچستان کی خون ریزی تک وہ ملوث تھا۔ اُس کی ساری دولت انہی ایجنسیز کی عطا کردہ تھی۔ جب کہ انسپکٹر کرمانی بھی

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

ان جرائم میں شامل رہا تھا۔

"تم سوچ سکتے ہو پاشا!" وڈیو فلمانے کے بعد عامی نے کہا۔ "جب یہ وڈیو کل مختلف چینلز سے آن ایئر ہوگی تو تب تمہارا اور اس کرمانی کا کیا حشر ہوگا؟"

"نن......نہیں......" پاشا اچانک ہذیانی انداز میں چلایا۔ "تت......تم ایسا نہیں کرسکتے۔"

"میں ایسا ہی کروں گا۔ آج ہی یہ وڈیو مسٹر...... ......صاحب تک پہنچ جائے گی۔" عامی نے ملک کے ایک مشہور و معروف صحافی کا نام لیتے ہوئے جواب دیا۔

"میرا سب کچھ لے لو......مگر ایسا مت کرو۔" پاشا نے اُسے پیش کش کی۔

"مجھے تمہاری کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے پاشا۔" اُس نے انکار میں سر ہلایا۔ "میں اب تائب ہو چکا ہوں۔ مجھے نئی شناخت مل چکی ہے۔ میں اب عامی نہیں ہوں عماد صدیقی ہوں اور......"

عامی کی بات ابھی ادھوری ہی تھی کہ معاً پاشا نے جیب سے ایک بڑے سائز کا کیپسول نکالا اور پلک جھپکنے کی دیر میں نگل لیا۔ چند سیکنڈز کے اندر ہی اُس کے منہ سے جھاگ نکلنے لگا اور پھر وہ دیکھتے ہی دیکھتے کرسی سے لڑھک کر نیچے پختہ فرش پر جا گرا۔

اس کے بعد کے واقعات نہایت تیزی سے وقوع پذیر ہوئے تھے۔ کرمانی کو عامی کے منع کرنے کے باوجود ظہیر صدیقی نے گولی ماردی تھی۔ اُس کا کہنا تھا کہ قاتل کو قتل کرنا جرم ہے نہ گناہ اور کرمانی میرے بیٹے کا قاتل ہے......سو میں نے جو بھی کیا ہے وہ درست ہے۔ بنگلے سے نکلنے سے قبل عامی وہاں سے اپنی موجودگی کے آثار مٹانا نہیں بھولا تھا۔ عامی نے اُسی دن کوریئر سروس کے ذریعے وہ وڈیو ایک مشہور و معروف چینل کو بھجوا دی تھی ٹھیک ایک ہفتے کے بعد جب وہ دونوں عامی کے گاؤں جانے کی تیاری کررہے تھے تو عین اسی وقت دروازے کی کال بیل بج اُٹھی۔ عامی نے جا کر دروازہ کھولا تو سامنے ایک حسین و جمیل لڑکی موجود تھی۔ "جی کس سے ملنا ہے آپ کو؟" عامی نے تعجب سے پوچھا۔

"عماد صدیقی سے۔" لڑکی نے مسکرا کر کہا۔ "آپ کو کوئی اعتراض ہے؟"

"نن......نہیں......" وہ ٹپٹا گیا۔

ایسے ہی وقت ظہیر صدیقی دروازے پر پہنچ کر بولا۔

"ارے زارا بیٹی تم......چلو اندر آ جاؤ۔"

وہ بولی۔ "انکل! پہلے اس نقلی عماد صدیقی کو تو راستے سے ہٹایئے۔"

ظہیر صدیقی نے ایک قہقہہ لگایا اور پھر عامی سے بولا۔ "راستے سے ہٹو یار! یہ زارا احمد ہے جس کی کہانی میں نے تجھے سنائی تھی۔"

ذرا دیر کے بعد وہ تینوں ایک کمرے میں موجود ہنس ہنس کر باتیں کررہے تھے کہ معاً عامی نے زارا سے کہا۔ "مس زارا! گو کہ میں عماد صدیقی نہیں ہوں لیکن اگر آپ چاہیں تو میں آپ کو خوش رکھ سکتا ہوں۔ ویسے بھی انکل نے مجھے بطور عماد صدیقی قبول کرلیا ہے۔"

"تو اور کیا میں یہاں تمہاری شکل دیکھنے کے لیے آئی ہوں؟......اَن پڑھ گنوار کہیں کے۔" زارا نے مسکرا کر جواب دیا اور کمرا ظہیر صدیقی کے فلک شگاف قہقہے سے گونج اُٹھا۔

= ختم شد =

نوٹ

محترم رزاق شاہد کوہلر صاحب بے پناہ مصروفیت کی وجہ سے سلسلہ وار ناول "درِ زنداں" کی قسط نہیں لکھ سکے۔ لہٰذا قسط 7 اکتوبر کے شمارے میں ملاحظہ فرمائیں۔ (ادارہ)

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

غریب کی بہو

رحمو کا مردہ چہرہ تو تم نے پہچان لیا تھا، میں تمہارا زندہ چہرہ ایسے کر دوں گا جسے لوگ تو کیا تم خود بھی پہچان نہ سکو گی۔

محمد نذیر ملک

گرمیوں کی ایک صبح جب گاؤں والے جاگے تو یہ خوفناک خبر ان کی منتظر تھی کہ کٹھہ (نشیبی جگہ) میں ایک جواں سالہ عورت کی لاش پڑی تھی۔ سارا گاؤں کٹھہ کی طرف امڈ آیا اور لاش کے گرد ایک ہجوم اکٹھا ہو گیا۔ اگر وہاں پر پولیس موجود ہوتی تو لوگوں کو لاش کے قریب نہ پھٹکنے دیتی اور قاتل یا قاتلوں کا کھوج لگانے کے لئے کھرے محفوظ کر لئے جاتے۔ پولیس کی عدم موجودگی میں ہر کوئی ''پولیس'' بنا پھرتا تھا کہ وہ لاش کو پہلے دیکھے۔ لوگ اپنی اپنی طرز سے قیاس آرائیاں بھی کر رہے تھے۔ لاش پھولی ہوئی تھی اس لئے اس کی شناخت مشکل ہو رہی تھی کہ کون ہے۔ لاش کے قریب الگ سے دوپٹہ پڑا ہوا تھا۔ ایک جوتا پاؤں میں اور ایک علیحدہ پڑا تھا۔ لاش کی حالت سے یوں لگ رہا تھا کہ عورت کسی دوسری جگہ قتل ہوئی ہے اور کم از کم تین دن بعد رات کے اندھیرے میں لے جا کر اسے کٹھہ میں پھینک دیا گیا۔ مردوں کے ساتھ ساتھ عورتیں بھی لاش دیکھنے گاؤں سے نکل آئی تھیں۔

اس دوران کسی عورت نے چلا کر کہا کہ ارے یہ تو رحمو جولاہی ہے۔ تب لوگوں نے پھر سے جو لاش کا چہرہ پہچاننے کی کوشش کی تو اس بات کی تائید کر ڈالی کہ ہاں یہ وہی ہے۔ لاش چھینٹ کی پھولدار شلوار قمیص میں تھی۔ جس کا رنگ نیلا تھا اور پاس پڑا ہوا دوپٹہ بھی اسی رنگ کا

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

تھا۔ متعلقہ تھانہ دوسرے قصبہ میں تھا۔ نمبر دار نے وہاں اطلاع کرنے کے لئے چوکیدار کو دوڑا دیا اور اس کے ساتھ ایک دوسرا آدمی بھی کر دیا۔ دوپہر کو گھوڑے پر سوار تھانیدار جس کا نام شہزادہ تھا، آ گیا۔ وہ بڑا بارعب اور وجیہہ تھانیدار تھا اور گھوڑے پر بیٹھے سچ مچ کا شہزادہ ہی لگتا تھا لیکن تھا بہت تند خو اور سخت مزاج۔ ہٹو بچو کے آوازے لگنے لگے۔ تھانیدار کے ساتھ محرر اور دو سپاہی تھے۔ چھوٹا تھانیدار کسی دوسری مہم پر نکلا ہوا تھا۔

اس وقت پولیس کھوجیوں کی مدد سے زمین کے بھید لیا کرتی تھی۔ عقلمند تھانیدار جائے وقوعہ سے ہی واردات کا کوئی نہ کوئی کھرا کھوج لے لیتا تھا۔ وہ قتل گاہ کا بغور معائنہ کرتا بعض اوقات گھاس کا مڑا ہوا ایک تنکا قاتل کی نشاندہی کر ڈالتا تھا لیکن یہاں تو معاملہ ہی دوسرا تھا، لوگوں کے ہجوم نے پولیس کے آنے تک اصل کھرے ملیامیٹ کر دیئے تھے۔ صبح سے یہ ہجوم لاش کے گرد منڈلا رہا تھا اور اب وہاں پر تماشائیوں کے صرف اپنے کھرے رہ گئے تھے جو پولیس کے کسی کام کے نہ تھے۔

تھانیدار کے آ جانے پر اس کی دہشت اور خوف کے مارے لوگ اِدھر اُدھر کھسکنے لگے۔ بعض ہوشیار اور چالاک قاتل اکثر اوقات ایسے ہجوم میں خود بھی موجود ہوتے ہیں وہ پولیس کی کارروائی اور نقل و حرکت کا بغور جائزہ لیتے رہتے ہیں۔ تھانیدار نے لاش کا نظری معائنہ کرنے کے بعد اسے اٹھوا کر پوسٹ مارٹم کے لئے قریب قصبہ کے ہسپتال میں بھجوا دیا اور خود گاؤں کے پنچایت گھر میں ڈیرہ جما لیا جہاں نمبردار اور گاؤں کے بعض نمایاں لوگ اس کی خدمت داری میں لگ گئے۔

تھانیدار جب گاؤں کے پنچایت گھر میں رونق افروز ہوا تو گاؤں کا چوکیدار مولا بخش موچی غائب پایا گیا۔ تھانیدار جب بھی گاؤں دیہات میں آتا تو دو آدمیوں کی حاضری نہایت ضروری ہوا کرتی وہ تھے گاؤں کا نمبردار اور چوکیدار۔ ان لوگوں کو تھانیدار کے پروٹوکول کے لئے ہمہ وقت اس کے پاس رہنا پڑتا تھا۔ مولا بخش کو پورے نام سے کبھی کسی نے نہیں بلایا تھا بلکہ اسے اس کے آدھے سے بھی آدھے نام سے بلایا جاتا اور وہ بھی بگڑا ہوا نام ہوتا اور ساتھ بڑے اہتمام سے ''موچی'' لگا دیا جاتا۔ مولا بخش کوئی دو گھنٹہ کی غیر حاضری کے بعد شہزادہ تھانیدار کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس نے اسے ڈانٹتے ہوئے کہا کہ فلاں فلاں کے بچے تم کدھر گئے تھے؟

مولا بخش نے کہا سرکار وہ بات یہ ہے کہ آپ کی بہن (مولا بخش کی بیوی) کچھ بیمار ہوگئی تھی میں اس کی دیکھ بھال کرتا رہا ہوں۔ مولا بخش نے تھانیدار کو اپنا سالا بنا دیا۔ شہزادہ تھانیدار مولا بخش سے اپنی نئی نسبت جان کر کھلکھلا کر ہنس پڑا اور کہا ''بہت خوب بھئی!''

مولا بخش تو یہ سب کچھ اپنی سادگی میں کہہ گیا تھا لیکن بات بہت بڑی کہہ گیا۔ نمبردار کی بھی اکثر خیر نہیں ہوتی تھی۔ اس کے ساتھ بھی طویلے کی بلا بندر کے سر والی بات ہوتی تھی۔ اکثر تھانیدار نمبردار کی خوب مٹی پلید کیا کرتے۔ کسی نہ کسی چیز میں نقص نکال کر نمبردار بے چارے کی خوب بے عزتی کی جاتی کہ یہ سب نمبردار کا قصور ہے جبکہ چوکیدار تو رہتا ہی زیر عتاب تھا لیکن مولا بخش نے تھانیدار سے رشتہ جوڑ کر حساب چکا دیا تھا۔

غریب آدمی کو کوئی سیدھے نام سے نہیں بلاتا تھا۔ جتنا کوئی ذات کا غریب ہوتا اتنا ہی اس کا نام بگاڑ لیا جاتا بلکہ اس کا اصلی نام اس سے چھین لیا جاتا۔ گاؤں کے میراثی کے گھر لڑکا پیدا ہوا تو لڑکے کی ماں نے پیار سے اس کا نام فضل حسین رکھ دیا وہ بے چاری یہ آس لگا بیٹھی کہ لوگ بھی اس کے بیٹے کو فضل حسین ہی کہہ کے پکاریں گے لیکن میراثی کے نصیب میں اس کا اصلی نام کہاں۔ لوگوں نے تو اس کا پورا نام ہی اڑا دیا یہاں تک کہ فضلو بھی نہ رہنے دیا اور اپنی طرف سے اس کے لئے نیا نام چھو

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

میراثی ایجاد کرلیا۔ پس وہ عمر بھر چھو میراثی ہی جیسا اور پھر چھو میراثی ہی مرا۔ ہاں اس کی قبر پر جو کتبہ لکھا ہے وہ فضل حسین ولد غلام عباس کے نام سے ہے۔ وہ ہے ناں کہ

میں قبر تک تو گھسیٹا گیا ہوں کانٹوں پر
میرے مزار پہ چادر چڑھاؤ پھولوں کی

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو برابر کا بنایا، اسے ذاتوں میں انسان نے خود بانٹا۔ کسی کا پیشہ اس کی ذات بن گیا، انسان نے خود انسان کو پیشے کے اعتبار سے ذاتوں میں تقسیم کر کے اس کی تذلیل کی ہے۔ ہم سب آدم کی اولاد ہیں اور آدمی مٹی سے ہے۔ ہاں تم میں سے عزت والا وہ ہے جو پرہیز گار اور زیادہ تقویٰ والا ہے۔

رحم نور ایک دوسرے گاؤں سے بیاہ کر لائی گئی غریب عورت تھی، دو سال قبل اس کے خاوند اور دو دیوروں کو سائیکل چوری اور نقب زنی کی دیگر وارداتوں کی پاداش میں لمبی مدت کی سزائیں ہو گئی تھیں جو وہ کاٹ رہے تھے۔ ان تینوں بھائیوں کے نام متعلقہ تھانے میں "بستہ ب" کے بدمعاشوں کی فہرست میں درج تھے اور دلچسپ بات یہ ہے کہ آج ان کو مرے ہوئے بھی زمانہ بیت گیا ہے لیکن اس متعلقہ تھانے کی "بستہ ب" کی موجودہ فہرست میں ان کے نام موجود ہیں۔ گویا وہ اب بھی اپنی قبروں میں پڑے ہوئے بستہ ب کے بدمعاش ہیں۔ رحم نور کے چھوٹے چھوٹے بچے تھے، دو بیٹے اور ایک بیٹی۔ خاوند کے قید ہو جانے کے بعد اس کا اور اس کے بچوں کا کوئی کفیل نہ رہا تو وہ خود محنت مزدوری کے لئے نکل کھڑی ہوئی۔ وہ لوگوں کے گھروں میں جا کر ان کے کام کاج کرتی اور اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ پال رہی تھی لیکن ظالم دنیا والوں نے اس سے یہ اعزاز بھی چھین لیا۔

چار روز قبل اسے ایک گھر سے گندم کے دانے صاف کر کے دینے کا بلاوا آیا تھا۔ اس کے بعد یہ تین معصوم بچوں کی ماں گھر لوٹ کر ان بچوں کے پاس نہیں آئی اور اسی جگہ کھتے میں پڑی اس کی لاش ملی۔

تیسرے چوتھے روز جب ان معصوم بچوں کی ماں کی لاش دریافت ہوئی تو کوئی عورت اٹھا کر مقتولہ کی ڈھائی سالہ بیٹی کو ماں کی لاش کے پاس لے کر گئی۔ بچی زندگی موت کے فلسفے سے نابلد تھی اسے کہا کہ ماں سوئی ہوئی ہے اور جاگ نہیں رہی تو معصوم بچی نے پاس پڑا ہوا ماں کا جوتا اٹھایا اور اس سے مار کر ماں کو جگانے کی کوشش کرنے لگی۔ وہاں کھڑے کافی لوگوں کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے۔

دوسرے روز پوسٹمارٹم رپورٹ آ گئی جس میں لکھا تھا کہ مقتولہ کی موت ہاتھوں سے گلا گھونٹنے کی وجہ سے واقع ہوئی ہے اور یہ کہ اس کے ساتھ زیادتی بھی ہوئی ہے۔ تھانیدار نے اس گھر کے تین افراد کو پنچایت گھر میں بٹھا رکھا تھا جہاں مقتولہ تین چار روز پہلے دانے صاف کرنے گئی تھی۔ ان افراد میں باپ، بیٹی اور بیٹا تھا۔ بیٹی بیٹا 16 اور 18 سال کے تھے۔ تھانیدار ان سے پوچھ گچھ کر رہا تھا۔ گاؤں کے چند سرکردہ افراد نے مل کر تھانیدار سے درخواست کی کہ صرف باپ بیٹے کو تفتیش کے لئے رہنے دیا جائے اور بیٹی کو گھر بھیج دیا جائے کہ یہ سارے گاؤں کی عزت بے عزتی کا سوال ہیں یہ اچھے خاصے کھاتے پیتے لوگوں کا زمیندار گھرانہ تھا اور یہ عزت دار لوگ تھے۔ برادری میں ان کا ایک مقام تھا۔

تھانیدار ان لوگوں کی اس بات کو مسلسل نظرانداز کئے ہوئے تھا، کہا تھا کہ جب تک اس کی تفتیش مکمل نہیں ہو جاتی وہ کسی کو بھی گھر جانے کی اجازت نہیں دے گا اور پھر یہ لوگ تھانے میں تھوڑی ہیں یہ تو اپنے ہی گاؤں کے پنچایت گھر میں ہیں۔ تھانیدار جیسے کہ پہلے ذکر ہوا کافی تندخو اور سخت مزاج تھا وہ بڑی بڑی گالیوں کی زبان میں بات کرتا جنہیں شریف آدمی سن بھی نہیں سکتا تھا۔ اس نے پورے گاؤں کو جیسے تھانہ بنا رکھا تھا، بہت کم لوگ اس

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

کے منہ لگنے کی جرأت کر سکے تھے لیکن ان کی دال نہ گلی اور تھانیدار نے اپنا رویہ نہ بدلا۔ گاؤں والے اسے اپنی ہتک جان رہے تھے۔ آخر ایک ادھیڑ عمر عورت نے تجویز دی کہ گاؤں والے اگر اس کا ساتھ دیں تو وہ اس تھانیدار کو چپ کرا سکتی ہے۔ لوگوں نے حیران ہو کر پوچھا کہ وہ کیسے؟ اس نے کہا کہ وہ جو بات بھی تھانیدار سے کہے گاؤں والے اس کی تائید کرتے جائیں۔ اس کا نتیجہ کیا نکلتا ہے وہ اس پر چھوڑ دیا جائے۔ گاؤں والے تھوڑی سی پس وپیش کے بعد اس پر رضامند ہو گئے۔

وہ عورت گھر گئی اور گھر سے پھٹے پرانے اور میلے کچیلے کپڑے پہن کر آ گئی۔ پاؤں میں نہایت گھسے پھٹے خستہ حال جوتے تھے۔ وہ سیدھی پنچایت گھر کے اندر جا گھسی جہاں تھانیدار بیٹھا ہوا تھا اس نے جاتے ہی سیدھے دو تھپڑ تھانیدار کے منہ پر جڑ دیئے۔ دونوں سپاہیوں نے مائی کو جکڑ لیا لیکن تھانیدار کے تھپڑ کھانے کے بعد وہ ایسا کر سکے تھے۔ مائی نے تھانیدار پر گالیوں کی بوچھار کر دی کہا کہ فلاں فلاں کے بچے میری طرف دیکھ میں دو تھانیداروں کی ماں ہوں اور میری حالت دیکھ یہ تم لوگوں کی اوقات ہے۔ سپاہیوں سے کہا کہ وہ اسے چھوڑ دیں انہوں نے چھوڑ دیا۔ مائی نے تھانیدار کو کہا کہ کچھ شرم کرو اور ہوش کرو۔ تھانیدار حیران ہو کر اپنے گال سہلانے لگا اور پوچھا کہ یہ عورت کون ہے اور کیا کہہ رہی ہے؟ پنچایت گھر میں نمبردار سمیت سب لوگوں نے مائی کی بات کی تائید کر دی اور کہا کہ جناب یہ اماں جی سچ کہہ رہی ہیں۔ وہ مسلسل تھانیدار کے لتے لئے جا رہی تھی۔ تھانیدار نے کہا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ دو تھانیداروں کی ماں اور اس حالت میں۔ لوگوں نے کہا کہ یہ حقیقت ہے مائی باپ۔ ادھر مائی تھانیدار کی شان میں برابر ہرزہ سرائی کر رہی تھی۔ اس نے تھانیدار کو کہا کہ تم جا کر چلو بھر پانی میں ڈوب مرو۔ یہ تم لوگوں کی اوقات ہے پھر میرے بیٹے بھی ایسے ہی کر رہے ہوں گے جیسے تم کر رہے ہو؟ جوان بچی کے سامنے تجھے گالیاں دیتے شرم نہیں آتی تمہارے گھر میں بہو بیٹی بہن نہیں ہے کیا؟ تم نے اسے یہ گھر سے لا کر یہاں بٹھایا ہوا ہے اسے اسی وقت گھر بھیجو۔ تھانیدار نے کہا یہ عورت پاگل ہے کیا؟ کہا نہیں سرکار یہ بالکل ٹھیک ہے۔ اس دوران وہاں موجود لوگوں نے مائی کے دونوں تھانیدار بیٹوں کے نام بھی گھڑ لئے انہوں نے تھانیدار سے کہا کہ سب انسپکٹر راجہ ریاست اور اے ایس آئی راجہ اسلم اس ماں کے بیٹے ہیں جناب۔ تھانیدار نے پوچھا کہ وہ دونوں آج کل کہاں گئے ہوئے ہیں؟ ان میں سے ایک آدمی نے کہا کہ ایک لائل پور میں ہے اور دوسرا رحیم یار خان گیا ہوا ہے موتیاں والیو! تھانیدار کہنے لگا کمال ہے میں انہیں جانتا تک نہیں۔

پھر تھانیدار نے مائی سے مخاطب ہو کر پوچھا۔ اماں جی یہ آپ کا لائل پور والا بیٹا وہاں کس تھانے میں لگا ہوا ہے؟

''وہ تمہاری ماں کے تھانے میں لگا ہوا ہے''۔ مائی نے اپنے حواس برقرار رکھتے ہوئے پورے اعتماد کے ساتھ رعب دار لہجے میں کہا۔ ''اس بیٹی کو ابھی گھر بھیج کر پھر میرے ساتھ بات کرو۔ ورنہ میں اپنے بیٹوں کو بلوا لوں گی اور ان کی بھی خبر لوں گی۔ یہ مائی جس اعتماد سے تھانیدار سے بات کر رہی تھی اس سے تھانیدار کے پسینے چھوٹ گئے۔ اس نے لڑکی کو پنچایت گھر سے اٹھا دیا اور اُسے گھر بھیج دیا۔ دونوں سپاہی کب کے مائی کو چھوڑ کر باادب کھڑے ہوئے تھے کیونکہ مائی کے پلڑے میں دو دو تھانیداروں کا وزن تھا اور ان کا اپنا تھانیدار اکیلا تھا۔ مائی دوبارہ تھانیدار کی جانب لپکی تو تھانیدار پیچھے کو ہٹا۔ مائی نے آگے بڑھ کر تھانیدار کے ننگے سر کا بوسہ لے لیا اور اسے دعائیں دیتی ہوئی پنچایت گھر سے باہر نکل آئی۔

تھانیدار نے پیچھے رہ جانے والے دونوں باپ

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

بیٹے سے پھر سے تفتیش شروع کردی۔ باپ کا نام علی حیدر اور بیٹے کا شیر افگن تھا۔ گو کہ مقتولہ کے کیس کا مدعی کوئی نہیں تھا لیکن بہرحال قتل اور زیادتی کا ایک سنگین جرم ہوا تھا اور قاتلوں تک پہنچنا تھانیدار کی ذمہ داری تھی۔ جسے وہ بظاہر نبھاہ رہا تھا۔ تھانیدار نے باپ بیٹے سے پوچھا کہ رحم نوراں کے گھر دانے صاف کرنے آتی تھی پھر کہاں گئی۔ دونوں نے کہا وہ آئی ضرور تھی لیکن ہم نے اس روز دانے صاف نہیں کرائے تھے اور وہ جلد ہی واپس چلی گئی تھی۔ اس کے بعد ہمیں پتہ نہیں کہ وہ کہاں گئی۔ تھانیدار نے دونوں باپ بیٹے پر پولیس کے تمام تر داؤ پیچ استعمال کر کے دیکھ لئے اسے لگا کہ یہ دونوں بے گناہ ہیں۔

تین کا ٹولہ

قتل جیسا بھیانک اور سنگین جرم انسانی فطرت پر بہت بھاری ہے۔ قاتل اپنا چھرا مقتول کے نہیں اپنے پیٹ میں گھونپتا ہے۔ وہ مقتول کا نہیں اپنا گلا گھونٹتا ہے۔ قتل ایک کا نہیں پوری انسانیت کا ہوتا ہے۔ یہ قاتل کو کبھی ہضم نہیں ہوتا۔ قتل گاہ کی زمین گواہی دیتی ہے، قاتل کے خلاف درودیوار گواہی دیتے ہیں۔ مقتول کا رواں رواں گواہی دیتا ہے پھر اس قتل کے ساتھ تو ایک اور سنگین جرم بھی شامل تھا۔ تھانیدار نے محسوس کیا کہ قتل اور زیادتی کی یہ واردات ان باپ بیٹے کا کام نہیں ہوسکتا، یہ کسی اوباش اور جرائم پیشہ گروہ کا کام ہے۔ اب ان افراد تک قانون کے ہاتھ کیسے پہنچیں یہ سوچنے کی بات تھی۔

پولیس کو بعض دفعہ الجھی ہوئی رسی کا سرا آسانی سے مل جاتا ہے اور بعض اوقات اسے اس کے لئے پہاڑ کھودنا پڑتا ہے۔ آج کا زمانہ ہوتا تو اس دوران تھانیدار کے دیگر کئی اہم کام نکل آئے ہوتے اور وہ گاؤں کے اس پنچایت گھر سے کب کا اٹھ چکا ہوتا لیکن اس تھانیدار نے بھی تہیہ کرلیا تھا کہ وہ یہاں سے خالی ہاتھ نہیں جائے گا کچھ نہ کچھ لے کر ہی جائے گا۔ اس مقصد کے لئے وہ اپنے مخبروں کے جال کو حرکت میں لے آیا جس میں اس گاؤں کی دو عورتیں بھی شامل تھیں۔ ویسے شہزادہ تھانیدار اپنے طور پر کافی ہوشمند اور ماہر تھانیدار تھا۔ اس کا بڑا نام تھا۔ اس نے اپنے طور پر سوچا کہ شواہد کے مطابق شروع میں کافی دیر تک لاش کو کوئی بھی پہچان نہ سکا تھا پھر اچانک کسی عورت نے اس کی حالت کے پیش نظر چلا کر کہا کہ ارے یہ تو رحمو جولاہی ہے۔ بھرے گاؤں میں اس ایک عورت نے لاش کو کس بنیاد پر پہچانا تھا کیا اب وہ عورت مل سکتی ہے؟ تھانیدار اندھیرے میں ٹاک ٹوئیاں مار رہا تھا۔ اس نے دونوں مخبر عورتوں کو سامنے بٹھا کر بات کی کہ وہ اس عورت کا پتہ چلائیں جس نے سب سے پہلے لاش پہچانی اور کہا تھا کہ یہ رحمو جولاہی ہے۔ اب یہ بھوسے کے ڈھیر میں سوئی تلاش کرنے والی بات تھی۔ کسے خیال تھا کہ کون کہہ رہا ہے۔ ہر کوئی اس کے پیچھے پڑا ہوا تھا کہ کوئی کیا کہہ رہا ہے۔ مخبر عورتیں بھی گاؤں میں پھیل گئیں اور دیواروں کے ساتھ کان لگانے لگیں لیکن بظاہر یہ ایک لاحاصل سعی تھی۔ مخبر عورتوں نے آنکھوں اور کانوں کے پردے کھول رکھے تھے۔

دانے پیسنے والی مشین کی گلی کی نکڑ پر جہاں سبزی فروش عورتیں بیٹھا کرتیں ان کے برابر میں گاؤں کے کچھ فارغ اور نکھٹو قسم کے نوجوان ڈیرہ جمائے رکھتے تھے۔ راہ چلتے بڑی عمر کے لوگوں بھی اکثر وہاں رک کر آوا جاوی دیکھتے رہتے تھے۔

ایسی ہی آوا جاوی دیکھنے والوں کے پاس سے جب ایک مخبر عورت گزری تو اس کے کانوں سے ایک ایسی بات ٹکرائی جس نے اسے چونکا کر رکھ دیا۔ ایک کہہ رہا تھا۔ کیسراں نے کیا واقعی اس کا چہرہ پہچان لیا تھا مخبر عورتیں تو ہوائیں سونگتی پھر رہی تھیں۔ کیسراں کا کردار گاؤں میں ہمیشہ متنازعہ ہی جانا جاتا تھا۔ وہ کچھ اچھی

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

شہرت یافتہ عورت نہیں تھی۔ جو لوگ آپس میں بات کر رہے تھے وہ تین اوباش قسم کے چالیس پینتالیس سال کی عمر کے ایسے آدمی تھے جنہیں عمومی طور پر لوگ ان کے مشکوک چال چلن کی وجہ سے ناپسند کرتے تھے۔

کچھ ہی دیر میں کیسراں شہزادہ تھانیدار کے نرغے میں بیٹھی تھی۔ تھانیدار نے کیسراں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ کیسراں گھبرائی اس نے پھیکی سی ہنسی ہنسنے کی ناکام کوشش کر ڈالی۔ تھانیدار رازدارانہ لہجے میں مخاطب ہوا۔

''رحمو جولاہی سے تمہارا کیا رشتہ ہے؟'' کیسراں کے چہرے پر جو آتے ہوئے تھوڑی بہت لالی تھی وہ ایک دم غائب ہوگئی اور اس کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ اس کا کھلا ہوا چہرہ کملا گیا۔ ''میرا تو اس کے ساتھ کوئی رشتہ نہیں''۔

''اچھا یہ بتاؤ کہ تم نے رحمو جولاہی کی لاش کا چہرہ کیسے پہچانا؟''

کیسری کے چہرہ پر ایک رنگ آنے اور ایک جانے لگا۔ اس نے حلق میں پھنسی تھوک نگلتے ہوئے کہا۔ ''وہ تو سب نے پہچان لیا تھا''۔ تھانیدار کرسی سے اٹھا اور اپنی چھڑی کی نوک سے اس کے جھکے ہوئے چہرہ کو اس کی ٹھوڑی سے اوپر کیا اور کہا کہ تم نے کس کے کہنے پر یہ بات کہی تھی کہ یہ رحمو جولاہی ہے، کس نے تمہیں وہاں بھیجا تھا؟

''وہاں تو سارا گاؤں گیا ہوا تھا میں اگر چلی گئی تھی تو کون سا آسمان ٹوٹ پڑا تھا داروغہ جی!'' کیسری نے ذرا اعتماد سے کہا۔ ''آپ مجھ سے کیا کہلوانا چاہتے ہیں؟ تھانیدار برابر اس کے ذہن کو پڑھنے کی کوشش میں مصروف تھا۔ لیکن اس نے کمال ہوشیاری سے تھانیدار کو جُل دے دیا۔ ''کیا آپ بادشاہ ہیں آپ کے ہاتھ میں اللہ نے قلم دی ہے جو چاہیں لکھ سکتے ہیں۔ ویسے آپ کو بتاؤں کہ رحمو اچھے چال چلن کی عورت نہیں تھی اسے اس کے اعمال کی سزا ملی ہے۔ جیسی کرنی ویسی بھرنی''۔

تھانیدار نے محسوس کیا کہ کیسری عورتوں کی وہ قسم ہے جو آسمان پر ٹاکی لگا بھی سکتی ہے اور اتار بھی سکتی ہے۔ شہزادے نے دل میں ارادہ کیا کہ آئندہ کی مخبری کے لئے یہ عورت موزوں رہے گی لیکن اس وقت وہ ایک مشتبہ کی حیثیت سے تھانیدار کے سامنے بیٹھی تھی۔ اتنے میں ایک سپاہی نے آ کر تھانیدار کے کان میں سرگوشی کی کہ باہر دوسری مخبر عورت آئی ہوئی ہے۔ تھانیدار نے سپاہی کو کہا کہ کیسری کو دوسرے کمرے میں لے جاؤ۔ دوسری مخبر عورت جو اطلاع لائی تھی اس سے تھانیدار زیادہ حیران نہیں ہوا۔ شک کے سارے تانے بانے کیسری کی ذات پر بنے جانے لگے۔ اُسے فارغ کر کے مخبر عورت کو تھانیدار نے کیسری کو پھر بلا لیا۔

''اب تمہارے کچھ کہنے کی بہت کم ضرورت رہ گئی ہے کسری!'' تھانیدار نے کہا۔ ''اپنے یاروں کے نام بتا دو ورنہ ہمارے پاس یہ معلوم کرنے کے دیگر ذرائع بھی ہیں۔ ایسا کچھ ہی دیر ہے اس پنچایت گھر میں تمہارا جو حشر ہوگا تم کسی کو بتانے کے قابل بھی نہ رہو گی۔ تمہارے وہ یار تمہاری کچھ مدد نہ کر سکیں گے۔ رحمو کا مردہ چہرہ تو تم نے پہچان لیا تھا، میں تمہارا زندہ چہرہ ایسے کر دوں گا جسے لوگ تو کیا تم خود بھی پہچان نہ سکو گی۔ سوچ لو اور جلدی جواب دو ورنہ میں ابھی اپنی کارروائی شروع کر دوں گا''۔

کیسری کی پولیس کے ساتھ یہ پہلی مڈبھیڑ تھی وہ اسے چکر دینے میں بُری طرح ناکام رہی اور اس نے اس تین کے ٹولے کے بدمعاشوں کے نام بتا دیئے جنہیں فوری طور پر چھاپہ مار کر گرفتار کر لیا گیا۔

امر واقع یہ تھا کہ وہ تین کا ٹولہ گاؤں کے اوباش اور بدکردار اشخاص پر مشتمل تھا۔ کیسری کے ساتھ پہلے ان کی اپنی دوستی تھی پھر اسے وہ دانہ کے طور پر استعمال کرنے لگ پڑے۔ رحم نور جولاہی حالات کی ستائی ہوئی غریب عورت تھی اس کے خاوند اور دیوروں کو موت اور لمبی قید کی

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

سزائیں ہوگئیں تو یہ لوگوں کے گھروں میں کام کرنے لگ پڑی تا کہ اپنی اور اپنے بچوں کی بھوک مٹانے کے لئے روٹی اور بدن ڈھانپنے کے لئے کپڑا حاصل کر سکے۔ سو وہ کرنے لگی۔ وہ چال چلن کی بری نہ تھی لیکن اللہ نے اسے حسن دے رکھا تھا جو اس کا دشمن بن گیا وہ کہتے ہیں ناں کہ کیا اچھی صورت بھی بری شے ہے؟ جس نے ڈالی بری نظر ڈالی۔

تین کے ٹولے نے کیسری کے ذریعے رحم نور پر کافی ڈورے ڈالے لیکن انہیں کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ اُس روز جب زمین داروں کے گھر سے رحم نور کو دانے صاف کرانے کا بلاوا آیا تو وہ وہاں جا رہی تھی کہ راستہ میں اسے کیسری ملی اور کہا کہ محلّہ کے ایک گھر میں تھوڑا کام ہے اگر وہ آ جائے اور کام کر دے تو اسے پیسے مل جائیں گے۔ ادھر رحم نور کو اُس روز پیسوں کی سخت ضرورت تھی کیونکہ گھر میں اس کے اور بچوں کے لئے کھانے کو کچھ نہیں تھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ زمین داروں کے ہاں ان کے دانے صاف کرنے کے عوض کچھ پیسے حاصل کر لے گی اور واپسی پر دکان سے آٹا اور دال لیتی جائے گی اور جا کر بچوں کی بھوک مٹائے گی۔ اب شومئی قسمت کہ اس روز زمین داروں کے گھر سے اسے کام نہ ملا۔ انہوں نے وہ کام دوسرے دن پر ڈال دیا تھا، اسے نامراد واپس ہونا پڑا۔ راستہ میں پھر کیسری نے اس کا راستہ روکا اور کہا کہ وہ اس کے ساتھ آ جائے۔ ساتھ والے گھر میں مہمان آئے ہوئے ہیں ان کے ہاں کام ہے غرض کیسری رحم نور کو بہلا پھسلا کر اس گھر تک لے گئی۔ رحم نور نے اس گھر میں قدم رکھا تو اسے یوں محسوس ہوا کہ وہ غلط جگہ پر آ گئی ہے۔ وہاں کوئی مہمان نظر نہیں آ رہا تھا نہ کوئی میزبان ہی تھا۔ کیسری نے اس کی حوصلہ افزائی کی اور کہا کہ مہمان اندر ہیں۔ وہ اسے اندر لے گئی اور وہاں پر وہ تینوں اوباش بیٹھے تھے جنہوں نے اسے پکڑ لیا۔ کیسری وہاں سے رفو چکر ہوگئی۔

باقی کے اقبالی بیان میں تین کے ٹولہ نے بتایا کہ رحم نور بہت تڑپی اس نے ہاتھ جوڑے اور طرح طرح کے واسطے دیئے کہ اس غریب پر رحم کیا جائے لیکن ان کے بدن کے اندر دل کی جگہ پہ پتھر رکھے ہوئے تھے۔ اکیلی عورت آخر کب تک ان کا مقابلہ کرتی آخر ہار گئی۔ اب انہوں نے فیصلہ کیا کہ اگر وہ زندہ رہی تو کوئی نہ کوئی مسئلہ بن سکتا ہے۔ رحم نور نے پھر واسطے دیئے اور کہا مجھے مت مارو اور مجھے چھوڑ دو۔ میں گھر نہ گئی تو میرے بچے بھوکے مر جائیں گے۔ میرے بچوں پر رحم کرو۔ انہوں نے کہا۔ نہیں تم ہمارے لئے بہت بڑا خطرہ ہو ہم نے اس گاؤں میں رہنا ہے اور ہماری عزت ہے جو ختم ہو جائے گی۔

انہوں نے اس کا گلا گھونٹ دیا اور وہ مرگئی۔ اب مسئلہ یہ تھا کہ لاش کا کیا کیا جائیں اسے کہاں ٹھکانے لگایا جائے کیا اسے گڑھا کھود کر دفن کر دیا جائے۔ اب گڑھا کھودنے میں بھی سارے تیار نہ ہوئے۔ لاش 3 روز ایک کمرے میں پڑی رہی۔ وہ پھول گئی اور اس سے بدبو آنے لگی۔ انہوں نے رات کے اندھیرے میں اسے لے جا کر کھتے میں پھینک دیا۔ لوگوں سے وہ لاش کی شناخت نہیں ہو رہی تھی کہ اسے ٹھکانہ لگایا جاتا۔ اس پر کیسری کو کہا گیا کہ وہ ہجوم میں جا کر لاش کے سامنے کھڑے ہو کر اعلان کرے کہ یہ رحمو جولاہی ہے اور اس نے ایسا ہی کیا۔ ادھر اس تین کے ٹولے کا خیال نہیں تھا کہ معاملہ پولیس تک جائے گا۔ رحم نور یا رحمو جولاہی کی کیا حیثیت تھی کہ کوئی پولیس کو خبر ہی کر دیتا لہٰذا ایسے میں وہ دفن ہو جائے گی اور اس کے ساتھ ہی ان کے اس گھناؤنے جرم پر منوں مٹی پڑ جائے گی لیکن وائے قسمت کہ ایسا نہ ہوا۔ قاتلوں کے خیال میں یہ بھی آیا کہ اگر پولیس کو خبر ہو بھی گئی تو چونکہ اس کیس کا مدعی کوئی نہیں ہوگا، نہ کوئی والی وارث ہوگا تو کوئی انہیں تھانے تک نہیں لے جائے گا

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

لیکن ان کا یہ خیال غلط نکلا۔

ادھر ان کا پالا شہزادہ جیسے تھانیدار سے پڑ گیا۔ اس نے خوب عقلمندی سے خالی خانوں کو پُر کر کے چالان عدالت میں پیش کر دیا۔ تین کے ٹولے میں کیسری کو بھی شامل کر دیا گیا۔ چونکہ کیسری کی گواہی ضروری تھی ورنہ تمام ترملزمان شک کا فائدہ حاصل کر لیتے اس لئے کیسری تین کے ٹولے کے خلاف سلطانی گواہ بن گئی۔

تھانیدار شہزادہ نے ایک مزید موقع کا گواہ پیش کرا دیا جس کی وجہ سے ملزمان کو عمر قید کی صورت میں دہری سزا ہو گئی۔ اپیل پر یہ سزا سات سال قید بامشقت میں تبدیل ہو گئی۔ جو اس تین کے ٹولے کو کاٹا پڑی ان کا یہ مان ٹوٹ گیا کہ وہ یہ جرم کر کے صاف نکل جائیں گے۔

بہر حال رحم نور جس طرح بے یار و مددگار تھی اس لحاظ سے اس کا خون رائیگاں نہیں گیا اور مجرم کیفر کردار تک ضرور پہنچے۔ رحم نور خالی غریب کی بہو نہیں تھی۔ تین معصوم بچوں کی ماں بھی تھی جو مظلوم تھے اور مظلوم کی آہ آسمان تک پہنچتی ہے۔ ادھر تین کے ٹولہ میں سے ایک دو سال بعد جیل میں ہی مر گیا۔ باقی کے دو نے سات سال کی سزا کاٹی۔ گھر آ کر ان میں سے ایک کو جذام کا مرض لاحق ہو گیا اور وہ کوڑھی ہو کر مرا اور آخری اپنی آخیر عمر میں ہوش و حواس کھو بیٹا وہ ہر وقت کھیتے میں اس جگہ بیٹھا رہتا جہاں انہوں نے رحم نور کی لاش پھینکی تھی اور ایک ہی راگ الاپتا رہتا۔ ”مجھے مت مارو، میرے بچے مر جائیں گے، مجھے مت مارو......تم مجھے مار دو گے......“

ادھر کیسری بھی گاؤں کی گلیوں میں زندہ لاش کی طرح پھرتی رہی وہ جب مری تو اس کی لاش پر رونے والا کوئی نہ تھا۔ سب نے اس کا چہرہ دیکھ کر منہ پھیر لیا کسی نے بھی نہیں کہا کہ یہ کیسری ہے۔ سب نے کہا کہ یہ رحم نور کی قاتلہ کا چہرہ ہے۔

تبخیر معدہ کے مایوس مریض متوجہ ہوں

مفید ادویات کا خوش ذائقہ مرکب

ریمینال شربت

تبخیر معدہ اور اس سے پیدا شدہ عوارضات مثلاً دائمی قبض، گھبراہٹ، سینے کی جلن، نیند کا نہ آنا، کثرت ریاح، سانس کا پھولنا، تیزابیت معدہ، جگر کی خرابی اور معدہ کی گیس سے پیدا ہونے والے امراض کے لیے مفید ہے۔

اپنے قریبی دوا فروش سے طلب فرمائیں

نوٹ

تبخیر معدہ و دیگر امراض کے طبی مشورے کے لئے

سے رابطہ فرمائیں

ممتاز دواخانہ (رجسٹرڈ) میانوالی

فون:233817-234816

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

اُس کے بعد

کیا آپ اسے مرد سمجھتے ہیں؟ مرد ہوتا تو خود پہلے آگے جاتا، زوجہ کو نہ جانے دیتا۔

☆ -- عاصم خواجہ

تین ماہ کی مسلسل بھاگ دوڑ لا حاصل رہی اور بالآخر وہ اللہ کو پیاری ہوگئی۔ تقریباً نصف صدی کی رفاقت تھی جو مفارقت میں تبدیل ہوگئی۔

قبرستان سے باہر آ کر احباب جدا ہونے سے پہلے گلے مل رہے تھے۔ سب کے معانقے کا انداز اپنا اپنا تھا۔ چند بہت دکھی تھے، کچھ محض رسماً مل رہے تھے، کئی بڑے تپاک سے ملے تو بے الفاظ مگر آنکھوں کے اظہار سے لگ رہا تھا جیسے کہہ رہے ہوں کہ آپ میری زوجہ کے انتقال پر آئے تھے تو آج ہم بھی آئے ہیں یوں ہم نے اپنا فرض بلکہ قرض ادا کر دیا ہے۔ بعض لوگ گلے ملنے کے بعد ہاتھ ملاتے ہوئے عادتاً مسکرا کر پوچھ رہے تھے۔

''سناؤ خوش ہیں نا آپ!'' میں بھی نہ چاہتے ہوئے مسکرا کر کہہ گیا۔ ''الحمدللہ''۔ جواب درست تھا یا نہیں ابھی تک فیصلہ نہیں ہو سکا۔

بزمِ چغتائی ہر ماہ کی پہلی اتوار ایک مشاعرہ کا اہتمام کیا کرتی ہے جس کی نظامت ایک عرصہ سے میرے ذمہ ہے۔ مذکورہ بالا سانحہ کو زیادہ دن تو نہیں گزرے تھے مگر بزمی دوستوں نے اصرار کیا کہ میں وہاں ضرور پہنچوں تا کہ غمگین کیفیت سے قدرے نکل سکوں۔ میرا سابقہ معمول تو کھلا کھلا اندازِ نقابت تھا۔ سو پوری طرح تو نہیں مگر کسی حد تک شگوفے پھوٹے۔ مشاعرے کے اختتام پر تو یہی حلقۂ یاراں کی خصوصی نشست میں چائے کی پیالی میں ابال آ گیا۔ ایک بے تکلف نے ذرا تکلف سے کام لیتے ہوئے ایک پروفیسر صاحب، جن کی

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

گزشتہ سال اہلیہ فوت ہوگئی تھی اور انہوں نے نئی شادی کر لی تھی، کی وساطت سے دریافت کیا کہ ہمارا کیا ارادہ ہے؟ میں نے بے ارادہ منہ پہ رومال رکھا اور شرما کر کہا۔ ''میں مشرقی لڑکا ہوں، اپنے منہ سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ دوستوں کو از خود کچھ خیال کرنا ہوگا''۔ یہ سن کر سب لوگ ہنس پڑے۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ انہوں نے ہنس کر میری بات کو ٹال دیا یا ہنسی خوشی ذمہ داری قبول کر لی ہے۔

اس کی دادی کی فوتگی کی وجہ سے اپنی پوتی کو چند روز کی چھٹی کے بعد سکول لے کر گیا تو میڈم سے جو بات ہوئی وہ بہت ہمدردانہ تھی اور ہمدردی بلاوجہ نہیں تھی بلکہ وہ میرے متعلقہ سوالات کر رہی تھیں اور مجھے ان کے مطلقہ ہونے کی خبر تھی۔ یوں ظاہر ہے ہم ہر بات کو بڑے جذب وشوق سے سن سنا رہے تھے۔ تاہم حتمی نتائج تک انتظار فرمایئے۔

طبیعت کی ناسازی پر فیملی ڈاکٹر کے پاس گیا۔ انہیں اس فوتگی کی پہلے خبر نہ تھی۔ میں نے بتایا تو سرسری سی ہمدردی کی۔ ڈاکٹر صاحبان شاید موت وحیات سے زیادہ اثر نہیں لیتے۔ ایک شارٹ بریک میں ایک اور مریض کو چیک کرنے کے بعد پھر میری طرف متوجہ ہوئے۔ معنوی سنجیدگی سے پوچھنے لگے۔ ''اور کیا پروگرام ہے؟'' عرض کیا۔ ''جاتا ہوں'' کہنے لگے۔ ''نہیں میں تو دوسری شادی کا پوچھ رہا ہوں''۔ جواباً میں نے پروفیسر صاحب والی بات سنا ڈالی تو کہنے لگے۔ ''اچھا تو پروفیسر صاحب سے دوبارہ ملیں اور ان سے عدت کی مدت پوچھیں''۔ میں نے برجستہ کہا۔ ''ڈاکٹر صاحب اس کا انحصار تو میڈیکل رپورٹ پر ہوتا ہے''۔ یہ سن کر وہ کھل کر ہنسے جسے دیکھ کر وہاں موجود لوگ ششدر رہ گئے کیونکہ اکثر نے انہیں پہلی بار ہنستے دیکھا تھا۔

حیران میں بھی ہوا کہ کیسا جگ ہنسائی کا سامان بن گیا ہوں، کلینک میں بیٹھے لوگوں میں سے ایک نے دبے الفاظ میں کہا۔ ''عدت تو عورتوں کے لئے ہوتی ہے اور مردوں کے لئے تو نہیں''۔ تو ڈاکٹر صاحب نے میری طرف اشارہ کر کے کہا۔ ''کیا آپ اسے مرد سمجھتے ہیں مرد ہوتا تو خود آگے پہلے جاتا، زوجہ کو نہ جانے دیتا''۔ لو یہ کیا منطق ہے؟ بالکل۔ ''من تک''۔ احتیاطاً میں نے یہ آواز کے بغیر کہا تا کہ کوئی سن نہ لے۔ ویسے بھی کلینک میں ڈاکٹر کے سوا کس کی سنی جاتی ہے؟

ایک دن ایک ٹیلی فون کال آئی، بڑی محبت سے پوچھا کہ اُن کے ہاں کب آنا ہے؟ میں نے کہا۔ ''خیریت تو ہے؟'' جواب ملا۔ ''ہاں، آپ آئیں گے تو آپ کی بیوی کی رحلت کا افسوس کرنا ہے''۔ میں تو چپ ہی ہو گیا اور دل میں آیا۔ ''بہت افسوس ہے''۔

ایک جگہ جانا ہوا تو دو چار جملوں کے بعد اگلی گفتگو یوں تھی۔ ''صاحب اگر پتہ بھی ہو کہ کل زندگی کا آخری دن ہوگا تو بھی آج شادی کر لینی چاہئے''۔ بات کرنے والے نے بتایا۔ ''ہم نے اپنی ساس کے چل بسنے کے جلد ہی بعد سسر کا گھر بسا دیا تھا''۔ میں نے سوچا۔ ''کتنے سعادت مند داماد ہیں۔ اللہ سب کو ایسے داماد دے''۔ حالانکہ سیدھا پڑھیں یا الٹا پڑھیں داماد تو داماد ہی رہتا ہے''۔ میں تو انہی خیالوں میں گم تھا کہیں سے آواز آئی۔ ''میاں اس عمر میں رشتے نہیں فرشتے آتے ہیں''۔

ہر دو طرف سے حامی اور مخالف بیانات و دلائل اتنے توازن سے آ رہے تھے کہ حتمی نتیجے کے لئے عمومی سروے کا اہتمام کرنا پڑا۔ گن کر ایک سو ذی شعور لوگوں میں، دوسری شادی کرنے یا نہ کرنے کے سلسلے میں ''ہاں'' یا ''نہ'' کا دوٹوک جواب لینے کے لئے پرچیاں تقسیم کی گئیں۔ ایک باکس میں واپس اکٹھی کی گئی پرچیوں سے پورا سو ''ہاں'' اور پورا سو ''نہ'' کا ڈیٹا ملا۔ تحقیق کرنے پر عقدہ کھلا کہ دانشوروں کا کہنا ہے کہ جو کرنا ہے اپنی ذمہ

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

داری پر کرو ہمیں اس میں کیوں گھسیٹ رہے ہو؟ اس میں دانشمندی والی کون سی بات ہے؟

کہیں اور شادی کی بات چلی تو سوال کیا گیا۔ ''جائداد کتنی ہے؟ کوئی الگ بنگلہ کوٹھی یا مکان ہے؟ بینک بیلنس کتنا ہے؟ آپ کھر ہو یا پیر پگاڑا؟ میرے تسلی بخش جواب نہ دینے پر متنبہ کیا گیا کہ یہ سب نہیں تو خود شرم کرنی چاہئے مزید حقارت سے کہا۔'' پلے نہیں دھیلا تے کرے میلہ میلہ''۔

اداسی کی حالت میں تبدیلی کی نیت سے دھرنے کی غرض سے اپنے ایک دوست کے ہاں فلمی سٹوڈیو چلا گیا۔ اس کے دفتر میں دیگر لوگوں کے علاوہ ایک جواں سال لڑکی بھی تھی جو فلموں میں چھوٹے موٹے رول کرتی، زیادہ کام نہ ہونے کی وجہ سے کسمپرسی کے دن گزار رہی تھی۔ بھلائی کے جذبے سے دوست کے ذریعے شادی کی پیشکش کر دی۔ دوست نے علیحدگی میں محترمہ سے بات کی تو اس نے بڑے تحمل سے دریافت کیا کہ یہ جو بزرگ شادی کا سوچ رہے ہیں انہیں اپنی اور میری عمر اور جذبات کے فرق کو ذہن میں رکھ کر یہ بات کرنی چاہئے تھی۔ حد ہوگئی ہے۔

میں اتنا کھلا سچ برداشت نہ کر سکا۔ جلد ہی وہاں سے کھسک آیا۔ پیشتر اس کے کہ کبھی کو خبر ہو جائے کہ یہ کھسکا ہوا شخص ہے جسے بیوی کی رحلت کے صدمے نے کہیں کا نہیں چھوڑا۔ بہت محبت تھی اسے مرحومہ سے جس کی محرومی نے اسے پوری بلکہ بُری طرح متاثر کیا ہے۔ عمر بھی چھیاسٹھ سال ہے۔ یہ بالکل ہی سٹھیا گیا ہے۔ اسے یہ بھی ہوش نہیں کہ جھولی خالی ہو پھر چھے چھے یا آ آ کہنے سے کوئی دھوکے سے ہاتھ آ بھی جائے تو بندہ قابل اعتبار نہیں رہ جاتا۔ یہاں تک کہ وہ حدیث سنانے والا ہو تو بھی اُسے مستند نہیں سمجھا جاتا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

مارا دیارِ غیر میں

اولاد کی تباہی میں ماں باپ کا قصور بھی واضح نظر آتا تھا۔ گلزار اور اس کی بیوی اخلاقی اور مالی کمزوریوں کے باعث خاندانی شیرازہ بندی اور نگہبانی میں ناکام رہے تھے۔ ان کے پند و نصائح ہمیشہ غیر مؤثر دکھائی دیتے تھے۔

☆ ڈاکٹر مبشر حسن ملک ---------- 0345-6875404

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

گلزار الدین

گلشن مرنجاں مرنج شخصیت کا حامل تھا مگر اس کی بیشتر صفات کو معاشی حالات نے ڈس لیا تھا۔ اس کی اکثر تمناؤں کو گرہن لگ چکا تھا۔

بنیادی طور پر گلزار کا گھرانہ تعلیم سے عاری اور پسماندہ تھا۔ اس کی ناگہانی ولادت نے گھر کو گل و گلزار کر دیا تھا مگر گلزار کے شکوے اپنی جگہ برقرار رہے۔ لڑکپن میں اسے شخصی ہیولے کے علاوہ نام کے رچاؤ میں بھی تشنگی محسوس ہوئی تو اس نے اپنا سراپا رنگین بنالیا۔ اس طرح وہ گلزار الدین گلشن بنا اور شاعروں کا کلام ہجو زدہ کرتا رہا۔ اس نوع کے کارنامے اسے تشفی دیتے تھے۔

گلزار زیادہ غربت پسند نہیں تھا اس لئے اسے روگ بنانے اور انہیں پال لینے پر ملکہ حاصل تھا۔ اس کا بحر حیات سکون پانے لگتا تو وہ تمناؤں کا سنگِ گراں مقاصد کی صورت اس میں لڑھکا دیتا، جو ہر سو طلسم برپا کرتا ہوا غرق ہو جاتا اور گلزار عین منجدھار میں کھڑا نظر آنے لگتا۔ وہ خواہشیں بھی شارک جیسی مہلک رکھتا تھا۔ اس کے کئی فیصلے اس کی لاابالی عادات کی غمازی کرتے تھے۔

اس کا عقدِ ثانی اس پہلو عمدہ مثال سمجھا جاتا تھا۔ یہ تو آفات کے مقابل احسانِ قدرت تھا۔ جو اس کی زوجہ اوّل انتقال کر گئی اور اس کا گھر ابدی آسیب زدگی سے نجات پا گیا۔ لوگ اس کی بات سنتے تھے مگر اس کو اہمیت نہیں دیتے تھے۔

گلزار نے میٹرک کیا تو والدین نے اس کی شادی کر دی۔ اس طرح وہ گلزار کا سنوار چاہتے تھے مگر شادی اس پر الٹا اثر کر گئی اور وہ تعلیم چھوڑ کر بگاڑ میں مبتلا ہو گیا۔

فن کار ہونے کا احساس اسے جوانی میں ہوا تھا۔ انہی دنوں اسے والدین نے گھر سے بے دخل کیا تھا اور اس کے نکھٹو ہونے پر مہر ثبت کر دی تھی۔ اس کی خوش قسمتی رہی جو ایک موسیقار نے اسے اپنے ہاں پناہ دے دی۔

اس کا کام سازوں کی پالش اور استاد کی مالش کرنا تھا۔ یہیں سے اس نے سازوں سے جانکاری حاصل کی اور طبلہ ذوق کے قریب پا کر اس پر نبرد آزمائی شروع کر دی۔ کئی ماہ تک اس کا طبلوں کی جوڑی سے جھگڑا چلتا رہا۔ آخر ایک روز استاد نے طبلہ پوری قوت سے اس کے سر پر دے مارا۔ طبلے کے پرخچے اڑ گئے۔ اس روز استاد نے اسے باقاعدہ شاگردی میں لے لیا اور اپنی بیٹی کا تعارف بھی اس سے کروا دیا۔

چند سازوں میں تربیت مکمل ہونے پر گلزار کو چھوٹا موٹا کام ملنے لگا مگر اس نے اپنی تگ و دو جاری رکھی اور کسی نامور اکیڈمی سے موسیقی میں ڈپلومہ حاصل کر لیا۔

احباب نے گلزار کی ترقی پر کئی توجیحات پیش کیں مگر تمام کی تمام دھری کی دھری رہ گئیں۔ در پردہ راز کوئی نہ جان سکا۔ یہ بھید اس دم کھلا جب گلزار کو مشنری سکول میں نوکری مل گئی اور وہ یک دم میوزک ٹیچر بن گیا۔ اسی ہفتے گلزار کی شادی استاد کی بیٹی سے ہو گئی۔ گلزار شادی شدہ تھا، اس حقیقت کا ادراک سسر کو شادی کے بعد ہوا۔

تقریباً دس سال گلزار سکول میں اور اپنے استاد کی نوکری کرتا رہا، پھر ایک روز بات منظر عام پر آئی کہ گلزار کینیڈا جا رہا ہے اور اسے وہاں کے لینڈنگ پیپر بھی مل چکے ہیں۔ ان دنوں وہ قد کاٹھ میں اتنی طوالت محسوس کرنے لگا کہ اپنے گھر والوں کو بھی خاطر میں نہیں لاتا تھا۔

عاقل کہتے ہیں کہ چار دہائیاں گزارنے پر حضرت انسان کی طبیعت میں ٹھہراؤ جنم لیتا ہے اور ذہنی بالیدگی گر نصیب دشمناں ہو تو شخصیت میں کارفرما نظر آنے لگتی ہے مگر گلزار حتی الوسع عموی بلند نظری سے مبرہ نظر آتا رہا۔

اولاد کے معاملے میں گلزار بڑا خوش قسمت ثابت ہوا تھا۔ دونوں بیویوں نے اسے باری باری بیٹی بیٹے کا جوڑا عطا کیا تھا جس کے باعث اس کی حیات گراں آرز

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

میں چار چاند لگ گئے تھے۔ پہلی بیوی اس کی جنت مکانی ہو چکی تھی اور زندگی کے ان مراحل میں وہ بیوی اور چار بچوں کے ساتھ تارک وطن ہو رہا تھا۔

استاد کے ایک دوست نے نئے دیس میں گلزار کا خیر مقدم کیا اور اسے اپنے گھر لے گیا۔ بعد میں میزبان نے ان لوگوں کو معاشرے کے انجانے پہلوؤں سے رُوشناس کرایا۔ کئی باتیں کیں جو گلزار اور اس کے اہل خانہ کے لئے حیران کن تھیں۔ چند انہیں سمجھ ہی نہ آئیں اور کچھ پسند نہ آئیں۔

گلزار اور اس کے گھر والے نئے وطن کا جائزہ لینے نکلے تو حیرت کے مارے ان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ معیشت کی چکاچوند زیادہ تھی یا معاشرے کی وہ فیصلہ نہ کر سکے۔ کہیں سونا تھا تو کہیں سنہرا رنگ۔ ایک نئی دنیا ان کے ہاتھ لگ گئی تھی، جس میں ہر پہلو قرینہ نظر آتا تھا۔ عوام الناس کے طور اطوار بھی پُرکشش دِکھتے تھے۔ اس رونق میں مہمان داری بڑی جلدی گزر گئی۔ وقت آگے بڑھا تو گلزار اور اہل خانہ کو احساس ہوا کہ لب و جام کے بیچ فاصلہ بہت ہوتا ہے اور چمکنے والی ہر چیز سونا نہیں ہو سکتی۔

کینیڈا میں گلزار کا دورِ حیات پُر تلاطم انداز میں شروع ہوا۔ وہ اس کا کسی قدر اندازہ رکھتا تھا۔ اس لئے اپنے وطن سے جمع پونجی ساتھ لے آیا تھا۔ آبائی گھر کے عوض حاصل ہونے والی رقم اس کے بہت کام آئی۔ اس کے پاس اس قدر سرمایہ موجود تھا کہ اس نے ایک چھوٹا سا فلیٹ خرید لیا اور کسی حد تک ضروریات زندگی بھی حاصل کر لیں۔ بچوں کو سکول میں داخل کرا دیا۔ چند روز تک اس کا کچن بھی چلتا رہا مگر موجود سرمایہ قارون کا خزانہ نہیں تھا۔ اس لئے مزدوری تلاش کرنا لازم ہو چکا تھا۔

گلزار کو انگریزی نہیں آتی تھی اور گلابی انگریزی سفید فام کم ہی سمجھتے تھے۔ ٹیڑھے منہ کے ساتھ اردو لفظ بگاڑ کر بول دینا انگریزی نہیں کہلا سکتا تھا لہٰذا گلزار کو ہاتھوں کے اشاروں سے کام لینا پڑا۔ اشاروں کی یہ زبان طبلے کی سنگت میں ہوتی تو کچھ بامعنی دکھ سکتی تھی مگر گلزار کا انداز مطلب براری سے قاصر رہتا تھا۔ کبھی پیچیدگیاں بھی جنم لینے لگتیں تھیں۔ اس پر طرہ یہ کہ سفید فاموں کو اس کا چہرہ بھی راس نہ آیا۔ معاشرے نے گلزار کو اور بھی روگ لگائے۔ مختلف قسم کی سہولیات کا استعمال اس کے لئے مصیبت بنتا گیا۔ اس کی کم فہمی نے اس کے اعتماد کو مزید شکستہ کر دیا۔

اسے پبلک ٹائلٹ سے باہر نکالنے کے لئے دو بار ایمرجنسی سروس کا سہارا لینا پڑا۔ اسی دوران اس کی دوستی یاور سے ہو گئی جس نے اسے معاشرے کے اہم اسرار و رموز سمجھا دیئے۔ وہ دو سال سے اپنی گاڑی میں گزر اوقات کر رہا تھا۔ صبح کسی پبلک ٹائلٹ کے قریب نظر آتا تھا۔ اس نے گلزار کو اسی فرم میں نوکری دلوا دی جہاں وہ خود کام کرتا تھا۔ اس ملازمت میں مشقت زیادہ مگر عوضانہ خاصا کم تھا۔

گلزار کی ملازمت تعمیراتی فرم میں تھی۔ یہ فرم مختلف قسم کے عمارتی لوازمات بنایا کرتی تھی۔ گلزار لوڈنگ کے شعبے میں کام کرتا تھا۔ اس کا شغل سامان ٹرکوں پر لوڈ کرنا تھا۔ گو کہ کام بھاری مشینوں کے ذریعے ہوتا تھا، پھر بھی مشقت کے پہلو نکل آتے تھے۔ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ اس کا وجود گراں بوجھ تلے چٹخنے لگا۔ لیبر اس کے لئے اذیت بن گئی اور اس کی بساط سے بڑھنے لگی۔ انہی دنوں وہ بڑا سا دروازہ اٹھاتے ہوئے بے ہوش ہو کر گر پڑا اور اس کی ناک برفیلی زمین میں دھنس گئی۔ اس کے لئے ایمبولینس منگوائی گئی۔

ہسپتال پہنچ کر معلوم ہوا کہ وہ ذیابیطس کا شکار ہو چکا تھا اور اس کا شوگر لیول ساڑھے چار سو کی حدیں چھو رہا تھا۔ بے ہوشی کی وجہ اس کی گراں مشقت اور بھاری ناشتہ

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

تھا، جو وہ پراٹھے اور حلوے کی صورت ٹھونس لیا کرتا تھا۔
گلزار عمومی کھانوں میں بھی مٹھائیوں کا بڑا شوقین تھا حالانکہ اسے یاد تھا کہ حشرات الارض اس کی ٹانگوں کو مرغوب پانے لگے تھے۔

بیماری کے دوٹوک انکشاف نے گلزار کو پریشان کر دیا۔ پرہیزی کھانے اسے زہر لگتے تھے۔ مٹھائیوں سے ہاتھ روک لینا اس کے لئے کفرانِ نعمت تھا اور وہ اسے زندگی کی سب سے بڑی محرومی سمجھتا تھا۔

بیماری کے صدمے نے گلزار کو پریشان کیا مگر جلد ہی خوش بھی کر دیا۔ اسے مرض کا فائدہ ہو سکتا تھا۔ اب اسے خطیر ماہانہ گزارہ فنڈ مل سکتا تھا جسے وہ اپنا حق جاننے لگا تھا۔ اس کے بچوں کو تعلیمی اخراجات پہلے ہی مل رہے تھے۔ لہٰذا بغیر کسی مشقت کے اسے اچھی خاصی آمدنی نظر آنے لگی تھی جس کے باعث تمام کنبے کا جیون آسان ہو سکتا تھا۔

گزارہ فنڈ منظور ہو جانے کے بعد گلزار بے حد تن آسان ہو گیا تھا۔ مذکورہ افراد کو اس عادت سے بچانے کے لئے حکومت نے بھی اقدامات کر رکھے تھے۔ وہ تمام لوگ جو یہ رقم حاصل کرتے تھے، مہینے میں ایک بار گروہ کی شکل میں سوشل ورک کیا کرتے تھے۔ اس روز وہ نالیوں، گلیوں اور سبزہ زاروں کی صفائی کرتے تھے جو گلزار کو معیوب لگتا تھا مگر مجبوراً وہ یہ کام کر لیا کرتا تھا، کبھی بیماری کے باعث اسے سہولت بھی مل جاتی تھی۔ وہ اس کی خوشی کا دن ہوتا تھا۔ اسے وہ بچے بے حد برے لگتے تھے جو اس کے گروہ کو فنڈ ایٹرز کہہ کر چھیڑا کرتے تھے مگر گلزار اب بے غیرتی کا عادی ہو چلا تھا کیونکہ پبلک غسل خانوں میں اس طبقے کے خلاف معیوب تحریریں اس کی نظر سے گزرتی رہتی تھیں۔ مقامی لوگ اس معاشرتی جز کو جونکوں سے بھی تعبیر کیا کرتے تھے۔

ایک روز گلزار کی لاٹری نکل آئی۔ ان دنوں ٹورانٹو میں برف پگھل رہی تھی، گرما کا آغاز تھا، موسم سہانا تھا۔
گلزار اپنا طبلہ اٹھا کر قریبی پارک میں چلا گیا اور سبزہ زار کے کونے میں بیٹھ کر جی بہلانے لگا، پھر اس کا دھیان طبلے کی تھاپ میں الجھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے نظریں اٹھائیں تو گرد سفید فام افراد کو جمع دیکھا۔ تمام لوگ اس کی حرکات کو دلچسپی سے دیکھ رہے تھے۔ گلزار کا جوش کچھ اور بڑھ گیا۔ اس نے موسیقی کے انداز کو کچھ مزید سنوار دیا۔ بچے محظوظ ہو کر تالیاں بجانے لگے۔ اس نے دھن ختم کی تو تحسین کی صدائیں بلند ہوئیں۔ ہر طرف سے اس پر سکوں کی بوچھاڑ ہو گئی ایک خاتون نے اس سے ٹوپی مانگی اور قریبی بینچ پر الٹا کر رکھ دی۔ مختلف افراد نے ٹوپی میں حسب توفیق پیسے ڈال دیئے۔

وہ شام گلزار کی یادوں میں بہار کی طرح سما گئی۔ اہم یہ تھا کہ ایک دوشیزہ طبلے کی موسیقی پر جھوم جھوم جاتی تھی۔ اس نے یہ لڑکی پہلے بھی دیکھی تھی اور اس کی خوش لباسی کے اختصار پر فدا ہوا تھا مگر اس گھری شام وہ اس کے من میں آن بستی تھی۔ گلزار اتنا جانتا تھا کہ وہ لڑکی سکاٹش ہے اور اس کے پڑوس میں باورچن کے طور پر کام کرتی ہے۔ اس کی حسرت تھی کہ تند ہوا کا جھونکا اس ستم ادا کا بدن چھو لے اور پھر اپنی روانی میں اس کے وجود پر آ کر بکھر جائے۔

گلزار کی اپنی بیوی بھی باورچن تھی، خوبرو تھی، بڑی بات یہ کہ اس سے کئی برس چھوٹی تھی۔ میٹھا بولتی تھی، اس طبلچی کی بیٹی تھی جو بازارِ حسن میں شہرت رکھتا تھا۔ شوخی موصوفہ نے ہمجولیوں سے سیکھی تھی جبکہ لباس کا سلیقہ اسے پردیس نے سکھا دیا تھا۔ اس کی ادائیں ملنے والوں پر تیر برسایا کرتی تھیں جبکہ گلزار کو گھر کی مرغی دال برابر دکھائی دیتی تھی۔ احباب نے خاتون کو پنکھ کا نام دے رکھا تھا۔
پنکھ کو بڑے گھرانے کھانا پکوانے کے لئے بلا لیا کرتے تھے۔ بعد ازاں یہ کھانے ڈیپ فریزر میں سٹور کر

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

دیئے جاتے تھے۔ پنکھ کے ہاتھ میں ذائقہ تو تھا ہی، اس کی پکوائی کا انداز بھی لوگوں کو بھاتا تھا۔ کئی گھرانے صرف اسی سے کھانا پکوانا چاہتے تھے۔ ویک اینڈ پر وہ زیادہ مصروف رہا کرتی تھی۔ چونکہ اسے ملنے والا معاوضہ تحریری ریکارڈ میں نہیں آتا تھا اس لئے وہ شاہ خرچیاں بھی اکثر کرلیا کرتی تھی۔ گلزار کو بھی اس کی آمدنی کا حساب معلوم نہیں ہوتا تھا۔

گزرتے وقت کے ساتھ گلزار کی گرفت اپنے خاندان پر کمزور پڑنے لگی تھی، خصوصاً جبکہ وہ کنبے کی کفالت اپنی کمائی سے نہیں کر پا رہا تھا اور اس کے بچے وظائف کے علاوہ پارٹ ٹائم نوکریاں بھی کرنے لگے تھے۔ کسی حد تک گلزار اور اس کے خاندان کا زوال شروع ہو چکا تھا۔ اب کنبہ اکائیوں کا مجموعہ دکھنے لگا تھا۔ خونی رشتوں کی جگہ کاروباری تعلقات فروغ پارہے تھے۔ بس پر سفر کرنا ہوتا تو ہر شخص اپنا ٹکٹ خود خریدتا تھا۔

ڈک گلزار کا پڑوسی تھا۔ اس کے ماضی کی وابستگی چیکوسلاواکیہ سے تھی۔ موسیقار تھا۔ شام کے وقت کسی ہوٹل میں کلارنٹ بجایا کرتا تھا۔ اسی ناطے گلزار سے اس کی رسم وراہ تھی۔ گلزار کی چھوٹی آٹھ سالہ بیٹی، لبنیٰ خصوصاً ڈک کی دلدادہ تھی۔ اس سے کلارنٹ سیکھا کرتی تھی۔ ڈک کی اپنی بیٹی بھی لبنیٰ کی ہم سفر تھی۔

ایک سہ پہر لبنیٰ اچانک غائب ہوگئی۔ تلاش بسیار کے بعد بھی نہ مل سکی۔ پنکھ اور گلزار پر قیامت صغریٰ ٹوٹ پڑی۔ بچی کے کھوج میں کنبہ چین کو ترس گیا۔ گزرتا وقت بساط سے بھاری دکھنے لگا۔ بالآخر مقامی پولیس کو اطلاع کی گئی۔ ڈک گلزار کے بہت کام آیا اسے حوصلہ دیتا رہتا۔ ضروریات اور کھانے بھی اپنے گھر سے بھجواتا رہا۔ غمزدہ کنبے کے ساتھ کئی جگہ گھوما پھرا۔ لبنیٰ مگر نہ ڈھونڈی جا سکی، نہ ہی اس کی گمشدگی کے تانے بانے مل پائے۔ گلزار اور اہل خانہ آخرکار مایوس ہوگئے۔

اس سانحے نے گلزار کے خاندان پر منفی اور برا اثر ڈالا۔ اہل خانہ ناکام تو تھے، سہم بھی گئے۔ تمام مشکلیں انہیں یکجا دکھائی دینے لگیں۔ کڑی اذیت میں مبتلا نظر آتے تھے۔ کٹھن حالات سے نبرد آزما ہونے کا حوصلہ بھی ہار چکے تھے۔

چند روز بعد پولیس کی طرف سے انہیں پیغام موصول ہوا کہ ان کی گمشدہ لڑکی کو قتل کر دیا گیا ہے۔ انکشاف ہوا کہ لبنیٰ کا قاتل پکڑا گیا ہے۔ مجرم نے قتل کا اعتراف بھی کرلیا ہے۔ بچی کی لاش برفانی ٹیلوں سے مل چکی ہے۔ جنسی تشدد کی تصدیق کرنے کے لئے لاش کا پوسٹ مارٹم کیا جارہا ہے۔ آپ مردہ بچی کی شناخت میں اپنا کردار ادا کریں۔

گلزار اہل خانہ کے ہمراہ حوالات پہنچا تو وہاں اس کا پڑوسی ڈک نظر بند تھا۔ وہ غمزدہ خاندان کو دیکھ کر اول فول بکنے لگا۔ اس دم وہ انسانی جذبات سے عاری دکھتا تھا۔ انصاف اس کے خلاف حرکت میں آچکا تھا۔ چند یوم بعد اس کا فلیٹ بھی خالی ہوگیا۔ اس کی بیوی واپس چیکوسلواکیہ چلی گئی۔

ڈک کا فلیٹ طویل عرصہ غیر آباد نہ رہا۔ کرائے پر وہاں ہنری آگیا۔ خوش بختی سے اس کا رجحان مذہبی تھا۔ وہ بھی موسیقی سے تعلق رکھتا تھا، اس لئے گلزار کی اس سے بھی گاڑھی چھننے لگی۔ ہنری کسی سکول سے ریٹائر ہوا تھا۔ وہ ہیڈ ماسٹر تھا اور اپنے فلیٹ میں کبھی موسیقی کے آلات بجانے لگتا تھا۔ پڑوسی ناراض ہوتے تو مشغلہ ترک کر کے صبر کرلیتا۔ بعض اوقات گلزار بھی طبلہ لے کر اس کے ہاں پہنچ جاتا تھا۔

گلزار ہنری کے پاس شوق سے جایا کرتا تھا کیونکہ اس کی دلدادہ باورچن جوزفین اب ہنری کے گھر کام کرنے لگی تھی۔ وہ طبلے پر گلزار کی انگلیاں دلچسپی سے دیکھا کرتی تھی اور اس کے سر دھننے پر محظوظ ہوا کرتی تھی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

کبھی خود بھی طبلے پر بیٹھ جاتی۔ چونکہ وہ ہاتھ کم چلاتی اور سر زیادہ دھننے لگتی اس لئے گردن درد کا شکار ہو جایا کرتی تھی۔ اس کی گردن نازک اور صراحی دار تھی۔

ہنری کا بیٹا رابرٹ مقابل والے فلیٹ میں رہتا تھا۔ وہ باپ کو خاطر میں نہیں لاتا تھا۔ ہنری اپنے گھر کی کھڑکیاں کھلی رکھتا تھا، اس طرح وہ بیٹے کو دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی کرلیا کرتا تھا۔ بیٹے کو باپ کی ادا پسند نہ آئی لہٰذا وہ فلیٹ چھوڑ کر کسی دوسری جگہ جا بسا۔ بے بس ہنری آنسو بہاتا رہ گیا۔ چند روز بعد ہنری بھی وہاں سے چلا گیا۔ معلوم ہوا کہ اس کی اسی سالہ ماں نے فلیٹ کا کرایہ بڑھا دیا تھا جس کی ادائیگی ہنری کے محدود وسائل میں ممکن نہیں رہی تھی۔ ہنری کی ماں نے عمارت میں چار فلیٹ خرید رکھے تھے جو ترکے میں ہنری کو مل سکتے تھے۔

گلزار ایک روز شاہراہ کے کنارے صفائی مہم میں شریک تھا کہ ایک خوبصورت سرخ کنورٹیبل کار فراٹے بھرتی ہوئی اس کے قریب سے گزر گئی، جسے ایک سفید فام نوجوان بڑے جوش میں چلا رہا تھا۔ گلزار کو شک ہوا کہ مذکورہ شخص کے پہلو میں اس کی اپنی صاحبزادی بیٹھی ہوئی تھی جو بظاہر کالج گئی تھی۔ دونوں کے ہونٹوں میں سگریٹ تھے اور ان کے باہمی رویے خوشگوار تھے۔ معاملہ دیکھ کر گلزار کے لئے مشقت کرنا مشکل ہو گیا۔ وہ کم طاقتی کا شکار ہوا اور قریبی پتھر پر بیٹھ گیا۔ اس کے اندر جنگی ٹوٹ پھوٹ شروع ہو چکی تھی۔

شام جب صالحہ گھر پہنچی تو والدین نے اس سے بازپرس کی۔ وہ پہلے تو ٹامک ٹوئیاں مارتی رہی، پھر باغی ہو کر والد کے مقابل کھڑی ہو گئی۔ اس نے واشگاف لفظوں میں اعتراف کرلیا کہ وہ جوزف کی گرل فرینڈ بن چکی ہے اور مجوزہ واپسی کا راستہ بند کر چکی ہے۔ گلزار نے اسے سمجھانے کی کوشش کی، دلائل دیئے مگر صالحہ نہ مانی۔ آخر میں اس نے اپنی عزت کے واسطے دیئے مگر لڑکی ٹس سے مس نہ ہوئی۔ گلزار نے زوردار تھپڑ اس کے چہرے پر جڑ دیا جس کی آواز فلیٹ کے ہنگامے میں گونج اٹھی۔ اب وہ خود بھی رو رہا تھا۔ صالحہ نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، فوراً پولیس طلب کرلی۔ لمحوں میں فراٹے بھرتی تین گاڑیاں عمارت کے سامنے آ رکیں۔ ان گاڑیوں میں ایمبولینس بھی شامل تھی۔ گلزار اور اس کی بیوی کو گرفتار کرلیا گیا جبکہ صالحہ کو حفاظتی پناہ میں لے لیا گیا۔ بیٹی کے سامنے اس کے ماں باپ کو حوالات میں بند کر دیا گیا۔ اگلے روز والدین نے حالات کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اور اپنی انیس سالہ بیٹی سے لاتعلقی کا اعلان کر دیا۔ صالحہ اپنا مختصر سامان لے کر جوزف کے گھر منتقل ہو گئی اور دونوں باہر اکٹھا رہنے لگے۔

اس المیے کے بعد گلزار بری طرح مایوس ہوا، وہ بجھ گیا۔ زیادہ سوچتا تو اس کے سینے میں درد جنم لینے لگتا۔

ایک روز ہمت کر کے وہ صاحبزادی کے ہاں چلا گیا۔ اس دم وہ پدرانہ شفقت سے مغلوب لگتا تھا۔ وہ صالحہ اور اس کے فرینڈ سے ملا۔ اس نے جوزف سے درخواست کی کہ وہ مسلمان ہو جائے تو نہ آگے بڑھ سکتا ہے مگر اس کی تدبیر کارگر ثابت نہ ہو سکی۔ جوزف نے اسے سمجھایا کہ وہ تمام الہامی کتابوں کو قصوں کا مجموعہ تصور کرتا ہے۔ ایسی صورت میں اگر وہ اسلام قبول کر لیتا ہے تو بھی بدترقسم کا بی لیور ثابت ہو گا بلکہ ملحد ہی رہے گا یا پھر منافق۔ مزید براں وہ اپنے صالحہ سے تعلق میں خاندانوں کا دخل بھی نہیں چاہتا تھا لہٰذا اس نے درخواست کی اسے مجبور نہ کیا جائے۔ البتہ اس نے وعدہ کیا کہ اولاد ہو جانے کی صورت میں وہ صالحہ کو بیوی کا درجہ دے دے گا۔ گلزار اپنا سا منہ لے کر گھر لوٹ آیا۔

خاندان کے مسائل کی انتہا نہ آئی۔ انتشار کا سلسلہ مزید گہرا ہو رہا تھا۔ گلزار کا چھوٹا بیٹا شارق بھی باغی ہو گیا۔ یہ بیٹا پنکھ کی اکیلی اولاد تھی جو زندہ بچی تھی۔ اس کی

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

بہن پہلے ہی قتل ہو چکی تھی۔ معاملات کے اس بگاڑ پر خاندان کا شیرازہ بکھر گیا۔ پنکھ نے اپنے لختِ جگر کو سنبھالنے کی پوری کوشش کی مگر ناکام ہوگئی۔

اولاد کی تباہی میں ماں باپ کا قصور بھی واضح نظر آتا تھا۔ گلزار اور اس کی بیوی اخلاقی اور مالی کمزوریوں کے باعث خاندانی شیرازہ بندی اور نگہبانی میں ناکام رہے تھے۔ ان کے پند و نصائح ہمیشہ غیر مؤثر دکھائی دیتے تھے۔ گلزار کئی بار شراب کے نشے میں دھت گھر آتا تھا اور اپنی حسرتوں کو گالیوں میں تبدیل کرنے لگتا تھا۔ علاوہ ازیں وہ باورچن جوزفین کے زمرے میں بھی سبکی برداشت کرتا رہتا تھا جو اس کے ماہانہ گزارہ فنڈ میں سے حصہ وصول کرتی تھی۔

پنکھ کے لئے بھی گھر میں ہر طرح کے فون آتے تھے۔ وہ ان گھروں میں بھی کھانے پکانے چلی جاتی تھی، جہاں اہل خانہ خواتین غیر حاضر رہا کرتی تھیں اور پکوائی کا عمل وقت کے لحاظ سے غیر ضروری طوالت اختیار کر جایا کرتا تھا۔ پنکھ کے بچے بطور باورچن اس کی مختصر لباسی پر بھی معترض ہوا کرتے تھے لیکن پنکھ اپنی دنیا میں کسی دوسرے کی مداخلت پسند نہیں کرتی تھی۔

اُدھر گلزار محسوس کرتا تھا کہ جوزفین اس کے جذبات کا احترام کرتی تھی۔ احمقوں کی جنت میں محبوبہ کی مہر التفات اس پر شبنم بن کر برسا کرتی تھی۔ وہ اس کی قربت میں اضافے کا متمنی تھا۔ اس زمرے میں کوئی فیصلہ بھی چاہتا تھا۔ آخر ایک روز اس نے اسے ڈنر کی دعوت دے ڈالی۔ جوزفین نے لیٹ نائٹ سپر کے لئے ٹورانٹو کے مہنگے ریسٹورانٹ کا انتخاب کیا۔ گلزار اسے بڑی کامیابی سمجھا، اس کا من جذبوں کی خوشبو سے مہکنے لگ۔

ان دنوں اس کے پاس موقع بھی موجود تھا۔ قدرت اسے مہربان دکھی۔ پنکھ نے اسے بتایا تھا کہ سیٹھ بمبئی والا گھر میں ضیافت کر رہا تھا، لہٰذا اسے ویک اینڈ پر رات بھر مصروف رہنا تھا۔ اس طرح اسے اچھی خاصی آمدنی کی توقع بھی تھی۔

سر سٹھ سالہ سیٹھ پنکھ کی پکوائی کا دیوانہ تھا۔ وہ بمبئی کی خوراکوں سے لاہوری کھانے بہتر سمجھتا تھا۔ ویسے بھی وہ ہر لحاظ سے الٹی گنگا بہانے کا شوقین تھا۔ وہ اپنی بیوی کو پندرہ سال پہلے طلاق دے چکا تھا۔ اب کبھی کبھار بیٹی اس کے ساتھ رہا کرتی تھی۔ وہ شہر کے مالدار لوگوں میں شمار ہوتا تھا۔ شراب کا رسیا تھا۔ یہی نہیں، شبانہ ضیافتوں کا بھی شوقین تھا۔ اچھا کھاتا پیتا اور شاہانہ انداز میں رہتا تھا۔ تتلیاں پکڑنے کے لئے اس نے اپنی وسیع کوٹھی میں بڑا سا باغ سجا رکھا تھا۔ اسی لئے خوش رنگ پھولوں کی طرف راغب رہتا تھا۔

ڈیٹ کا روز تھا۔ گلزار کے پاؤں دھرتی پر ٹکنا بھول چکے تھے۔ وہ صبح ہی پُر جوش نظر آتا تھا۔ ہر دم دعا کرتا رہا کہ جوزفین کہیں بھول نہ جائے یا پھر انکار نہ کر دے۔ مگر جوزفین بھی شادمانی کے پہلو تلاش کیا کرتی تھی، عین وقت پر بھرپور تیاری میں نظر آئی۔ ہوا میں رچی بسی خوشبوؤں نے گلزار کے جذبوں میں وصل کا روپ آشکار کر دیا۔ دونوں ہاتھ میں ہاتھ ڈالے، پہلے جھیل کے کنارے چہل قدمی کرتے رہے، پھر مدھم روشنیوں سے مرصع ریسٹورانٹ میں داخل ہوگئے۔ اس دم عمارت کے طول و عرض میں رومان پروری، حدیں چھو رہی تھی۔ جوزفین اور گلزار نے اپنے لئے نیم تاریک کونہ منتخب کر لیا۔ گلزار نے ابھی نشست سنبھالی تھی کہ اس کے پاؤں تلے سے زمین کھسک گئی۔ اسے اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہوا۔ اس کی قریبی سیٹ پر پنکھ بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے ہمرکاب سیٹھ بمبئی تھا۔ دونوں رویوں میں قابل اعتراض دِکھتے تھے۔ ان کے بیچ دوستانہ تعلق حدیں چھو رہا تھا۔

گلزار کے لئے ریسٹورانٹ میں بیٹھنا کٹھن ہو گیا

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

جبکہ پنکھ بھی اپنے شوہر کو دیکھ چکی تھی۔

اگلے روز پنکھ اور گلزار کے بیچ شدید لڑائی ہوئی۔ دونوں نے اک دوسرے کا کچا چٹھا کھول دیا۔ کئی افسانوں کو بھی سچ بنا ڈالا۔ گھر پر اپنے احسانوں کا بھی تذکرہ کیا، جس کے باعث تلخی بڑھتی گئی اور حالات قابو سے باہر ہوتے گئے۔

بچوں نے والدین کو مشورہ دیا کہ وہ دونوں ماضی کی غلطیاں فراموش کر دیں اور آئندہ بہتر زندگی کا آغاز کر لیں جس کے باعث دونوں کا ایک دوسرے پر اعتبار قائم رہے گا اور گھر بھی مزید انتشار سے بچ جائے گا۔ ساتھ ہی بچوں نے اپنے رویوں میں بھی بہتری کا عہد کیا۔

بدقسمتی سے گلزار اور پنکھ دونوں اپنی ضد اور ہٹ دھرمی پر قائم رہے، جس کے نتیجے میں ایک تلخ لمحہ ابھر آیا اور دونوں کے بیچ طلاق ہوگئی۔ اڑتیس سالہ پنکھ رشتوں سے آزاد ہوگئی اور بھری دنیا میں تنہا رہ گئی۔ وہ گلزار سے یوں ناطہ ٹوٹنے کی توقع نہیں کر رہی تھی۔

یہ طلاق گلزار کے اچانک جذباتی ہونے کی وجہ سے ہوئی کیونکہ پنکھ گو بڑی خودسر تھی مگر اس قدر مضبوط نہیں تھی کہ پردیسی ملک میں بغیر سہاروں کے زندگی گزار سکے۔ طلاق کے بعد اس کے ہوش ٹھکانے آ گئے۔ اسے فلک سر پر گرتا ہوا محسوس ہوا۔ پچھتاوے اس کے دل میں کلبلانے لگے۔ اس کے رونے اور چلانے کا ردِعمل طویل ہوتا گیا۔ کچھ سجھائی نہ دیا تو اس نے سیٹھ بمبئی والے سے بات کی۔

ستاون سالہ گلزار بھی طلاق کے بعد صدمے کا شکار ہوا۔ گھر میں تنہائی کا روگ اس پر پہاڑ بن کر ٹوٹ پڑا جبکہ پنکھ سیٹھ کے گھر چلی گئی۔ گلزار کا گھریلو نظام تقریباً معدوم ہوگیا، جذباتی اور نفسیاتی جھٹکے بھی اس پر گراں گزرے۔

شارق بُری صحبت کا شکار ہو چکا تھا۔ سکول سے اس کی شکایات عرصہ سے آ رہی تھیں۔ اس کے بیڈ روم سے شراب کی بوتلیں بھی برآمد ہونے لگی تھیں۔ کہیں سے اسے سگریٹ بھی مل جاتے تھے۔ ایک شب وہ نشے میں دھت پکڑا گیا۔ اگلی صبح باپ بیٹے کے درمیان شدید جھڑپ ہوئی۔ بعدازاں شارق وہاں سے چلا گیا، پھر اس نے گھر آنا بند کر دیا، کہاں گیا، کوئی بھید نہ پا سکا۔

واقعے کے دس ماہ بعد پولیس نے گلزار کو تھانے طلب کیا۔ اسے بتایا گیا کہ اس کا نابالغ سپوت ڈکیتی کے جرم میں گرفتار ہو چکا تھا اور نوعمروں کی جیل میں پابندِ سلاسل تھا۔ سارا گروہ ہی پکڑا جا چکا تھا۔ اس کے اراکین سے خنجر بھی برآمد ہوئے تھے۔ شارق کی عمر اس وقت پندرہ برس تھی۔

ادھر اطلاع ملی کہ پنکھ شیزوفرینیا کا شکار ہوگئی ہے۔ اس کی حالت اچھی نہیں، سیٹھ اس کا علاج کروا رہا ہے مگر ڈاکٹر زیادہ امید نہیں دلاتے۔ لگتا تھا کہ اس کی زندگی کا بیشتر حصہ دماغی امراض کے ہسپتالوں میں گزر جائے گا۔ دورہ پڑنے پر وہ ماضی کے دن اور اپنا پرانا کنبہ مانگتی تھی۔

گلزار کا بڑا بیٹا، ناظم اس کی پہلی بیوی سے تھا۔ اس میں محنت اور ذمہ داری کے عناصر نظر آتے تھے۔ گھرانے کی تباہی پر اس کا دل دکھتا تھا۔ وہ اپنے خاندانی مسائل اچھی طرح سمجھتا تھا۔ اس نے حالات میں سدھار پیدا کرنے کی کوشش کی تھی مگر اس کی فریاد نقار خانے میں طوطی کی آواز ثابت ہوئی تھی۔

ناظم والد کے سلسلے میں نرم گوشہ رکھتا تھا۔ اس نے اپنی ہوش میں مشرقی روایات دیکھی تھیں اور کسی حد تک ان کا پرچار بھی کرتا رہا تھا۔ اب وہ اپنے والد کا سہارا بننا چاہتا تھا۔

ستائیس سالہ ناظم اعلیٰ تعلیم یافتہ تھا۔ حال ہی میں اس نے ایم ایس سی مکمل کی تھی۔ زیادہ عرصہ اس نے ہوسٹل میں گزارا تھا۔ اس کی تعلیم کینیڈا کے شہر لنڈن میں

WWW.PAKSOCIETY.COM

مکمل ہوئی تھی۔ وہ حکومت سے بھاری وظیفہ حاصل کیا کرتا تھا۔ اس کے علاوہ پارٹ ٹائم جاب بھی کرتا رہا تھا۔ اس کا یوں ترقی پا جانا گلزار کے لئے خوشگوار حیرت کا باعث تھا۔ اس کی نوکری پر وہ خوشی سے پھولا نہ سماتا تھا۔

گلزار اور اس کا بیٹا یکجا رہنے لگے۔ ناظم دن بھر گھر سے باہر رہتا تھا جبکہ اس دوران گلزار کے لئے فارغ اوقات ہوتے تھے بیٹا کماتا تو باپ گھرداری کرتا رہتا۔ اس بیچ باورچی سے کھانا بھی بنوا لیتا، کبھی خود ہی کچن سنبھال لیتا۔ باپ بیٹے میں خیرسگالی قائم رہی۔ دونوں اکثر رات گئے تک باتیں کرتے۔ مستقبل کے منصوبے بناتے تو کبھی ماضی کو کھنگالتے رہتے۔ اسی طرح ان کے ماہ و سال گزرنے لگے۔

بہو لانے کا خواب گلزار کے من میں کلبلاتا رہتا تھا۔ ناظم ازدواجی بکھیڑوں سے پہلے خوب کمانا چاہتا تھا۔ اس نے باپ کا خریدا ہوا فلیٹ فروخت کر دیا پھر بڑا سا گھر خرید لیا۔ یہ نیا مکان ناظم کے نام تھا۔ کچھ ہی عرصہ میں مکان فرنیچر سے سجنے لگا اور اس کی آرائش اوج کمال کو چھونے لگی۔ جلد ہی ایک گاڑی بھی اس کے گیراج میں پہنچ گئی۔ گلزار کے سہانے خواب اس یوم پورے ہوئے جب وہ گہرے رشتوں سے تہی دامن ہو چکا تھا۔ بہو گھر آئی تو وہ پھوٹ پھوٹ کر روتا رہا۔ اس وقت اسے پنکھ بڑی شدت سے یاد آئی تھی۔ شادی کے موقع پر اپنی بیوی کے فرائض بھی وہی انجام دیتا رہا تھا۔

بیٹے کا گھر بس جانے کے بعد گلزار اپنی زندگی میں محرومیاں محسوس کرنے لگا۔ اسے لگتا جیسے اس کی کائنات میں سے بہت کچھ چھن گیا ہے اور ہونے والا انسانی اضافہ اس پر جذباتی بوجھ بن گیا ہے۔ وہ تنہائی کا شکار رہنے لگا، جس کا سدباب اس کے ادراک سے بعید تھا۔ بیٹا اپنی مصروف زندگی کے باعث باپ کو وقت نہیں دے پاتا تھا۔ نوبیاہتا میاں بیوی اپنی شامیں گھر سے باہر گزارتے تھے۔ کہیں رات گئے واپس آتے تو براہ راست اپنے کمرے میں چلے جاتے تھے۔ گلزار کی آدھی رات انتظار میں اور باقی خلشوں میں کٹ جاتی تھی۔ وہ خود کو فقط مکان کا چوکیدار سمجھنے لگا تھا۔ اس کی کوئی بھی تمنا احترام نہیں حاصل کر پاتی تھی بلکہ وہ کسی بھی منصوبے کا حصہ نہیں دکھائی دیتا تھا۔ یہ کیفیت اس پر گراں گزرتی تھی۔ ایسے میں اسے پنکھ کی ناگہانی موت کا علم ہوا تو وہ بے تحاشہ رویا۔ اس دم اسے اندازہ ہوا کہ وہ اپنی سابقہ بیوی کو کس قدر چاہتا تھا۔

رفتہ رفتہ گلزار نے اپنے خلاف رویوں پر احتجاج شروع کر دیا۔ وہ بہو کے اطوارِ حیات کو پسند نہیں کرتا تھا بلکہ اس میں بگاڑ کا اظہار برملا کرنے لگا تھا۔ اسی کشمکش میں پانچ برس بیت گئے۔ اس دوران وہ بیٹی اور بیٹے کا دادا بن چکا تھا۔

بہو کی تمنا تھی کہ سسر کو نرسنگ ہوم بھیج دیا جائے کیونکہ اسی طرح وہ سسر کی روزمرہ تنقید سے محفوظ رہ سکتی تھی اور اپنی مادر پدر آزاد روشوں میں زندگی سے فیضیاب ہو سکتی تھی۔ مگر گلزار اس شیطانی تصور کے خلاف پوری طرح نبرد آزما تھا۔ اس کا نقطۂ نظر واضح تھا کہ ناظم کا موجودہ قلعہ اس کے فلیٹ کی قربانی پر تعمیر ہوا تھا۔ اس نے چند بار اپنے بیٹے کو دھمکی دی تھی کہ وہ عدالت چلا جائے گا اور وہاں اپنے ساتھ روا غیر انسانی سلوک کی شکایت کرے گا۔ یہ حقیقت اپنی جگہ موجود تھی کہ ناظم گھرانے نے اسے اس قدر تنگ کر رکھا تھا کہ وہ ان تمام گھریلو جنجالوں سے دور بھاگ جانا چاہتا تھا۔ ایسا بھی ہوا کہ وہ اونگھتی سڑکوں پر رات کے پچھلے پہروں تک صرف اس لئے گھومتا پھرا کہ کب گھر والے واپس لوٹیں اور وہ گھر میں داخل ہو سکے۔

ایک صبح معاملہ حدوں سے بڑھ گیا۔ بچے دادا کے

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

ساتھ قریبی مارکیٹ چلے گئے۔ بیٹے نے اصرار کیا کہ اسے کینڈیز خرید کردی جائیں، دادا نے انکار کردیا۔ دادا کا فیصلہ درست تھا کیونکہ ڈاکٹر نے بچے کو کینڈیز کھانے سے منع کیا تھا۔ بچے نے رونا شروع کردیا، پھر گھر پہنچ کر اس نے ماں سے غلط بیانی کر دی، کہا کہ "دادا نے مجھے بُری طرح ڈانٹا اور مارا ہے"۔ ماں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، گھر میں فساد برپا کردیا۔ ناظم بھی غلط بیانی کے طلسم سے مغلوب ہوگیا اور بُری طرح طیش میں آ گیا۔ وہ باپ کے مقابل کھڑا ہوگیا اور اسے بُرا بھلا کہنا شروع کردیا۔ گلزار کی ایک نہ سنی گئی۔

سہ پہر کسی وقت گلزار نے اپنا سامان پیک کیا اور شام ٹیکسی بلوا کر قریبی نرسنگ ہوم چلا گیا۔ بیٹے کے دیئے گئے لباس بھی گھر چھوڑ گیا۔

شام جب گھر والے گلزار کے کمرے میں گئے تو وہاں ہر سوا داسی چھاتی نظر آئی۔ الماری میں چھوٹی بیٹی کی سالگرہ کا تحفہ پڑا تھا، جو اس نے دادا سے پسند پر خرید اتھا اور اگلے روز اسے سالگرہ پر وصول کرنا چاہتی تھی۔ تحفہ دیکھ کر بچی بُری طرح رونے لگی، پھر اس نے حقیقت والدین کے گوش گزار کردی۔ بتایا کہ "بھائی نے غلط بیانی کی تھی"۔

اس واقعے نے ناظم کے احساسات کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا وہ رات بھر جاگتا رہا اور اپنا محاسبہ کرتا رہا۔ اس شب وہ بہت افسردہ دکھائی دیتا تھا۔ چند روز بعد وہ نرسنگ ہوم گیا۔ اس کے ہمراہ اس کا بھائی شارق بھی تھا، جو لمبی قید کاٹنے کے بعد رہا ہوا تھا۔ ناظم نے والد سے معافی مانگی اور واپس گھر لوٹ آنے کو کہا۔ گلزار نے ناظم کو دھتکار دیا۔ اس نے بیٹوں سے کہا کہ "اس کے پاس رقم موجود نہیں ہے۔ اس کا گزارہ فنڈ بھی اب نرسنگ ہوم کو مل رہا ہے، بچے اس پر احسان کرنا چاہیں تو وہ اسے وطن واپسی کا ٹکٹ بنوا دیں۔ وہ ادھار کی رقم واپس جا کر ادا کر دے گا"۔ اس نے مزید کہا کہ وطن میں اسے اس کے بہن بھائی سنبھال لیں گے۔ وہ اسے دو وقت کی روٹی دے سکتے ہیں۔ بعدازاں وہ طبلہ بجا کر ضروریات کما لیا کرے گا"۔ یہ کہہ کر گلزار بُری طرح رونے لگا پھر بولا کہ "وہ اپنی دھرتی پر واپس جانا چاہتا ہے، اس کی خواہش ہے کہ وہ مرے تو اپنے وطن کی مٹی میں دفن ہو جائے"۔

گلزار کے بیٹے چلے گئے مگر بعد میں وہ ہر کسی سے ایک ہی تقاضا کیا کرتا تھا کہ "اس پر ترس کھایا جائے اور اسے واپس اس کے اصل وطن بھجوا دیا جائے"۔

▼○▼

قارئین توجہ فرمائیں!

ڈاکٹر ندیم شفیق ملک تحریک پاکستان کے واقعات، قائداعظمؒ اور علامہ اقبالؒ کے ملاقاتیوں کی یادداشتیں جمع کر رہے ہیں۔ اس سلسلے میں ان کو "حکایت" کے پرانے شمارے استفادہ کے لئے دیکھنے ہیں۔ جن قارئین کے پاس مطلوبہ شمارے ہوں وہ مندرجہ ذیل فون نمبر رابطہ فرمائیں۔

فون: 051-9202100
E-mail: nsmqq@hotmail.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

نقطہ نظر

سری نگر ہم سے جدا ہو گیا

کشمیر پاکستان کی جھولی میں گرنے والا تھا مگر ایک آستین کے سانپ نے ذاتی مفاد کے لئے یہ سنہرا موقع گنوا دیا۔

محمد محسن میر

میں نے کئی بار سوچا کہ آخر وہ کون سے اسباب تھے جب ہمارے مسلمان قبائلی مجاہدین ڈوگرہ افواج سے مقابلہ کرتے ہوئے سری نگر کے ہوائی اڈہ تک قابض ہو چکے تھے اور پھر وہ واپس اس کو چھوڑ کر کیوں چلے گئے؟ یہ المیہ آج تک ہمارے ذہنوں میں سوالیہ نشان بنا ہوا ہے۔ یہاں تک میں نے سوچا اور ریسرچ کی (اور ان شاء اللہ مزید ریسرچ کرتا رہوں گا)۔ کشمیر کا پاکستان سے الحاق نہ ہونے کا المیہ بھی مشرقی پاکستان سے کسی قدر مختلف نہیں ہے کیونکہ آپ تاریخ میں ذرا سا غور کریں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا مشرقی پاکستان میں شیخ مجیب الرحمٰن اور جبکہ کشمیر میں شیخ عبداللہ جیسے غدار موجود تھے۔ مشرقی پاکستان میں شیخ مجیب الرحمٰن کی جماعت کو مقبولیت حاصل تھی جبکہ اس کے برعکس دیگر جماعتوں جن میں پیپلز پارٹی، جماعت اسلامی اور اسلامی پارٹی بھی موجود تھیں لیکن ان جماعتوں کو عوامی مقبولیت حاصل نہ تھی۔ ان جماعتوں کی جڑیں عوام میں موجود نہ تھیں جبکہ شیخ مجیب الرحمٰن کی جماعت عوامی لیگ کی جڑیں عوام میں موجود تھیں کیونکہ انہوں نے وہاں جلسے جلوس کیے جس سے ان کی سیاسی گرفت عوام میں مضبوط ہو گئی تھی۔ چنانچہ 1971ء کا سانحہ آیا ہماری فوج نے پوری کوشش کی کہ مکتی باہنی اور عوامی لیگ کو کچل دے مگر افسوس اس نفرت کی جڑیں عوام کے دلوں کے اندر پیوست ہو چکی تھیں ہماری فوج شکست کھا گئی۔

ظاہر ہے کہ ان کو وہاں کے عوام کا تعاون حاصل نہ ہو سکا اور اسی طرح کشمیر میں بھی شیخ عبداللہ کی جماعت نیشنل کانفرنس کی جڑیں عوام کے اندر پیوست ہو چکی تھیں۔ اس جماعت نے عوام کا تعاون حاصل کرنے کے لئے شروع میں کشمیر کے کونے کونے میں جلسے جلوس اور سیمینار کرائے اور اس کی عوامی مقبولیت بڑھی اس کے برعکس دیگر جماعتیں یعنی مسلم کانفرنس اور بھارتی جنتا پارٹی

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

کو وہ عوامی مقبولیت حاصل نہ ہو سکی جو نیشنل کانفرنس کو ہوئی۔ یہی وجہ ہے شروع میں حضرت قائداعظم محمد علی جناحؒ نے غلام عباس کے بجائے شیخ عبداللہ کو ترجیح دی کیونکہ قائداعظمؒ کو اللہ تعالیٰ نے مومن کی فراست عطا کی تھی آپؒ جانتے تھے کہ جب تک شیخ عبداللہ کا تعاون حاصل نہ ہوگا، کشمیر کے مسلمانوں کا الحاق پاکستان سے نہ ہو سکے گا کیونکہ اس (شیخ عبداللہ) کی جماعت کی جڑیں عوام میں سب سے زیادہ مضبوط تھیں۔ چنانچہ قائداعظم نے شیخ عبداللہ کو ترجیح دینے کے ساتھ ساتھ اس کو بہت برین واش کیا کہ وہ ہندوؤں کی ذہنیت کو سمجھے، ہندو مسلمانوں کا کبھی ہمدرد نہیں ہو سکتا مگر شیخ عبداللہ کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی کیونکہ وہ مومن کی فراست سے عاری تھا۔ اس کے بعد قائداعظم محمد علی جناحؒ نے چوہدری غلام عباس کو ترجیح دی مگر یہ بھی قائداعظم کے معیار پر پوری طرح اتر نہ سکے۔ قائداعظمؒ ان سے بھی مایوس ہو چکے تھے۔ چوہدری غلام عباس بھی مومن کی فراست سے عاری تھا کیونکہ یہ شخص بھی کشمیر کے الحاق پاکستان کے لئے کوئی خاص جدوجہد نہ کر سکا۔

میں آپ کی توجہ اس جانب کرانا چاہتا ہوں 1944ء میں جب قائداعظمؒ کشمیر کے دورے پر آئے تو انہوں نے غلام عباس کو کہا تھا کہ مہاراجہ واپس آیا تو نیشنل کانفرنس والے پہلے ہی اس کے استقبال کے لئے موجود تھے۔ چنانچہ 22 اکتوبر 1947ء کے دن کا سورج طلوع ہوتا ہے، یہ دراصل عسکری جدوجہد کا دن تھا، اس دن قبائلی مجاہدین جن میں آفریدی اور محسودی قبیلے کے مجاہد شامل تھے۔ ان قبائلی مجاہدین کی پلٹن کے دو ہیڈ مقرر ہوئے، ایک میجر جنرل اکبر خان جو چارسدہ کے رہنے والے تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو مومن کی فراست اور ایک مومن فوجی کی تمام صلاحیتیں عطا کی تھیں۔ دوسرے میجر خورشید انور جو مسلم لیگ نیشنل گارڈز کا صدر تھا۔

قبائلی مجاہدین نے پہلے مظفرآباد کو فتح کیا یہاں قبائلیوں نے جواں مردی اور بہادری کے ساتھ مقابلہ کیا۔ مجاہدین اور ڈوگرہ سپاہیوں کے درمیان سخت جھڑپیں ہوئیں اس دوران ڈوگرہ حکومت مظفرآباد کا ڈپٹی کمشنر مارا گیا اور اس کی بیوی کرشن مہاتا نے راہِ فرار اختیار کی اور بھارت جا کر پنڈت جواہر لعل نہرو کی نوکرانی اور داشتہ بن گئی اور اب دو سال ہی ہوں گے کہ اس نے قبائلی مجاہدین اور پاکستان کے خلاف جھوٹی کہانی لکھی تھی ڈپٹی کمشنر کے مارے جانے کے بعد ڈوگرہ فوج بھاگ کھڑی ہوئی اور مظفرآباد فتح کرنے کے بعد مسلمان قبائلی مجاہدین سری نگر کی طرف بڑھے سری نگر سے پہلے بارہ مولا آتا ہے جب مسلمان مجاہدین بارہ مولہ کی جانب بڑھے یہ علاقہ سیاسی لحاظ سے بہت خطرناک تھا کیونکہ یہ علاقہ نیشنل کانفرنس کا بہت مضبوط گڑھ تھا۔ جب قبائلی مجاہدین یہاں پہنچے تو یہاں ان کو اللہ تعالیٰ فضل سے کوئی لڑائی نہیں لڑنی پڑی شاید قدرت کو قبائلیوں کا جہاد لڑنے کا طریقہ کار پسند آ گیا جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو لڑے بغیر فتح دی اور بارہ مولہ فتح ہو گیا۔

اب مجاہدین سری نگر کی جانب بڑھے اور آگے بڑھتے ہی گئے۔ جیسا کہ میں نے اوپر آپ کو بتایا بارہ مولہ کے علاقے میں نیشنل کانفرنس کو بہت مقبولیت حاصل تھی۔ بریگیڈیئر (ر) شمس الحق قاضی کے مطابق جب ہمارے مسلمان قبائلی مجاہدین جن میں بریگیڈیئر (ر) شمس الحق قاضی کا ڈرائیور معین الدین بھی شامل تھا) نے بارہ مولہ فتح کر کے سری نگر کو فتح کی جانب بڑھے، وہ اپنی گاڑیاں اور بسیں اور لاریاں جو بارہ مولہ میں چھوڑ آئے تھے کہ اس خیال میں کہ سری نگر کو فتح کرنے کے بعد ان گاڑیوں کو ساتھ لے جائیں گے یعنی اس خطہ کشمیر کو اسلامی جمہوریہ پاکستان کے حوالے کرنے کے بعد کشمیر نیشنل کانفرنس والے اس تاک میں بیٹھے تھے۔ جب

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

مجاہدین سری نگر کی طرف بڑھے تو وہ بارہ مولہ میں ہنگامے برپا کر دیں گے اور یہی ہوا کہ نیشنل کانفرنس والوں نے رات کے وقت بھیس بدل کر کے لوٹ مار شروع کر دی اور عورتوں کی عزت لوٹنی شروع کر دی اور ساتھ یہ پروپیگنڈہ شروع کر دیا کہ قبائلیوں نے سری نگر سے واپس آ کر لوٹ مار شروع کر دی یہاں تک کہ یہ پلٹن جموں اور سیالکوٹ کے بارڈر کے درمیان قائم کی گئی تھی۔ بقول بریگیڈیئر شمس الحق قاضی قبائلی جو بسیں اور گاڑیاں چھوڑ گئے تھے، وہ لے گئے اور اسی طرح ایک اور سازش بھی شامل ہو گئی تھی۔ وہ یہ تھی کہ ان دنوں قادیانیوں کی بھی پلٹن تھی جس کا نام فرقان 66 پلٹن تھا، ایک بہت بڑا راز تھا آج تک اس کے بارے میں درست تحقیق نہ ہو سکی (ان شاء اللہ میں اس کے بارے میں تحقیق کر رہا ہوں) دراصل یہ پلٹن ایک الگ قادیانی ریاست کے لئے قائم کی گئی تھی اگر اس قادیانی پلٹن کو آزادی کشمیر کے لئے لڑنا ہوتا تو یہ اس وقت کہاں تھی۔ جب ہمارے قبائلی مجاہدین کے پاس سری نگر کے قریب ایمونیشن اور راشن بالکل ختم ہو چکا تھا حالانکہ اس وقت ہمارے مسلمان قبائلی مجاہدین کے سامنے سری نگر ہوائی اڈے پر قبضہ کرنے کے لئے 35 میل کا فاصلہ رہ گیا۔ قادیانی پلٹن نے بجائے مدد کے الٹا نیشنل کانفرنس کی مالی اور عسکری خفیہ طور پر مدد کی تا کہ قبائلی مجاہدین کو عبرتناک شکست ہو جو قائداعظم کے حکم پر جہاد کرنے کے لئے کشمیر آئے تھے۔

اب ہم ہری سنگھ کی طرف آتے ہیں 27 اکتوبر کی شام کو مجاہدین سری نگر کے قریب پہنچ چکے تھے۔ 27 اکتوبر کی رات کو وہ دسہرہ تقریب میں مصروف تھا کیونکہ اس رات اس نے سالانہ نذرانے لینے تھے کیونکہ وہ اس خوش فہمی میں تھا کہ یہ وقتی بلا ہے اس کو مسلمان قبائلی مجاہدین کے اسلامی طور طریقوں سے اچھی طرح واقفیت نہ تھی اس کو صرف نیشنل کانفرنس کے مسلمانوں سے واسطہ پڑا تھا چنانچہ جب قبائلی مجاہدین بالکل سری نگر کے قریب پہنچ گئے تو اس وقت مہاراجہ کے حواریوں نے مہاراجہ کو ان کے حالات کے بارے میں آگاہ کیا چنانچہ مہاراجہ نے اپنے حواریوں کو یہ کہہ کر حیران کر دیا کہ وہ فوراً 100 گاڑیوں کا انتظام کریں مہاراجہ نے سری نگر سے جموں بھاگ جانے کا فیصلہ کر لیا تھا اور ان 100 گاڑیوں میں سونا، ہیرے، جواہرات کا سامان تھا جو کشمیر کے مسلمانوں کی خون پسینے کی کمائی تھی۔ ڈوگرہ حکومت میں مایوسی پھیلتی جا رہی تھی اور کشمیر کے مسلمانوں کا آزادی کا سورج طلوع ہونے والا تھا۔ قدرت بھی کشمیر کے مسلمانوں اور ان کے مسلمان سیاسی لیڈروں کو ڈھیل دے رہی تھی۔ شاید یہ کہ وہ اپنی کوتاہیوں کا ازالہ کر لیں مگر میجر خورشید انور جیسے لوگ آستین میں سانپ بنے چھپے بیٹھے تھے جو قبائلی مجاہدین کا دوسرا ہیڈ تھا وہ دو دن تک سری نگر میں اپنی حکومت کی منظوری کے لئے بیٹھا رہا اور مجاہدین کو بھی بٹھائے رکھا۔ میجر خورشید انور نے ایک معمر خاتون سے شادی کی تھی اور اس خاتون کو کشمیر کی ملکہ بنائے جانے کا فیصلہ ہو چکا تھا تاجپوشی کے لئے اس کا تاج سنار کے پاس تیار کرنے کے لئے دیا ہوا تھا۔ اس طرح 10 اکتوبر کو ریڈیو پاکستان لاہور سے یہ خبر بھی نشر ہوئی تھی کہ کشمیر میں ایک انور نامی شخص کے ماتحت حکومت قائم کی جا رہی ہے یہ تو مسلمان لشکر کے سپہ سالار کا حال تھا تو کشمیر کیسے فتح ہو سکتا تھا؟ یہی وہ اسباب تھے کہ قدرت نے کشمیر کی فتح نہ دی۔ مزید میں یہ کہنا چاہتا ہوں اب ہمیں بحیثیت ایک مسلمان قوم کے جدید دور کے تقاضوں سے فائدہ اٹھانا ہو گا پہلی بات یہ ہے ہمیں اندر یعنی سیاسی جماعتوں کو مضبوط کرنا ہو گا اور اس کے ساتھ ان سیاسی جماعتوں کی اسلامی اور اخلاقی تربیت ہونی چاہئے۔ ایمانداری اور اخلاقی روایات کو اپنانا ہو گا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

شیدے نے وہ پانی اپنے چہرے پر پھینکا جیسے دل میں جلتی آگ کو بجھا لینا چاہتا ہو مگر اسے یوں لگا جیسے اس کا چہرہ جل گیا ہو، وہ چیختا ہوا باہر بھاگ گیا۔

☆ ---------- رحمی شاہد

گلی کی نکڑ پر بنے چھوٹے سے تھڑے پر چار پانچ نوجوان سگریٹ کے دھوئیں اور باتوں کے غبار میں وقت کو اڑانے میں مصروف تھے۔ ہر آنے جانے والی عورت کو بنا عمر کی حد کے صرف جنس کے ترازو میں تولنے میں انہیں لطف آتا تھا۔ تھڑے کے ساتھ ہی شیدے کی دُکان تھی جو عمر کی پچاس بہاریں دیکھ چکا تھا۔ اس کی تنبیہی نگاہیں اکثر ان نوجوانوں کا گھیراؤ کیے رکھتیں مگر اس کی ان تنبیہ کرتی نظروں کو وہ سگریٹ کے دھوئیں کی اوٹ میں ڈھانپ دیتے۔ وہ دودھ، دہی اور میٹھے پیڑے بیچتا مگر زبان اور نگاہ میں حد درجہ کڑواہٹ ہی رہتی۔

"یار سجاول! اس شیدے کو کیا تکلیف ہے؟"

"چھوڑ ناں یار! لگتا ہے کوئی ٹھوکر کھایا ہوا ہے"۔

سجاول نے تنویر کی بات کے جواب میں موٹی سی گالی دے کر کہا۔

اس کی بات سن کر سب قہقہہ مار کر ہنسنے لگے مگر دُکان کے باہر بیٹھے شیدے کے دل پر جیسے کسی نے گھونسا مار دیا ہو۔ خیالات کی رو اسے پچیس تیس سال پیچھے لے گئی۔ وہ بھی ان نوجوانوں کی طرح اخلاقیات، اقدار اور مذہب سے دور اپنی ہی دنیا میں مگن تھا یہ جانتے ہوئے بھی کہ وقت کو ریورس گیئر نہیں لگتا۔ وہ اسے آگے ہی آگے بغیر منزل کا تعین کیے لئے جا رہا تھا۔

سمیرا اس کے محلے کی لڑکی تھی، یوں تو وہ دل پھینک اور بدمعاش مشہور تھا مگر سمیرا کے معاملے میں اس کی ساری بدمعاشی اور سوچ کی غلاظت کہیں چھپ جایا کرتی ہے۔ شاید اس کی وجہ سمیرا کا اپنا کردار اور خاندانی شرافت تھی۔

سمیرا محلے کے بچوں کو ٹیوشن پڑھاتی تھی جس سے

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

وہ اپنے ماں باپ کی غربت میں ان کا ہاتھ بٹانے کی کوشش کرتی تھی۔ اس شیدے کی غلاظت بھری نگاہیں اسے اپنے وجود کے آر پار ہوتی دکھائی دیتی تھیں مگر وہ مجبور تھی اسے ہر روز کالج کے لئے اسی کے باپ کی دُکان کے آگے سے گزر کر جانا ہوتا تھا۔ اس سے ملحقہ تھڑے پر شیدا اپنے آوارہ دوستوں کے ساتھ براجمان ہوتا تھا۔

شیدے کی بہن سلمٰی سمیرا کے پاس ٹیوشن پڑھنے جاتی تھی اس نے اسی سال میٹرک کے امتحان دینے تھے۔ سو جی جان سے محنت میں جتی تھی اور سمیرا اس کی مدد کرتی تھی۔

شیدے کا باپ منظور ایک شریف اور سادہ لوح انسان تھا اور اکثر شیدے کو وقت کی نزاکت اور اونچ نیچ سمجھاتا رہتا مگر شیدے نے کبھی اس کی باتوں پر دھیان نہ دیا۔ ماں باپ کی شرافت بھی کبھی اس کی بدمعاشی کی راہ کی رکاوٹ نہ بنی تھی۔ اسے اپنی بہن حد درجہ عزیز تھی جسے وہ زمانے کی ہر بُری نظر سے بچا کر رکھنا چاہتا تھا۔

وقت کے پَر ہوتے ہیں اسے تو گزر ہی جانا ہوتا ہے، ہاں ان پروں پر کس نے کیا رنگ بھرے اور اسے کتنا سجایا یہ انسان کی اپنی سوچ اور صلاحیت ہے۔ شیدا چھ جماعت پاس تھا، سمیرا بی اے کر رہی تھی۔ اس کے امتحان ہونے والے تھے جس کے بعد اس کی شادی ہونا طے پائی تھی۔ ایسا سلمٰی نے اسے بتایا تھا۔ شادی کی بات سن کر شیدا جیسے چپ سا ہو گیا اس کی سمیرا اس کے سامنے کسی اور کی ہو جائے گی ایسا اس نے سوچا بھی نہیں تھا۔ وہ چپ چپ رہنے لگا۔ دوستوں نے اس کی اس خاموشی کو بھانپ لیا۔ بہت اصرار پر اس نے اپنا حال دل ان کو سنایا۔ سب مل کر بہت خوشی سے اس کے راز کو انجوائے کرنے لگے۔

”یار! اس مسئلے کا ایک ہی حل ہے“۔ منے نے خباثت سے کہا۔

”کیا؟“ شیدے نے بے چینی سے کہا۔

”بھابی کو لے کے بھاگ جا“۔ سب قہقہہ مار کر

اللہ پر خوبصورت یقین

☆ اگر وہ اس وقت نہیں دیتا جب میں مانگتا ہوں تو پھر یقیناً وہ مجھے تب دے گا جب مجھے ضرورت ہوگی۔

☆ جلد کے لئے وضو کا پانی، جگر کے لئے قرآن کی تلاوت، صحت کے لئے نماز اور خوش رہنے کے لئے اللہ کا ذکر کیا کرو۔ (جواد حیدر)

ہنسنے لگے۔

”نہیں یار! وہ نہیں مانے گی“۔

”خط لکھ کے منا لے یار! مسئلہ کیا ہے؟“ تارے نے بھی مشورہ دیا۔

یہ مشورہ اس کے دل کو بھا گیا۔ اس نے اپنے خون سے اپنا حالِ دل سمیرا کو لکھ بھیجا اور اپنی بہن کو اپنا رازداں بنایا۔

سلمٰی خط لے کر سٹور میں چلی گئی اور صبح سمیرا کو دینے کا وعدہ کیا۔

دن گزرنے لگے سلمٰی نے خط دے دیا تھا مگر کوئی جواب نہ آیا تھا۔ اب تو سلمٰی نے ٹیوشن جانا بھی چھوڑ دیا تھا وہ میٹرک کے امتحانوں کے بعد فارغ ہی ہوتی تھی۔ سلائی سیکھنے ساتھ والی گلی کی بختیار خاتون کے ہاں جاتی تھی۔ شیدا بہت بے چین تھا وہ دل ہی دل میں سمیرا کو حاصل کرنے کے منصوبے بناتا رہتا......

”اسے کسی اور کی ہونے ہی نہیں دوں گا، اسے اٹھا لوں گا، اس کی شادی کے دن ہی“ ......اس نے سوچ رکھا تھا۔

جون کی تپتی دوپہریں انسان کے مزاج اور ماحول دونوں کو گرم رکھتی ہیں۔ ایسی ہی ایک دوپہر پیاس کی شدت اسے گھر لے آئی۔ گھر آیا تو دروازے پر ماں پریشان کھڑی تھی۔ کیا ہوا اماں؟ شیدے نے پوچھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"شیدے پتر! سلمیٰ ابھی تک نہیں آئی تو پتہ تو کر جا کر۔"

"اچھاماں!"

وہ ساتھ والی گلی میں بختیار خاتون کے ہاں گیا مگر سلمیٰ وہاں بھی نہیں تھی۔ اس نے پریشانی سے واپسی کی راہ لی، تیسری گلی کی آخری حد پر اسے جانی پہچانی آوازیں سنائی دیں۔ وہ تجسس سے آگے بڑھا اور آگے کا منظر دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ اس کی بہن جسے وہ ابھی چھوٹی سی بچی سمجھتا تھا، اس کے دوست منّے کے ساتھ ہاتھوں میں ہاتھ دیئے کھڑی تھی۔ دونوں کے درمیان بہت گہری دوستی لگتی تھی۔ دھیمی دھیمی مسکان، باتوں کے انداز اور نظروں کی حدوں نے سارے راز کھول دیئے۔ اس کے پیروں میں جیسے جان نہ رہی ہو اس نے بہن کا ہاتھ پکڑا اور گھر لے آیا۔ ماں نے اس کی حالت دیکھی تو ٹھنڈے پانی کا گلاس لا کر اس کے ہاتھوں میں دیا۔ شیدے نے وہ پانی اپنے چہرے پر پھینکا جیسے دل میں جلتی آگ کو بجھا لینا چاہتا ہو مگر اسے یوں لگا جیسے اس کا چہرہ جل گیا ہو، وہ چیختا ہوا باہر بھاگ گیا۔ مکافات عمل کی آگ کبھی بجھتی نہیں، یہ تو لحہ بہ لحہ تیز اور تیز ہوتی جاتی ہے۔ تیز، تیز اور تیز اپنے عمل کے نتیجے کو وہ یوں بھگتے گا اس نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔ شاید میں ہی اس ردِعمل کا ذمہ دار ہوں وہ سوچتا رہتا اور خاموشی اس کے اندر ہی اندر شور مچاتی رہتی۔

گاہک کی آواز اسے اس دنیا میں لے آئی جہاں اب صرف پچھتاوا ہی اس کا منتظر تھا۔ بہن کی موت کا پچھتاوا، ماں باپ کی سوال کرتی آنکھوں کا پچھتاوا اور خود کو کھو دینے کا پچھتاوا۔

کاش وقت کے صحیح استعمال اور اس کی نزاکت ہم پر اسی وقت آشکار ہو جائے جب وہ گزر رہا ہوتا ہے نہ کہ اس وقت جب وہ گزر چکا ہوتا ہے۔

لہو

گرم رکھنے کا
ہے اِک بہانہ

صابر حسین راجپوت

ان کہانیوں میں صرف شکار نہیں حقیقی زندگی کے چونکا دینے والے ڈرامے، سچی محبت اور جعلی پیروں کے کرتوت، اور پاکستان کی مردانگی کے حیران کن کارنامے ملیں گے۔

کتاب چھپ کر تیار ہے اپنے آرڈر سے مطلع فرمائیں۔

مکتبہ داستان

26 پٹیالہ گراؤنڈ لنک میکلوڈ روڈ۔ لاہور

فون: 042-37356541

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

گندگی میں کتنی سچائی ہے جو اپنی تعفن زدہ حیثیت کو خود ہی مشتہر کرتی رہتی ہے۔

مشترکہ بیوی

دستگیر شہزاد ----------0300-9667909----------

45 سالہ ابوذر دھان منڈی کا رہنے والا تھا۔ وہ لوہے کی چیزوں کے بنانے کا ماہر کاریگر تھا اور سنگیت سینما کے پاس واقع ایک آئرن فیکٹری میں کام کرتا تھا۔ چار سال قبل ابوذر کی شادی مقامی لڑکی زویا سے ہوئی تھی۔ دونوں کی ازدواجی زندگی خوشگوار تھی۔ چار سال میں ہی وہ بالترتیب تین، دو سال اور دس ماہ کے بچوں کے ماں باپ بن گئے۔ عام آدمی کی طرح ابوذر کو بھی بیٹے کی چاہت تھی لیکن تینوں بار اس کے بیٹیاں پیدا ہوئیں تو اسے زویا کی طرف سے بیٹے کی امید ٹوٹ گئی۔ دراصل ابوذر بھی ان لاعلم مردوں میں سے تھا جو بیٹی پیدا کرنے کے لئے بیوی کو قصوروار مانتے ہیں۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ عورت کی کوکھ سے بیٹا جنم لے یا بیٹی اس کا واحد ذمہ دار باپ ہی ہوتا ہے۔

اپنی اسی لاعلمی اور سوچ کی وجہ سے ابوذر کے دل پر ایسا صدمہ پہنچا کہ وہ غم غلط کرنے کے لئے شراب کے پیالے میں ڈوب گیا۔ رات کو نشے میں دھت ہو کر گھر آتا اور کھانا کھا کر سیدھا پلنگ پکڑ لیتا۔ زویا سے اس نے ایک فاصلہ قائم کر لیا اور اسے نظر انداز کرنے لگا۔ اسے خوف تھا کہ اس طرح تو زویا لڑکیوں کی لائن لگا دے گی۔ ابوذر کی یہ بے اعتنائی زویا کے دل میں چبھی پھانس کی مانند تھی۔ زویا احتجاج کرتی تو وہ کہتا کہ یہ نہ کروں تو کیا اپنی جان کے لئے مصیبت میں مول لوں۔ تین بیٹیاں تو میری جان کی آفت بنا دیں، اب کیا قطار لگانے کا ارادہ ہے۔

بیوی تبھی تک بیوی رہتی ہے جب تک اس کی اولاد جوان ہو کر برسر روزگار نہ ہو جائے، اس کے بعد وہ بیوی نہیں رہتی۔ شوہر بن جاتی ہے اور شوہر کو بیوی بننا پڑتا ہے۔ جو ایسا نہ کر پائے اس کے لئے اس گھر کے

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

دروازے بند ہو جاتے ہیں۔

دن اسی طرح گزر رہے تھے اور گزرتے وقت کے ساتھ زویا بدمزاج اور چڑچڑی ہوتی جا رہی تھی۔ فطرت کے آگے بند نہیں باندھا جا سکتا۔ بہتے پانی کے آگے بند باندھ دو تو پانی نکلنے کے نئے نئے راستے نکال لیتا ہے۔

ایک دن زویا کا ٹی وی چلتے چلتے بند ہو گیا تو اس نے ابوذر سے کہا کہ ٹی وی مرمت کرا دو۔

''کل صبح جب میں کام پر جانے لگوں تب یاد دلا دینا''۔ اس نے کہا۔ ''میں اقرار کو بول دوں گا وہ آ کر ٹی وی ٹھیک کر جائے گا''۔

زویا اقرار کو اچھی طرح جانتی تھی، جس مکان میں زویا رہتی تھی اسی مکان میں اقرار بھی کرائے دار تھا۔ وہ غیر شادی شدہ تھا اور کسی پرائیویٹ کمپنی میں ملازمت کرتا تھا اور پارٹ ٹائم میں ٹی وی سٹیریو، ڈیک، ڈی وی ڈی وغیرہ کی مرمت کر کے ٹھیک ٹھاک پیسہ کما لیتا تھا۔

بہرحال دوسرے دن صبح زویا نے ابوذر کو یاد دلایا کہ وہ اقرار کو بھیج دے۔

شدید دھوپ اور گرمی کی دوپہر میں پسینے سے شرابور اقرار نے زویا کے دروازے پر دستک دی تو زویا نے دروازہ کھول دیا۔ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرائے۔

''ابوذر بھائی نے صبح ہی مجھے بول دیا تھا''۔ اقرار نے کہا۔ ''لیکن ڈیوٹی پر جانا بھی ضروری تھا۔ باس سے دو گھنٹے کی شارٹ لیو لے کر آیا ہوں''۔

''تبھی پسینے سے بھیگے ہوئے ہو''۔ زویا ہنس کر بولی۔ ''باہر کیوں کھڑے ہو اندر آ جاؤ''۔

اقرار کا سڈول صحت مند جسم بھیگے کپڑوں میں سے نمایاں دکھائی دے رہا تھا۔ زویا اس کے کسرتی جسم کو محویت سے دیکھ رہی تھی۔ دوسری طرف زویا کے خیالات اور جذبات سے بے خبر اقرار نے اوزاروں والا بریف کیس کھولا اور ٹی وی چیک کرنے لگا لیکن اس دوران اس نے زویا کی چوری پکڑی لی تھی کہ وہ چوری چوری اس کو گھور رہی ہے۔ ہنس کر بولا۔

''بھابی! ایک بات بولوں، دل کبھی نہیں مارنا چاہئے۔ موقع اور وقت ہاتھ سے نکل جانے کے بعد پچھتانا پڑتا ہے''۔

یہ حقیقت ہے کہ جہاں عورت مرد تنہائی میں اکٹھے ہوں وہاں ان کا تیسرا ساتھی شیطان ہوتا ہے۔ زویا اور اقرار شیطان کے لئے بڑا آسان شکار ثابت ہوئے۔ زویا نے خود کو اقرار کے حوالے کر دیا۔

گندگی میں کتنی سچائی ہے جو اپنی تعفن زدہ حیثیت کو خود ہی مشتہر کرتی رہتی ہے۔

اس تپتی دوپہر میں اقرار نے ٹی وی کا فیوز بدل دیا۔ ٹی وی چالو ہو گیا اور اس کے ساتھ زویا بھی۔ اس دن کے بعد زویا اور اقرار کی زوال کی راہ کھل گئی۔ موقع پاتے ہی اقرار زویا کے کمرے میں آ جاتا تو کبھی زویا اقرار کے کمرے میں جا کر اپنے ارمان پورے کر لیتی۔

ایسے ہی ایک چھٹی والے دن دوپہر بعد زویا اقرار کے کمرے میں گناہ کا کھیل کھیل رہی تھی کہ ابوذر اور اقرار کا مشترکہ دوست ذیشان وہاں آ گیا۔ 19 سالہ ذیشان دربار پیر گلاب شاہ کے پاس رہتا تھا چونکہ چھٹی کا دن تھا اس لئے وہ گھومتا ہوا یونہی اقرار کے پاس چلا آیا تھا۔ اُس نے دونوں کو رنگے ہاتھوں پکڑ لیا۔

بس پھر کیا تھا۔ ذیشان کی بھی لاٹری نکل آئی۔

ذیشان نے زویا کا دل جیت لیا۔ وہ سو سو جان سے ذیشان پر فدا ہو گئی۔ آگہی تو اس کے شعور نے اس وقت حاصل کی تھی جب شعور ناقص تھا اور جب شعور نے شعور کو نقل کی تو صرف اتنا اضافہ ہوا کہ اُس نے محبت کو محسوس کیا۔

اُس دن کے بعد سے ناجائز رشتہ کی یہ تکون شروع ہو گئی لیکن یہ ناجائز تعلقات زیادہ دنوں تک چھپے نہیں رہ

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

سکے۔ جس عمارت میں زویا اور اقرار رہتے تھے اس میں کچھ اور کرائے دار بھی تھے۔ ابوذر کی غیر موجودگی میں اقرار اور ذیشان کا آنا اور ان کے آتے ہی دروازے کا بند ہو جانا اس کے علاوہ اقرار کے کمرے میں زویا کا چپکے سے جانا اور وہاں سے لٹی پٹی حالت میں لوٹنا پڑوسیوں کی تیز نظروں سے پوشیدہ نہ رہ سکا۔ اس لئے تینوں کے تعلقات کے بارے میں پورے علاقے میں چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں۔

پھیلتے پھیلتے یہ بات ابوذر کے کانوں تک جا پہنچی۔ اُس دن وہ کچھ زیادہ شراب پی کر آیا اور زویا پر ٹوٹ پڑا۔ پہلے اُسے لات گھونسوں سے بے حال کیا اس کے بعد پوچھا۔ بتا کلموہی! اقرار اور ذیشان سے تیرا کیا رشتہ ہے؟ زویا سمجھ گئی کہ راز کھل چکا ہے مگر وہ بھی کم استاد نہیں تھی۔ اقرار اور ذیشان سے اسے جو آسودگی ملتی تھی ویسی اسے شوہر سے کبھی نہیں ملی تھی، اس لئے وہ دونوں کو کھونا نہیں چاہتی تھی۔

ابوذر زویا کو لگاتار پیٹتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ بولتی کیوں نہیں چھنال، بتا وہ دونوں کب سے تیرے خصم لگنے لگے؟ زویا سوچ رہی تھی کہ اب اسے کسی ایک یار کی قربانی دینی ہوگی۔ اس نے دماغ کے گھوڑے دوڑائے اور فوراً ہی سوچ لیا کہ اسے کیا کرنا چاہئے۔ ذیشان دور رہتا تھا اس سے وہ باہر بھی مل سکتی تھی۔ اقرار اسی عمارت میں رہتا تھا اور آسانی سے مہیا ہو سکتا تھا۔ اس لئے ذیشان کو قربان کرنے اور اقرار کو بچانے کا اُس نے فیصلہ کر لیا۔

زویا نے رو رو کر شوہر کو یقین دلایا کہ لوگ فضول میں ہی اقرار پر شک کرتے ہیں۔ اقرار تو اُس کے بھائی جیسا ہے لیکن ذیشان سے اس نے تعلق ہونے کا اقرار کر لیا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے ابوذر کو یقین دہانی کرائی کہ ذیشان نے اسے بہکایا تھا لیکن اب وہ آئندہ اس سے کوئی تعلق نہیں رکھے گی۔ ابوذر مجبور تھا، وہ تین بیٹیوں کو نہیں سنبھال سکتا تھا۔

اس نے اپنی گرہستی بچانے کے لئے مشروط طور پر معاف کر دیا۔ زویا کی یہ چال کامیاب ہو گئی۔ ذیشان کا آنا بند ہو گیا جبکہ اقرار کے ساتھ اس کے تعلقات پہلے کی طرح برقرار رہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اب وہ کافی احتیاط برتتے تھے۔ اقرار کی دسوں انگلیاں گھی میں تھیں مگر ذیشان زویا سے نہ مل پانے کے باعث بے چین تھا۔ زویا سے باتیں کر کے ہی دل کو تسلی ملتی رہے اس کے لئے ذیشان نے موبائل فون خرید کر زویا کو بھجوا دیا۔ زویا ذیشان کو سمجھاتی رہتی تھی کہ کچھ دنوں بعد حالات معمول پر آ جائیں گے تو وہ پھر پہلے کی طرح مل سکیں گے۔

وقت اور زندگی میں تبدیلی صرف ایک کروٹ

نادانی اور مہربانی

☆اگر کوئی یہ پوچھے کہ زندگی میں کیا کھویا، کیا پایا؟ تو کہہ دیں کہ جو کچھ کھویا وہ میری نادانی اور جو کچھ پایا وہ میرے رب کی مہربانی ہے۔ (خرم اقبال)

☆حضرت علی نے کا قول ہے: ''قربان جایئے اپنے رب پہ جو برداشت سے زیادہ دکھ تو نہیں دیتا مگر اوقات سے زیادہ سکھ دیتا ہے''۔ (جواد احمد)

☆ہر دین کا کوئی امتیازی وصف ہوتا ہے اور اسلام کا بنیادی وصف ''حیا'' ہے۔ (مظہر سعید)

دوسروں کے لئے جینا

☆دنیا میں کوئی چیز اپنے آپ کے لئے نہیں ہے۔ دریا خود اپنا پانی نہیں دیتے۔ درخت خود اپنا پھل نہیں کھاتے، سورج اپنی حرارت اپنے لئے نہیں دیتا۔ پھول اپنی خوشبو اپنے لئے نہیں بکھیرتے کیونکہ دوسروں کے لئے جینا ہی اصل زندگی ہے۔

(رانا محمد شاہد)

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

بدلنے کی مدت میں پوشیدہ رہتی ہے۔

ایک دن ابوذر نے زویا کو ذیشان سے باتیں کرتے دیکھ لیا۔ اس دن بھی اس نے زویا کی جم کر پٹائی کی اور اس کا موبائل پاؤں تلے کچل کر برباد کر دیا۔

اس واقعہ کے چند روز بعد ہی حق باہو روڈ پر ایک کھائی میں ابوذر کی لاش پڑی پائی گئی۔ علاقے کے ممبر صدیق اعظم نے علاقائی تھانہ سول لائن جا کر تھانہ انچارج آصف علی کو واقعہ کے بارے میں اطلاع دی۔ اطلاع ملتے ہی آصف علی اے ایس آئی ارسلان اور کچھ سپاہیوں کو لے کر موقعۂ واردات پر پہنچے۔ لاش تقریباً 30 فٹ گہرائی میں پڑی تھی۔ پولیس نے لاش نکلوائی تو معلوم ہوا کہ چھرے سے اس کا قتل کیا گیا تھا۔ کھائی میں آس پاس تلاش کرنے پر قتل میں استعمال ہونے والا چھرا بھی مل گیا۔ مقتول کی جیب سے جو کاغذات برآمد ہوئے تھے ان سے اس کی شناخت بھی ہوگئی لاش کی شناخت ہوتے ہی اس کے گھر پر اطلاع بھیج دی گئی۔ تھوڑی ہی دیر میں گھر والوں کے ساتھ روتی پیٹتی زویا موقع پر پہنچ گئی۔ ضابطے کی کارروائی کے بعد پولیس نے لاش پوسٹ مارٹم کے لئے بھیج دی اور تھانہ سول لائن میں مقدمہ قتل کے تحت معاملہ درج کرلیا گیا۔

اسی دن ڈی پی او عمران سیال نے معاملے کے خلاصے کے لئے ایک ٹیم بنائی۔ اس ٹیم نے اپنے طریقے سے تفتیش کی تو جلد ہی اسے معلوم ہو گیا کہ اقرار اور ذیشان کے تعلقات پر زویا اور اس کا شوہر اکثر جھگڑتے رہتے تھے۔ پولیس کے لئے اتنا ہی سراغ کافی تھی۔ دوسرے دن اُس نے پوچھ گچھ کے لئے اقرار اور ذیشان دونوں کو حراست میں لے لیا۔

تھانہ میں اقرار اور ذیشان سے پوچھ گچھ کی گئی تو تھوڑی ہی دیر میں قتل کا راز کھل گیا۔ ایک راز یہ بھی فاش ہوا کہ ابوذر کے قتل کی اصل ذمہ دار زویا تھی۔ اسی نے اپنے عاشقوں کو اکسا کر شوہر کا قتل کرایا تھا۔

لفظ امن، ایک متحرک تقدیس ہے اگر ہم اسے جامد نہ کر دیں۔ آج یہ سمجھنے سے محرومی کیوں ہے کہ بدامنی کے تیز رفتار تحرک کے نیچے امن کا تقدس جمود کی حالت میں ہے۔

ہوا یہ کہ زویا ابوذر کی مار پٹائی سے تنگ آ گئی تھی۔ اب وہ اقرار اور ذیشان کی مشترکہ داشتہ بن کر رہنا چاہتی تھی۔ وہ دونوں بھی اسے بیوی کی طرح رکھنے پر تیار تھے لیکن ابوذر ان کی راہ کا روڑا بنا ہوا تھا۔ اس لئے زویا نے ابوذر کو راہ سے ہٹانے کا مشورہ دیا جو اُس کے یاروں نے فوراً منظور کرلیا۔

منصوبے کے مطابق 22 مارچ کی شام کو اقرار شراب پلانے کے بہانے ابوذر کو حق باہو روڈ پر لے گیا۔ ابوذر کو معلوم نہیں تھا کہ اقرار بھی اس کی بیوی کا یار ہے اس لئے وہ اس کے ساتھ چلا گیا۔ راستے میں اقرار نے شراب کی ایک بوتل اور کھانے کا کچھ سامان خریدا اور ابوذر کو ویرانے میں لے گیا۔ ابوذر کو اقرار پر شک تو تھا نہیں اس لئے وہ اس کے ساتھ پینے بیٹھ گیا۔ اقرار نے خود کم پی جبکہ ابوذر کو زیادہ پلا کر نشے میں دھت کر دیا۔ اقرار نے جب دیکھا کہ ابوذر کو اپنے اوپر قابو نہیں ہے تو اس نے فون کر کے ذیشان کو بلا لیا۔ ذیشان کے آتے ہی دونوں مل کر ابوذر پر ٹوٹ پڑے اور اُسے چھرے سے ہلاک کر کے کھائی میں پھینک دیا۔ صبح کچھ لوگوں نے لاش دیکھی تو انہوں نے صدیق اعظم کو مطلع کیا تھا۔ اقرار اور ذیشان کے بیان کی بنیاد پر زویا کو بھی گرفتار کرلیا گیا۔ 26 مارچ کو تینوں ملزموں کو عدالت میں پیش کیا گیا جہاں سے انہیں جیل بھیج دیا گیا۔ تادم تحریر تینوں جیل میں تھے۔

مقدر وہ پہاڑی تو دہ ہے جس کے اچانک گر پڑنے سے زندگی کے دریا کا رُخ تبدیل ہو جاتا ہے۔

◆○◆

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

مرد کی نظر آج تک عورت میں چھپی ماں کو دیکھ نہیں پائی۔

☆ ---------- شازیہ محسن

جو ہوا تھا وہ غیر متوقع تھا۔ شہزاد اور اس کی عمر میں ایک طویل فاصلہ تھا اور یہ سوچا بھی نہ جاسکتا تھا کہ شہزاد ایسی واہیات حرکت کرے گا۔ وہ تعلیم کے معاملے میں کمزور تھا۔ پہلی بار فیل ہوا تو سکول انتظامیہ نے داخلہ دے دیا تھا۔ اب کی بار سکول کے دروازے اس کے لئے بند ہو چکے تھے۔ جیسے نظر نہ آنے والے ہاتھوں نے اس کی قسمت پر سیاہی پھیر دی ہو۔ رخسانہ کے دل میں شہزاد کے لئے ہمدردی تھی۔ اس ہمدردی کا سبب کیا تھا۔ وہ اس کی بیوہ خالہ کا بیٹا تھا جو بڑی مشکل سے محنت مزدوری کر کے اس کو پڑھا رہی تھیں اور اس سے بہت امیدیں لگا رکھی تھیں۔

اس نے تہیہ کر لیا تھا کہ وہ اس کو پاس کروائے گی۔ اس مقصد کے لئے اسے کچھ مضامین خود پڑھنے پڑے اور کچھ شازمین سے سیکھنا پڑا۔ مثلاً وہ میتھ کے لئے شازمین کے پاس گئی۔ وہ شرمندگی محسوس کر رہی تھی اور شازمین بھی ہنسی تھی۔

''کیوں بھئی! پھر سے ہائی سکول کا امتحان دے رہی ہو، خیریت تو ہے؟''

''ایک لڑکا ہے''۔ اس نے کہا۔ ''وہ بے چارہ دوبار ہائی سکول کا امتحان دے چکا ہے۔ کوچنگ سینٹر بھی اس کی مدد نہ کر سکے۔ میں دکھانا چاہتی ہوں کہ وہ بھی اوّل درجے میں پاس ہو سکتا ہے''۔

شازمین کے ٹیوشن کے لڑکے لڑکیاں اسے آنٹی کہتے تھے۔ آنٹی اس عمر میں میتھ سیکھ رہی ہے۔ وہ بھی ہائی سکول کا میتھ اور جب ان کو پتہ چلا وہ بھی ٹیچر ہے تو وہ رخسانہ کو دیکھ کر ہنسنے لگے۔

''ارے بڑی بے کار ٹیچر ہے نقل سے پاس ہوئی ہوگی''۔ یہ تلخ گھونٹ بھی وہ پی گئی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

رخسانہ کی قسمت پر سیاہی پھر گئی۔ جب اس کے والد کا انتقال ہو گیا ماں پہلے ہی نہیں تھی، بھاوج نے اسے نوکرانی ہی سمجھ لیا۔ گھر کی صفائی اور دھلائی اس کا مقدر بن گیا۔ وہ تب ریت کے گھروندے بناتی تھی۔ اب تک اس کو کوئی گھر نصیب نہیں ہوا تھا۔ اسے محسوس ہوتا تھا کہ اس میں کوئی عورت رہتی ہے اور وہ عورت ایک گھر چاہتی ہے جس کی بالکونی میں کھڑی ہو کر وہ کسی کا انتظار کرے۔ وہ طالب علمی کے زمانے میں کوئی سنگھار نہیں کرتی تھی لیکن وہ اب فیشن کرنے لگی تھی۔ کس کے لئے؟ وہاں تو دور دور تک کوئی ایسا نہیں تھا۔ آخر کون تھا جسے اسے لبھانا تھا۔ ہر عورت سنگھار کرتی ہے۔ وہ کیسے بھلا دے کہ اس دنیا میں آنے سے پہلے وہ ستاروں میں بس رہی تھی۔ اس لئے اس دنیا میں اپنے ملبوس پر ستارے ٹانکنے پڑے اور اپنے ہاتھوں پر مہندی رچائی، قوسِ قزح کے درمیان وہ ہی تو کھڑی تھی لیکن کوئی نہ تھا جو اسے سنگھار کرتے دیکھتا۔ اس کے حُسن کی تعریف کرتا۔ اس کے رشتے آتے تھے لیکن بھاوج نہ جانے ان لوگوں سے کیا کہہ دیتی تھی کہ پھر کوئی پلٹ کر بھی نہ آتا تھا۔ اس طرح اس کی جوانی آہستہ آہستہ چوری ہوتی چلی گئی۔ اس نے اپنے اندر رہنے والی عورت کو تھپک تھپک کر سلایا تھا۔ وہ سب کے گھر بے روک ٹوک آتی جاتی تھی۔ وہ شائزہ بھابی کے گھر چلی جاتی اور آواز لگاتی۔

''بھابی! بھیا کا کوئی خط آیا یا نہیں، انہوں نے کسی ڈرامہ کے لئے آئٹم سونگ لکھا تھا اس کا کیا ہوا، کوئی منی آرڈر آیا یا نہیں؟''

گلی میں کسی کی بائیک کھڑی ہوتی تو وہ آواز لگاتی۔ ''اپنی بائیک اندر کھڑی کر لو، چوریاں ہو رہی ہیں''۔ گلی میں کھیلتے ہوئے کسی بچے کو اپنی گود میں اٹھا لیتی اور اسے گھر پہنچا دیتی۔ اکثر پھیری والوں سے بھی الجھ جاتی۔ ''بھئی کہاں سے یہ ردی مال لا لا کے بیچتے ہو''۔ اس کے انگ انگ میں چلبلاہٹ سی نظر آتی، دور ہی سے پتہ چل جاتا تھا کہ رخسانہ ہو گی۔ یہ سب وہ کیوں کرتی تھی، کیا کوئی ایسا بھی تھا جو اس کی چلبلاہٹ کو دیکھ رہا تھا؟

وہ شہزاد کو پڑھانے میں لگی تھی اور اب اس میں تبدیلی آ رہی تھی۔ وہ ہمیشہ لڑکوں میں گھری رہتی تھی اور ان کو گائیڈ کرتی اور آنے والے سوالات بتاتی۔ رخسانہ میڈم ہر دل عزیز ہو چکی تھی۔ اب وہ بات بات پر مسکرانے لگی اور شرمانا سیکھ گئی۔ جب وہ شرماتی تو اپنے دوپٹے کا آنچل دانتوں تلے دبا لیتی اور مسکرا کر اپنی نظریں نیچے کر لیتی یا شرماتے ہوئے اپنے آنچل سے آدھا چہرہ ڈھک لیتی اور اس طرح ایک آنکھ کھلی رکھتی کہ سامنے والے کا تاثر دیکھ سکے۔ وہ موبائل سے لڑکوں کو گائیڈ کرتی اور آنے والے سوالات بتاتی۔

اس کے دیکھنے والے اب بھی آ رہے تھے۔ ہر بار اسے سر پر پلو ڈھکنا ہوتا تھا۔ ہر بار چائے اور لوازمات کی ٹرے اس کے ہاتھوں میں دی جاتی۔ ہر بار وہ خوبصورت ساڑھی لپیٹ کر مہمانوں کے پاس جاتی۔ ادھر بھائی صاحب تصویریں لے کر بیٹھ جاتے۔ وی سی اسناد تقسیم کر رہے ہوتے۔ وہ سٹیج پر کھڑی ہوتی اور وی سی کے ہاتھوں میڈل لے رہی تھی۔

کون جانتا تھا کہ یہ دن بھی آئے گا۔ بھاوج چاہتی تھی کہ وہ گھر کی دھلائی اور صفائی کرتی رہے اور ایسا بھی ہو جاتا کہ اس نے پرائیویٹ ہائی سکول فارم بھرا تھا اور ضلع بھر میں اوّل پاس ہوئی تھی۔ اس کے پڑوس کے لوگوں نے بھائی اور بھاوج کو شرمندہ کیا اور کہنے لگے کہ رخسانہ کو باقاعدہ تعلیم دلائیے۔ جب وہ بغیر ٹیوشن اور رہنمائی کے اوّل آ گئی تو اگر لڑکی کو پڑھایا گیا تو وہ بہت کامیاب ثابت ہو گی۔ اس طرح اس کی تعلیم شروع ہوئی

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

جو سوچا گیا تھا وہی ہوا تھا۔ وہ یونیورسٹی میں ٹاپ پر رہی۔ اس کے اندر بسنے والی عورت کہیں کھو گئی۔ بس اس کی کتابیں تھیں اور ان کا مطالعہ، یہی اس کا مقصد رہ گیا۔ ایک ہی خیال اپنے کورس کی کتابیں اور ان میں لکھی ہوئی باتیں اس کے ذہن میں گھومتی رہتیں۔

عورت اس لئے تخلیق کی گئی ہے کہ مرد ایک گناہ کا ارتکاب کر سکے اور عورت اپنی اداؤں سے مرد کو لبھا سکے کبھی نقاب ڈال لے اور مرد میں تجسس پیدا کرے۔ کبھی مسکرائے، کبھی بے وجہ شرمائے اور پھر چہرے کو چھپا لے۔ دوپٹہ سینے سے کیسے ڈھلکایا جاتا ہے اور دوپٹہ کب سر پر اوڑھنا ہے۔ اس کا دل کرتا تھا کہ جوڑا باندھے اور کوئی اس میں گلاب کا پھول رکھ دے۔ وہ مرد کہاں تھا جو اس کو دیکھتا ہی رہے۔ اسے کسی نے بتایا تھا کہ ہاتھوں میں شادی اور محبت کی لکیریں ہوتی ہیں۔ وہ سوچتی کہ شاید اس کے ہاتھوں میں وہ ہے ہی نہیں۔ خدا جوڑے بناتا ہے۔ شاید اس کی قسمت میں مرد لکھا ہی نہیں تھا۔ پھر یہ سوچتی کہ یہ الزام تراشی کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہیں وہ جوڑے کیوں بنائے گا۔

اسے پڑھاتے پڑھاتے گھنٹوں بیت جاتے اور پھر شہزاد کو وہ ہوم ورک بھی دیتی۔ آخر محنت کا جادو سر چڑھ کر بولا۔ وہ سکول میں اوّل رہا۔ اس کے دوسرے طالب علموں نے بھی کامیابی حاصل کی لیکن اسے شہزاد کے اوّل آنے کی خوشی تھی۔ ایک دن تھا کہ شہزاد سکول کے باہر کھڑا رو رہا تھا اور ہیڈ ماسٹر نے اس کو داخلہ دینے سے انکار کر دیا اور رخسانہ کو اس پر رحم آ گیا تھا اور کوئی بات نہیں تھی۔ وہ ان سیاہ طاقتوں کو پہچانتی تھی۔ شہزاد اسی کالے سائے میں گھرا ہوا نظر آیا۔

رخسانہ ایک عورت تھی اور عورت ایک ماں کے سوا کچھ بھی نہیں ہوتی اس کا جسم ایک ماں کا جسم تھا ایک گداز اور نرم جسم اور وہ بچے کو میٹھی نیند سلاتی ہے یا خود ہلتی رہتی ہے تاکہ بچے کو لگے کہ وہ پالنے میں ہے اور خود سو جائے۔

وہ شرماتی ہے۔ وہ مسکراتی ہے تاکہ اپنے ناز و ادا سے مرد کو رِجھا سکے جس سے اس کی گود بھر جائے۔ اس کے کمرے میں ایک بچے کا فوٹو لگا ہوا تھا۔ وہ بچہ فوٹو سے نکل کر اس کی گود میں آ جاتا۔ بچہ مسکرا رہا تھا۔ وہ بچے کو گود میں لے لیتی۔ وہی ممتا کا روپ تھا جو شہزاد کے لئے باہر آ گیا مگر شہزاد اسے دوسری نظر سے دیکھنے لگا۔ وہ ایک ٹک چہرے کی طرف دیکھتا رہتا۔ وہ رخسانہ کو بانہوں میں بھرنا چاہتا تھا۔ یہ مرد کی نظر ہے جو آج تک عورت میں چھپی ہوئی ماں کو نہ دیکھ پائی۔

وہ شادیوں میں بڑے شوق سے شرکت کرتی تھی۔ ڈھولک پر گیت گاتی اور شادی والے گھر میں ناچتی تھی اور وہ ڈھولک کے پاس جا کر بیٹھتی تو دلہن کی نتھ اس کی ناک میں آ جاتی اور دلہن کے جھمکے اس کے کانوں میں آ جاتے اور وہ بھی تخیل میں دلہن کی طرح گھونگھٹ کاڑھ لیتی۔ وہ سمجھ رہی تھی کہ اس کے اندر بسنے والی عورت مر گئی ہے لیکن وہ مری نہیں تھی صرف سوئی تھی۔ اب پھر ایک پیام آیا تھا۔ بھائی صاحب کہہ رہے تھے ذرا عمر ہی تو زیادہ ہے، بیوی مر چکی ہے، بچے جوان ہیں، لڑکیاں پرائے گھر کی ہو چکی ہیں، لڑکے ملازمت میں ہیں اور لین دین بھی زیادہ نہیں ہوگا۔ یہ فوٹو بھیجا ہے ذرا رخسانہ کو دکھا دینا۔

اس میں ایک بوڑھا گنجا شخص تھا۔ جو اس عمر میں شادی کی سوچ رہا تھا۔ کیا ایسا مرد قدرت نے اس کے لئے چنا تھا۔ بوڑھا اور گنجا...... وہ اس شخص کا کیا کرے گی۔

اُس دن شہزاد کو پڑھانے گئی تھی کہ اچانک بادل گھر آئے اتنی گھنگھور گھٹا کہ رات ہوگئی اور پھر لائٹ بھی چلی گئی۔ شہزاد نے موم بتی روشن کر کے شمع دان پر رکھ دی۔ موم پگھل رہا تھا۔ باہر تیز ہوا کے جھونکے تھے۔ ہوا سائیں سائیں کر کے چل رہی تھی۔ جلدی ہی موم بتی بھی

WWW.PAKSOCIETY.COM

بجھ گئی۔ باہر موسلا دھار بارش ہو رہی تھی۔ اتنی تیز ہوا کے جھونکے تھے کہ اس میں چھتری بھی کام نہ آ سکے۔ وہ گھر کیسے جا پائے گی۔ خالہ حسب معمول ابھی تک گھر نہیں پہنچی تھیں۔ اس بیچ شہزاد لالٹین روشن کر کے لے آیا تھا۔ وہ پڑھانے میں مشغول ہو گئی۔ شہزاد کھل کر سامنے آ گیا۔ وہ پڑھانے میں لگی تھی اور جانے کہاں سے پروانے آ آ کر لالٹین کی روشنی کے چاروں طرف چکر کاٹ رہے تھے۔ دیوانہ وار آگ کی لپٹ سے جل جل کر مر رہے تھے۔

اُدھر رخسانہ پڑھانے میں لگی تھی۔ ادھر شہزاد کے اندر رہنے والا بھوکا بھیڑیا جاگ اٹھا۔ یہ بھوکا بھیڑیا ہر مرد میں رہتا ہے۔ اسی بھیڑیے کی وجہ سے مرد آج تک عورت کو نہ پہچان سکا۔ وہ صرف عورت کے باہری حُسن کو دیکھتا ہے اس طرح اسے عورت کی محبت اور اس کے پیار اور اس کے اندر اٹھنے والے جذبات کا اندازہ نہ ہوا۔ اسے محبت کا یہ صلہ ملا۔ کیا مرد کے پاس عورت کو دینے کے لئے کچھ بھی نہیں ہے؟

شہزاد اسے دوسری نظر سے دیکھتا تھا اسے وہ ٹیچر نظر نہیں آتی تھی۔ اس کے گورے گال پر جو کالے رنگ کا تل تھا وہ اسے بھانے لگا اور پھر شہزاد دست درازی پر آمادہ ہو گیا۔ وہ مزاحمت کرنے لگی اور اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کرتی رہی اور بڑی مشکل سے خود کو چھڑا کر باہر آ گئی۔ وہ تو اس کی مدد کرنے میں لگی ہوئی تھی۔ وہ کالج کی لائبریری جاتی اور گھنٹوں درس دینے کے لئے مطالعہ کرتی۔ سیاہ طاقتیں شہزاد کو سڑک کا ایک آدمی بنا دینا چاہتی تھیں۔ اُسے محرومی کی زندگی دینا چاہتی تھیں۔ وہ ان کے خلاف سینہ سپر ہو گئی تھی وہ سوچتی تھی کہ ہر شخص کو کامیاب کیا جا سکتا ہے۔ وہ سوچتی تھی کہ کس طرح زندگیاں بنائی جا سکتی ہیں۔ اس کے ذہن میں کوئی لالچ بھی نہیں تھا اور کوئی غرض بھی نہیں تھی۔ اسے وہ شہزاد یاد آیا جو سکول آفس کے باہر کھڑا رو رہا تھا۔ اس کے لئے سکول کے دروازے بند ہو چکے تھے۔ اس کی رہنمائی میں اس کی محنت کی بنا پر وہ اوّل آیا۔

اس وقت رات تھی۔ اب گھر لوٹنے میں دقتیں تھیں۔ رکشہ ملنا بھی دشوار سا تھا اور پھر اکیلی لڑکی کا رات کو دیر سے گھر سے نکلنا خطرے سے خالی نہ تھا۔

جہاں بھی مرد ہو گا، وہاں عورت محفوظ نہیں رہ سکتی۔ مرد اگر یہی ہے تو خدا کی قسم بہت بُرا ہے۔ اب کچھ بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ بس وہ یہی کر سکتی تھی کہ آئندہ وہ گھر سے نہ آئے۔ جب چلی تھی تو آسمان صاف تھا اور بارش کے کوئی آثار نہیں تھے اور اب موسلا دھار بارش برس رہی تھی۔ وہ شہزاد کو کالج یونیورسٹی ٹاپر بنانا چاہتی تھی۔ وہ اس کے اندر سوئے ہوئے کامیاب انسان کو جگانا چاہتی تھی۔

عورت حسین ہو اور اس کے گورے چہرے پر بال بکھر کر پیشانی پر آ گئے ہوں اس کی ساڑھی کا پلو اس کے سینے سے ہٹ گیا ہو تو وہ ٹیچر کہاں رہ جاتی ہے۔ وہ تو ایک عورت ہی تھی اور شہزاد ایک مرد۔ عمر کا فاصلہ کوئی معنی نہیں رکھتا اچانک وہ پری چہرہ ہو گئی۔ دنیا کی حسین ترین عورت۔ شہزاد نے اسی لئے رخسانہ کو اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔ وہ بارش میں بھیگ گئی تھی اور اسے سردی لگ رہی تھی۔ کہیں کوئی رکشہ نہیں دکھائی دے رہا تھا لیکن اسے امید تھی کہ چوراہے پر ضرور کوئی رکشہ ہو گا۔ اسے ایک رکشے والا مل گیا۔ وہ رکشہ میں سوار ہو گئی۔ رکشہ والے کی آنکھوں میں ایک چمک سی تھی اور کئی سوال تھے۔ اس برسات میں ایک اکیلی لڑکی اسے وہ ایسی ویسی لڑکی سمجھ رہا تھا۔ سنسان سڑک پر وہ رکشہ والے سے ڈر رہی تھی۔ ابھی تو گھر پہنچ کر بھائی اور بھاوج کے سوالوں کا جواب بھی دینا ہو گا۔

■

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

ایک ایسی بچی کے عزم وہمت کی داستان جسے پیدا ہوتے ہی مرنے کے لئے
لاوارث پھینک دیا گیا۔ آج وہ بچی سینکڑوں بچوں میں علم کی روشنی پھیلا رہی ہے۔

لاوارث

نازیہ لیاقت (ایم اے انگلش)

پندرہ سالہ رومان کو نہیں معلوم کہ وہ کون ہے۔ کس کی وجہ سے اس دنیا میں آئی ہے۔ وہ جاننا بھی نہیں چاہتی۔ اس کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ عرفہ نے ایسے وقت میں اُسے اپنایا جب اُس کے اپنے ہی اسے مرنے کے لئے چھوڑ چکے تھے۔ یہ الگ بات ہے کہ موت اُسے دور سے ہی دیکھ کر پلٹ گئی۔ رومان اپنے بارے میں جتنا جانتی ہے۔ بھلے ہی اُس سے زیادہ نہ جاننا چاہے مگر فرانس، سوئٹزرلینڈ وغیرہ کئی ملکوں کے شہری اُس کے بارے میں زیادہ سے زیادہ جاننا چاہتے ہیں۔ اس پر لکھی کتاب بھی بیسٹ سیلر ثابت ہوئی ہے۔ وہ خود درجہ پانچ پاس ہے مگر اپنے نام سے چل رہے سکول میں ٹیچر بھی مقرر ہے۔

افسوس رومان کی پاکستان میں کم قدر ہوئی جبکہ تعلیمی میدان میں کی گئی اس کی خدمات کا غیر ممالک میں ڈنکا بج رہا ہے۔ کوئی غیر ملکی اس پر کتاب لکھنے قادر آباد ضلع ٹوبہ ٹیک سنگھ آتا ہے تو کوئی ڈاکیومنٹری فلم بنانے۔ ایک غیر ملکی تو رومان سے اس قدر متاثر ہوا کہ اُس نے گاؤں میں ''رومان پرائمری سکول'' اس کے نام سے ہی سکول کھول دیا۔

تاریخ کوئی تخلیق نہیں کرتا حالات ایسے بنتے ہیں کہ تاریخ کی تخلیق ہو جاتی ہے۔ قادر آباد میں رہنے والی عرفہ کے ہاتھوں بھی ایک تاریخ کی داغ بیل پڑی۔ 62 سالہ عرفہ کے شوہر کا نام علی اسلم تھا۔ اس کی دو بیٹیاں تھیں، رابعہ اور فاطمہ۔ دونوں کی شادی ہو چکی تھی۔ وہ

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

اپنی سسرال میں رہتی تھیں بیٹا کوئی تھا نہیں۔ اپنی زمین بھی نہیں تھی۔ اس لئے آرام کرنے کی عمر میں بھی زندگی گزارنے کے لئے میاں بیوی مزدوری کرتے تھے۔ مزدوری کر کے علی اسلم تو گھر لوٹ جاتا مگر عرفہ کے پاؤں ملتان ریلوے سٹیشن کی طرف بڑھ جاتے۔ ریلوے سٹیشن کے پاس بہت سارے درخت لگے ہیں۔ برسات میں جنگلی جھاڑیاں بھی آس پاس اُگ آتی ہیں۔ برسات کا موسم گزرتے ہی جھاڑیاں سوکھ کر جلانے لائق ہو جاتی ہیں۔ درختوں کی کچھ ٹہنیاں بھی سوکھ جاتی ہیں۔ عرفہ خشک جھاڑیاں اور ٹہنیاں توڑتی، ان کا گٹھر بناتی اور سر پر رکھ کر گاؤں کی طرف چل دیتی۔ ان کی لکڑیوں کو جلا کر وہ کھانا پکاتی تھی۔

1998ء کی اُس شام بھی عرفہ نے کام ختم کر کے اپنی مزدوری لی اور معمول کی طرح سوکھی لکڑیاں اٹھائے ملتان ریلوے سٹیشن کی طرف چل پڑی۔ ریلوے سٹیشن کے پلیٹ فارم نمبر 5 پر پہنچی تو چونک پڑی۔ وہ ایک نوزائیدہ بچہ تھا، کپڑے کی متعدد پرتوں میں لپٹا ہوا چونکہ سردی شروع ہو گئی تھی شاید اس لئے بچے کو ٹھنڈ سے بچانے کے لئے اسے کپڑے کی کئی تہوں میں لپیٹا گیا تھا۔ پلیٹ فارم پر بچہ تو تھا مگر دور دور تک اُس کی ماں نظر نہیں آ رہی تھی۔ آس پاس کوئی ایسا شخص بھی نہیں تھا جسے اس کا وارث مانا جا سکے۔ دفعتاً عرفہ نے نوزائیدہ بچے پر موت کو جھپٹا مارتے دیکھا۔ وہ چار پانچ آوارہ کتوں کا گروہ تھا۔ یقیناً وہ بھوکے تھے جو نرم گوشت اور ملائم ہڈیوں کی بو انہیں بچے تک کھینچ لائی تھی۔ کتے چالاک شکاری ہوتے ہیں، شکار پر جھپٹنے سے پہلے آس پاس کا معائنہ کرتے ہیں کہ اُن کے لئے کسی قسم کا خطرہ تو نہیں ہے۔ ان آوارہ بھوکے کتوں نے بچے سے کچھ دور کھڑے ہو کر آس پاس کا جائزہ لیا۔ اس کے بعد ایک بڑا جسیم کتا جو اس گروہ کا سردار معلوم ہوتا تھا، آگے بڑھ کر اس کپڑے کو منہ میں دبا کر کھینچنے لگا جس میں بچہ لپٹا ہوا تھا۔

بوڑھی عرفہ سمجھ گئی کہ ایک لمحہ کی تاخیر ہوئی نہیں کہ کتے نوزائیدہ بچے کو منہ میں دبا کر پوری قوت سے دوڑ لگا دیں گے اور کسی سنسان جگہ پر اسے چیر پھاڑ کر کھا جائیں گے۔ اس لئے وہ چیختی چلاتی اور کتوں کو دھتکارتی ہوئی نوزائیدہ بچے کو بچانے کے لئے بھاگ پڑی۔ بھوکے کتوں نے منہ سے نوالہ چھنتا دیکھ کر عرفہ پر ہی حملہ کر دیا۔ وہ زور زور سے بھونکتے ہوئے اسے کاٹنے کے لئے جھپٹنے لگے۔

عرفہ میں چار پانچ کتوں سے مڈبھیڑ کرنے کی طاقت نہیں تھی۔ اس لئے وہ پلیٹ فارم سے ریل کی پٹری پر کود گئی اور ایک بڑی لکڑی اٹھا اٹھا کر کتوں کو نشانہ بنانے لگی۔ لکڑی سے ڈر کے کتے بچے کے پاس سے دور ہٹ گئے تو عرفہ پھر پلیٹ فارم پر چڑھ گئی اور بلکتے بچے کو اٹھا کر کلیجے سے لگا لیا۔ لمس سے بچے کو ممتا کا احساس ہوا تو فوراً ہی چپ ہو گیا۔

بچے کو گود میں لئے ہوئے عرفہ نے پلیٹ فارم نمبر 5 ہی نہیں پورے ریلوے سٹیشن پر اُس بچے کے وارثوں کو تلاش کیا لیکن کسی نے اسے اپنی اولاد ہونا قبول نہیں کیا تو بچے کو چھاتی سے چپکاتے ہوئے عرفہ تھانہ ریلوے سٹیشن جا پہنچی اور سارا قصہ بتا کر بولی۔

''صاحب! میں اس بچے کا کیا کروں؟''

''اپنے گھر لے جاؤ''۔ تھانہ انچارج نے کہا۔ ''دل ہو تو خود پال لینا یا کسی بے اولاد کو دے دینا۔ بچے کی زندگی سنور جائے گی اور تمہیں بھی دعائیں ملیں گی''۔

عرفہ بچے کو چھاتی سے چپکائے ہوئے ریلوے سٹیشن سے باہر آ گئی۔ کھانا پکانے کے لئے جلانے والی لکڑیاں جمع کرنے کا اُسے ہوش نہیں رہا تھا لیکن گھر لوٹنے کے بجائے وہ نوزائیدہ بچے کو قریبی ہسپتال لے

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

گئی۔ وہاں ڈاکٹروں کو دکھایا تو چیک اپ کرنے کے بعد انہوں نے بتایا کہ بچہ پوری طرح صحت مند ہے، بس بھوکا ہے۔ پیٹ بھر جائے گا تو رونا بند کر کے سو جائے گا‘‘۔ ہسپتال میں ہی عرفہ کو معلوم ہوا کہ وہ بچہ لڑکا نہیں لڑکی ہے۔

گھر پہنچ کر اس نے شوہر علی اسلم کو سارا قصہ سنایا۔ علی اسلم خوش ہوا اور بولا۔ رابعہ اور فاطمہ کے سسرال جانے کے بعد ہمارا گھر سُونا ہو گیا تھا۔ اس بچی کے آ جانے سے ہمارے گھر میں پھر سے رونق بڑھ جائے گی اور ہماری زندگی بھی ہنستے کھیلتے گزرے گی۔ رابعہ اور فاطمہ کو پتہ چلا کہ اوپر والے نے انہیں ایک بہن کا تحفہ دیا ہے۔ تو وہ بھی اسے دیکھنے آئیں۔ ان کے شوہر بھی خوش تھے کہ بیٹیوں کی رخصتی کے بعد ساس سسر کی زندگی میں جو سُونا پن آیا تھا اس کی تلافی ہو گئی ہے۔

دن گزرنے لگے۔ لڑکی کا نام انہوں نے رومان رکھا تھا۔ گزرتے دنوں کے ساتھ رومان بڑی ہونے لگی۔ تھوڑا سمجھ دار ہوئی تو عرفہ نے اسے اپنے ساتھ کام پر لے جانا بند کر دیا لیکن اس کو لکھانے پڑھانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا لیکن رومان کیسے اَن پڑھ رہ جاتی۔ اسے پڑھنے لکھنے کا شوق تھا۔ قادر آباد کے کچھ ہی بچے سکول جاتے تھے۔ رومان اُن بچوں کو صاف ستھرے کپڑوں میں کاپی کتابیں لئے سکول جاتے دیکھتی تو اسے اچھا لگتا تھا۔ رومان آٹھ سال کی ہوئی تو سکول جانے کی خواہش مزید زور پکڑنے لگی۔ اپنے ساتھی بچوں کو بھی اس نے سکول جانے کے لئے اکسانا شروع کر دیا لیکن کسی بچے نے سکول جانے میں دلچسپی نہیں لی تو بھی رومان نے ہار نہیں مانی۔ اس نے عرفہ اور علی اسلم سے ضد پکڑ لی۔

’’میں سکول جاؤں گی‘‘۔

علی اسلم نے سمجھایا۔ ’’اپنے گاؤں کا کوئی بھی بچہ سکول نہیں جاتا، تم کیوں اس روایت کو توڑ رہی ہو۔ جب

جگنو

جگنو کی روشنی ہے کاشانہ چمن میں
یا شمع جل رہی ہے پھولوں کی انجمن میں
آیا ہے آسماں سے اُڑ کر کوئی ستارہ
یا جان پڑ گئی ہے مہتاب کی کرن میں؟
یا شب کی سلطنت میں دن کا سفیر آیا؟
غربت میں آ کے چمکا، گمنام تھا وطن میں؟
تکمہ کوئی گرا ہے مہتاب کی قبا کا؟
ذرّہ ہے یا نمایاں سورج کے پیرہن ہیں؟
حُسنِ قدیم کی یہ پوشیدہ اک جھلک تھی
لے آئی جس کو قدرت خلوت سے انجمن میں؟
چھوٹے سے چاند میں ہے ظلمت بھی روشنی بھی
نکلا کبھی گہن سے، آیا کبھی گہن میں
پروانہ اک پتنگا، جگنو بھی ایک پتنگا
وہ روشنی کا طالب، یہ روشنی سراپا
(کلیاتِ اقبال)

کوئی نہیں سکول جا رہا تو تم بھی یہ خیال اپنے دل سے نکال دو‘‘۔

عرفہ نے بھی سمجھایا۔ ’’بیٹی! پڑھائی میں کیا رکھا ہے، لڑکیوں کو گھر گرہستی کے کام سیکھنا چاہئیں، مستقبل میں وہی کام آئیں گے‘‘۔

لیکن رومان ضد چھوڑنے کو تیار نہیں تھی۔ مجبوراً علی اسلم اور عرفہ مان گئے۔ رومان کو نہلا دھلا کر سکول لے گئے اور ہیڈ ماسٹر سے کہہ کر اس کا نام درجہ رول میں لکھوا دیا۔ بازار سے وہ اس کے لئے سکول بیگ پنسل کاپی اور کتابیں بھی خرید لائے۔ اب دوسرے بچوں کی طرح رومان بھی روز صبح صاف ستھرے کپڑے پہن کر خوشی سے اچھلتی کودتی سکول جانے لگی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

رومان کے دوپہر کے کھانے کی فکر بھی عرفہ کے دل سے اتر گئی۔ اُسے پتہ تھا دوپہر کا کھانا سکول میں پکتا ہے اور سارے بچے ایک ساتھ بیٹھ کر کھاتے ہیں۔ محلے کے کچھ بچے ایسے بھی تھے جن کے دل میں پڑھنے کی خواہش تھی مگر گھر والے انہیں پڑھانے کے خلاف تھے۔ اُن کی نظر میں سکول جانا وقت اور پیسے کی بربادی تھی۔ اس لئے ایسے بچوں کو رومان اپنے گھر بلا کر خفیہ طور سے پڑھانے لگی۔ ننھی رومان نے علم کی جو روشنی پھیلائی قادر آباد کو اس کا ثمر یہ ملا کہ نیا سال شروع ہونے پر رومان کے پڑھائے ہوئے کچھ بچوں نے ماں باپ سے ضد کر لی کہ وہ سکول جائیں گے تو حیرت زدہ ہو کر وہ سکول میں اپنی اولاد کا نام لکھوانے کو راضی ہو گئے۔ نئے سال میں متعدد ایسے بچے سکول جانے لگے جن کے سکول جانے کا کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ رومان کی یہ بڑی جیت تھی۔ پھر رومان کی بھرپور کوششوں کا ہی یہ نتیجہ تھا کہ سکول کے ہر ایک نئے تعلیمی سیشن میں قادر آباد سماج کے بچوں کی تعداد بڑھتی گئی۔ سکول کے بعد رومان خود تو پڑھتی ہی تھی دوسرے بچوں کو بھی پڑھانے لگی۔ اس لئے کل کی رومان گاؤں کے بچوں کے لئے آج کی ''رومان باجی'' ہو گئی۔ چھوٹا ہو یا بڑا کوئی بھی رومان کو اس کے نام سے نہیں پکارتا۔ نام کے بعد (باجی لگانا ضروری تھا) رومان کو گاؤں میں وہ عزت اور پیار مل رہا تھا جو عرفہ اور علی اسلم کو کبھی نہیں ملا تھا۔ رومان کو تعلیم کے میدان میں ساتھی بچوں کی سربراہی کرتا دیکھ کر عرفہ اور علی اسلم کی چھاتی چوڑی ہو جاتی۔

''آج میری رومان چھوٹے بچوں کو پڑھا رہی ہے''۔ عرفہ کہتی۔ ''کل بڑے بچوں کو پڑھائے گی۔ اے خدا! رومان کو میرے گھر بھیج کر تو نے ہمیں کس ثواب کا انعام دیا ہے۔ مجھے تو جیتے جی ہی جنت مل گئی''۔

پندرہ جون 2009ء کی بات ہے، اُن دنوں رومان درجہ چار میں پڑھ رہی تھی اور اس کی عمر گیارہ سال تھی جس جگہ قادر آباد گاؤں بسا تھا۔ وہاں سے ہائی وولٹیج تار نکلتا تھا۔ گیارہ ہزار کا کرنٹ دوڑتا تھا۔ اس میں زیادہ تر مکان اس لائن کے نیچے بنے ہوئے ہیں۔ کسی کی چھت پھونس کی تو کسی کی چھت کھپریل کی۔

ایک دن اچانک ہی ایک تار ٹوٹ کر کچے مکانوں پر گر گیا۔ تار ٹوٹنے سے آتش بازی کی طرح چنگاریاں پھوٹنے لگیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے آگ لگ گئی۔ پھونس کی چھت دھڑ دھڑ کر جلنے لگی۔ کرنٹ بھی اپنا قہر دکھانے لگا۔ کچھ لوگ جان بچانے کے لئے کنبے کے ساتھ مکانوں سے نکل بھاگے اور کچھ لوگ اس کوشش میں جٹ گئے کہ جلتے مکان سے روزانہ ضروریات کا اپنا سامان محفوظ نکال لائیں۔ ایسے لوگوں میں عرفہ بھی ایک تھی۔ ایک بار تو عرفہ کچھ سامان نکال لینے میں کامیاب ہو گئی مگر دوسری بار وہ اندر گئی تو پھر واپس نہیں آئی۔ پہلے اس کی چیخیں گونجیں پھر سب نے اسے سوکھی لکڑی کی مانند جلتے دیکھا۔ کون کسے بچانے کے لئے آتا، پورا گاؤں ہی تو آگ کی لپٹوں میں گھرا تھا۔

جانے عرفہ کرنٹ سے جلی یا بھیانک آگ اسے نگل گئی۔ باقیات کی شکل میں اس کی کچھ ہڈیاں ہی علی اسلم کے ہاتھ آئیں۔ تیس گھر پوری طرح جل کر راکھ ہو چکے تھے۔ گھر میں جو تھا سب بھسم ہو گیا تھا۔ ہاں جان صرف عرفہ کی گئی تھی۔ ماں کی موت کے سوگ سے ابھرنے کے بعد رومان آم کے جس پیڑ کے نیچے پناہ لئے ہوئے تھی وہیں پر اس نے کلاس لگانا شروع کر دی۔ وہ خود پڑھتی اور دوسرے بچوں کو بھی پڑھاتی۔ آگ میں پالنے والی ماں عرفہ اور پوری گرہستی گنوانے کے باوجود پڑھائی کے لئے رومان کا جوش کم نہیں ہوا تھا۔ جو بچے سکول نہیں جاتے تھے انہیں بھی وہ پڑھنے کے لئے متحرک کرنے لگی۔ رومان کی ان کوششوں کی خبر ضلع انتظامیہ کو

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہوئی تو کچھ افسران نے قادر آباد جا کر رومان سے ملاقات کی اور اس کی کوششوں کو سراہا۔ اس کے ساتھ ہی رومان کی خصوصی صلاحیت کے مدِنظر اسے درجہ چار سے ہٹا کر درجہ پانچ میں داخل کرادیا۔

رومان کے ذریعے کی جارہی تعلیمی کوششوں کو قادر آباد کی ایک تنظیم ''انجمن اتحادِ اسلام'' نے بھی نوٹس لے لیا۔ تنظیم کے نائب صدر حیدر علی جو اخبار نویس بھی ہیں، نے ننھی ٹیچر کے زندگی کے ہر پہلو کو اجاگر کرکے پوری دنیا کے کونے کونے تک پہنچانے کا عہد کیا۔ پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا کے ذریعے ننھی ٹیچر کی محرومیوں کی شکار ہونے کے باوجود خود پڑھنے اور دوسرے بچوں کو بھی پڑھانے کی لگن کی کہانی ملک اور سماج کے سامنے آئی تو ضلعی انتظامیہ کے کانوں پر بھی جوں رینگی۔

ڈی سی او عاصمہ صدیقی نے اعلان کیا کہ حکومت کی طرف سے رومان کو ایک لاکھ روپے کی امداد دی جائے گی۔ آخر 2010ء میں رومان کو ایک لاکھ روپے کا چیک دیا گیا۔ الیکٹرانک میڈیا کے ذریعے سے رومان کی چرچا سرحد پار کرکے دوسرے ممالک تک پہنچی تو فرانس کی ایک تنظیم کی دو رکنی ٹیم نے پاکستان آ کر قادر آباد گاؤں کا دورہ کیا۔ ٹیم نے آم کے پیڑ کے نیچے بچوں میں تعلیم کی جوت جگانے والی ٹیچر رومان پر ڈاکیومینٹری فلم بنائی۔ فرانسیسی ٹیم کی شکل میں پاکستان آئے تھے۔ محسن این ہٹی اور ابورادھر نے رومان پر ایک کتاب کی بھی تخلیق کی۔ نام رکھا گیا ''رومان سکول، انڈر دی مینگوٹری'' یہ کتاب فرانس میں شائع ہوئی۔ کتاب کی ریلیز 20 اپریل 2011ء کو پیرس میں ایک عظیم الشان پروگرام میں ہوئی۔ اس پروگرام میں حصہ لینے کے لئے رومان کو بھی فرانس جانا تھا لیکن وقت پر پاسپورٹ نہ بن پانے کے سبب نہ جاسکی۔

رومان پر لکھی کتاب سوئٹزرلینڈ کے باشندے مائیکل سلاملوڈ نے پڑھی تو ان کے دل پر اُس کے لئے کچھ کرگزرنے کی تمنا زور مارنے لگی۔ اس لئے جتنا جلد ممکن ہوسکا وہ پاکستان آ کر قادر آباد گاؤں پہنچ گئے۔ کتاب میں انہوں نے جیسا پڑھا تھا رومان کو ویسا ہی پایا۔ مائیکل کو یہ جان کر بے حد حیرت اور مسرت ہوئی کہ قادر آباد کا کوئی بھی بچہ اب گلیوں میں کھیل کر اپنا بچپن نہیں کھوتا، سارے بچے سکول جاتے ہیں۔ اس کے بعد مائیکل نے انتظامیہ سے اجازت لے کر گاؤں میں قطعہ خریدا اور سکول کا نقشہ بنوا کر اس پر عمارت کی تعمیر شروع کروادی۔ کچھ ماہ میں عمارت بن کر تیار ہوگئی تو رومان کے نام پر ہی اس کا نام ''رومان پرائمری سکول'' رکھا۔

موجودہ وقت میں رومان پرائمری سکول میں سو سے زائد طلباء و طالبات زیر تعلیم ہیں۔ کسی سے کوئی فیس نہیں لی جاتی سکول کا سارا خرچ مائیکل کی تنظیم برداشت کرتی ہے۔

ملک اور غیر ممالک میں مل رہی عزت اور شہرت سے رومان خوش ہے اور اسے دکھ اس بات کا ہے کہ عرفہ اس کی ترقی دیکھے بغیر اس دنیا سے چلی گئی۔ رومان کو علی اسلم کا سہارا تھا مگر دسمبر 2012ء میں وہ بھی اللہ کو پیارے ہوگئے۔ کہنے کو پوری دنیا میں رومان اکیلی ہے مگر حقیقت میں پوری دنیا اس کے ساتھ ہے۔

رومان کی خواہش ملک سے جہالت کو مٹانے کی ہے۔ وہ کہتی ہے کہ میں پورے ملک کے بچوں کی تقدیر تو نہیں بدل سکتی، ہاں جتنی میری حدود ہے اس میں کوشش کروں گی کہ کوئی بھی بچہ اَن پڑھ نہ رہنے پائے۔

رومان کو دکھ نہیں کہ پیدا ہوتے ہی وہ لاوارث چھوڑ دی گئی مگر خدا کا شکر بھی ادا کرتی ہے کہ اُسے عرفہ جیسی ماں اور علی اسلم جیسے باپ ملے۔ رابعہ اور فاطمہ نے بھی اسے بڑی بہن جیسا پیار دیا۔

O*O

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

طنز و مزاح

پوری گھر والی

میں طبعاً متغیر مزاج اور تبدیلی پسند ہوں اور اس لئے کئی
ملازمیں اور کاروبار بدلے مگر بیوی آج تک ایک ہی
رکھی ہوئی ہے وہ میری اس قربانی کی قدر نہیں کرتی

☆ -- خادم حسین مجاہد

یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ عورتوں میں عقل نہیں ہوتی اور اگر بفرض محال کسی ایک آدھ میں ہو بھی تو وہ اسے استعمال نہیں کرتی اس لئے اس کا ہونا نہ ہونا برابر ہی ہے۔ بڑی خواہش تھی کہ ہماری گھر والی بے شک لاکھوں میں ایک نہ ہو مگر ان ہزاروں میں ایک ضرور ہو جو کچھ عقل رکھتی ہیں مگر ہمارے ایسے تیز نصیب کہاں۔ تبادلۂ خیالات کے بعد دعا کی جو حماقت ہو گئی ہے اب اللہ اسے نبھانے کی توفیق عطا کرے کیونکہ اس سلسلے میں مزید کوئی تجربہ خطرے سے خالی نہیں تھا اور اس بات کی کیا گارنٹی تھی کہ نتیجہ پہلے جیسا نہیں نکلے گا۔

اس کو صفائی کا وہم ہے۔ آندھی ہو یا طوفان، بارش ہو یا دھوپ، گرمی ہو یا سردی، صحت ہو یا بیماری فرش ضرور دھلیں گے چاہے بجلی کا بل جتنا بھی آئے اور فرش دھلنے سے لے کر سوکھنے تک گھر میں کرفیو ہوتا ہے۔ کوئی بچہ اور بڑا گھر میں نہیں آ سکتا اور جو گھر میں ہیں وہ باہر نہیں جا سکتے۔ حالانکہ ہماری صفائی کرنا ہوتی یا گھر کی والدہ نے ہمیشہ جھاڑو استعمال کی مگران کی کمر دکھتی ہے اس میں بھی عجب اصول ہے کہ جو کمرے ذرا کم استعمال ہوتے ہیں ان کی مہینوں صفائی نہیں کرنی۔

اگر میں کبھی بیمار ہو جاؤں تو ساتھ ہی بیمار پڑ جاتی ہے اس لئے نہیں کہ ہمارے درمیان کوئی لیلیٰ مجنوں والا عشق ہے بلکہ اس لئے کہ زیادہ دیکھ بھال نہ کرنا پڑے اور جو تھوڑی بہت خدمت کرتی ہے وہ بھی یہ جتا کر کہ دیکھو میری اپنی طبیعت بڑی خراب ہے پھر بھی میں آپ کی خدمت کر رہی ہوں۔ خدمت میں بھی اس کی اپنی حدود ہیں سارے جسم کو دبانا ہے لیکن پیروں کو نہیں کہ اس سے ہاتھوں میں ہڈیاں چبھتی ہیں اور درد ہوتا ہے۔ بام سے مالش کرنی ہے لیکن ونٹو جینو یا آیوڈیکس سے نہیں کہ ان کی بو ہے۔ اب میں ان میں خوشبو ڈلوانے سے تو رہا۔ قے کرنے کی اجازت نہیں کہ اسے دیکھ کر بیگم صاحبہ کو بھی قے آ جاتی ہے اس لئے اگر کوئی ایسی ایمرجنسی پیش آ جائے تو باتھ روم کی طرف دوڑ لگانی پڑتی ہے۔

خود بیگم صاحبہ سال کے 365 دنوں میں محض 65 دن ہی کسی قدر صحت مند ہوتی ہیں یا ظاہر کرتی ہیں اس لئے ڈاکٹروں کے پاس حاضری روٹین کی بات ہے جہاں تک دوا کا تعلق ہے دو تین خوراکیں کھا کر چھوڑ دیتی ہے کہ آرام نہیں آیا کیونکہ پرہیز جو نہیں کرتی۔ ایک بار ڈاکٹر نے چربی زائل کرنے کے لئے بڑی مہنگی دوا لکھی جو تنخواہ پر پتھر رکھ کر لے آیا۔ صبح دیکھا کہ گھی سے تر بتر پراٹھا کھانے میں مصروف تھیں میں نے کہا اگر پرہیز نہیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

کرنی تو اتنی مہنگی دوا کھانے کی ضرورت کیا ہے۔ بولیں آپ کہتے ہیں تو نہیں کھاتی (دوا) لیکن اگر میں پراٹھا نہ کھاؤں تو اٹھا نہیں جاتا اور اگر اٹھوں گی نہیں تو گھر کا کام کون کرے گا۔ کئی بار کہا کہ مجھے دوسری شادی کرنے دو تمہیں بھی کچھ آرام مل جائے گا اور میری خدمت بھی وہی کرلے گی مگر ان کو اپنی بے آرامی منظور ہے مگر مجھے سکون آجائے، برداشت نہیں حالانکہ میں کم سے کم دو شادیوں کا قائل تھا بلکہ پہلی شادی کی ہی اس لئے تھی کہ دوسری کر سکوں مگر ان کی وجہ سے میرے نظریات پہلے جیسے نہیں رہے سوچتا ہوں کہ دوسری بھی پہلی جیسی ہوئی جس کا کافی امکان ہے کیونکہ عورتیں اکثر ایک جیسی ہی ہوتی ہیں چاہے مختلف بھی لگ رہی ہوں تو پھر کہاں جاؤں گا۔

اس کے مالیاتی اصول یہودیوں اور ہندوؤں سے ملتے جلتے ہیں۔ میکے یا سسرال کے بڑوں سے موقع بموقع جو بھی نقدی اسے وصول ہوتی ہے وہ بحق بیگم سرکار ضبط ہو جاتی ہے اور واپسی ان کو جو کچھ دینا ہوتا ہے وہ مجھے اپنی جیب سے دینا ہوتا ہے اگر کبھی حساب طلب کروں تو کہتی ہے کہ ان کے تو میں نے جوتے اور کپڑے لے لئے آپ کی ہی بچت کی ہے وہ نہ ہوتے تو آپ کو جیب سے دینا پڑتے حالانکہ ان کی ضرورت ہی کہاں ہوتی ہے لیکن ان کی تو خواہش ہمیشہ ہی ہوتی ہے کہ جوتے اور کپڑے ہوں اور بہت ہوں اور اس بہت کی تو کوئی حد نہیں بے شمار جوتے اور کپڑے ہونے کے باوجود جب کہیں باہر جانا ہوتو کہتی ہے کہ میرے پاس کہیں جانے کے لئے تو کوئی کپڑا ہی نہیں جب میں کچھ نئے کپڑوں کی طرف توجہ دلاتا ہوں تو کہتی ہے کہ وہ تو میں ایک ایک بار پہن چکی ہوں اور وہ سب دیکھ چکے ہیں۔ حد تو یہ ہے کہ صرف شادی یا تقاریب کے لئے ہی نہیں بلکہ تقریب تعزیت پر جانے کے لئے بھی نیا جوڑا چاہئے کیونکہ وہاں بھی لوگ نئے کپڑے پہن کر آتے ہیں اور اگر وہ نئے کپڑے پہن کر نہیں جائے گی تو میری ہی بے عزتی ہوگی کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا۔

اکثر عورتوں کی طرح یہ بھی ادب دشمن ہے قیمتی کتابیں، رسالے اور دستاویزات اس کی نظر میں ردی ہے اس کا بس چلے تو سب کچھ ردی میں دے کر چار پیسے کھرے کرلے۔ فرمائش پر لکھی اور پسند کی جانے والی میری تحریریں اس کی سمجھ میں نہیں آتیں اس لئے کم ہی پڑھتی ہے اگر پڑھ لے تو ناراض ہو جاتی ہے کہ میں عورتوں کے خلاف کیوں لکھتا ہوں حالانکہ اس کی وجہ تو وہ خود ہی ہے۔

اس کا مزاج حاکمانہ ہے جس کی وجہ سے گھر میں ہر وقت نیم ایمرجنسی کا سماں رہتا ہے اوپر سے اس کا بلڈ پریشر بھی 24 گھنٹے ہائی رہتا ہے جس کی وجہ سے بچے تو کیا بڑے بھی سہمے رہتے ہیں کیونکہ گھر میں کچھ بھی ان کی مرضی کے خلاف ہو جائے تو طوفان آجاتا ہے اس لئے امن قائم رکھنے کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ ہر معاملے میں ان کی اجازت لی جائے، خصوصاً جس کا تعلق گھر کے معاملات سے ہو۔

عام عورتوں کی طرح انہوں نے نہایت نکتہ چیں قسم کی طبیعت پائی ہے خصوصاً ان کو میری ہر بات پر اعتراض ہوتا ہے اگر فون کروں تو اعتراض کہ وقت ضائع کرتا ہوں اگر فون آجائے تو کہتی ہیں کہ میرے دوستوں کو اور کوئی کام ہی نہیں اگر گھر کے تالے وغیرہ کا خیال نہ رکھوں تو لاپروا اور اگر چیک کروں تو وہمی۔ گرمیوں میں میرے بار بار نہانے پر بھی اعتراض ہے حالانکہ گرمی کا اور کیا علاج اگر پانی ٹھنڈا ہو تو کیا ہی بات گرم بھی ہو پسینہ تو صاف ہوتا ہے جراثیم بھی مر جاتے ہیں اور مساج مفت میں ہو جاتا ہے۔ پھر جب گرم پانی سے نہا کر نکلیں تو باہر ٹھنڈ محسوس ہوتی ہے مگر اسے تو اعتراض کرنے کی عادت ہے اسے کیا پتہ کہ انگریز سٹیم باتھ کیوں لیتے ہیں۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

میں طبعاً متغیر مزاج اور تبدیلی پسند ہوں اور اس لئے کئی ملازمیں اور کاروبار بدلے مگر بیوی آج تک ایک ہی رکھی ہوئی ہے وہ میری اس قربانی کی قدر نہیں کرتی اور کہتی ہے کہ یہ تو ہاتھ نہ پہنچے تھوکوڑی والی بات ہے حالانکہ یہ کوئی مشکل کام تھوڑا ہی ہے لیکن میں اس کو سبق سکھانے کے لئے خود عبرت کی مثال بننا نہیں چاہتا اسی لئے وہ شیرنی بنی پھرتی ہے۔

زندگی کے اندرونی و بیرونی مسائل ٹینشن پیدا کرتے ہیں جس سے یادداشت متاثر ہوتی ہے ظاہر ہے میں بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہوں اس لئے گھر کی کوئی چیز لانا بھول جاؤں تو طوفان مچا دیتی ہے کہ باقی سب تو یاد رہتا ہے جو میں کہوں وہی بھول جاتا ہے حالانکہ وہ باقی سب بھی اسی کا آرڈر ہوتا ہے اور ٹینشن دے کر یادداشت متاثر کرنے میں دیگر عوامل کے ساتھ اس کا اپنا رول بھی نہایت اہم ہے مگر وہ کب مانتی ہے۔

وہ اپنے سارے کام خود کرتی ہے اور مجھ سے بھی یہی توقع کرتی ہے حالانکہ بہت سے ایسے کام ہوتے ہیں جو کہ اس کی مدد کے بغیر نہیں ہو سکتے مگر اس کی مدد حاصل کرنا بھی ایک سائنس ہے اس لئے صرف خوشامد در آمد ہی نہیں بلکہ کچھ عملی مدد بھی کرنا پڑتی ہے اس کے کاموں میں پھر ہی تعاون ملتا ہے۔ ایک بار نہ ضرور کرتی ہے پھر چاہے کام کر بھی دے یعنی دودھ تو دیتی ہے مگر مینگنیاں ڈال کے۔

شادی سے قبل میرے عورتوں کے بارے میں بڑے اچھے جذبات تھے میں شاعری بھی کیا کرتا تھا مگر اب وہ جذبات الٹی سمت اختیار کر چکے ہیں۔ شاعری سے تو عرصہ ہوا تائب ہو چکا ہوں وجہ تو آپ سمجھ ہی گئے ہوں گے اب بتا کر شامت کو آواز دینا ضروری ہے کیا؟

❁❁❁

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

ایک معمولی آدمی کے عزم و ہمت اور سعی پیہم کی داستان، اس نے نشیب سے بلندی کا حیرت انگیز سفر کیا۔

☆ عبدالحفیظ بشر
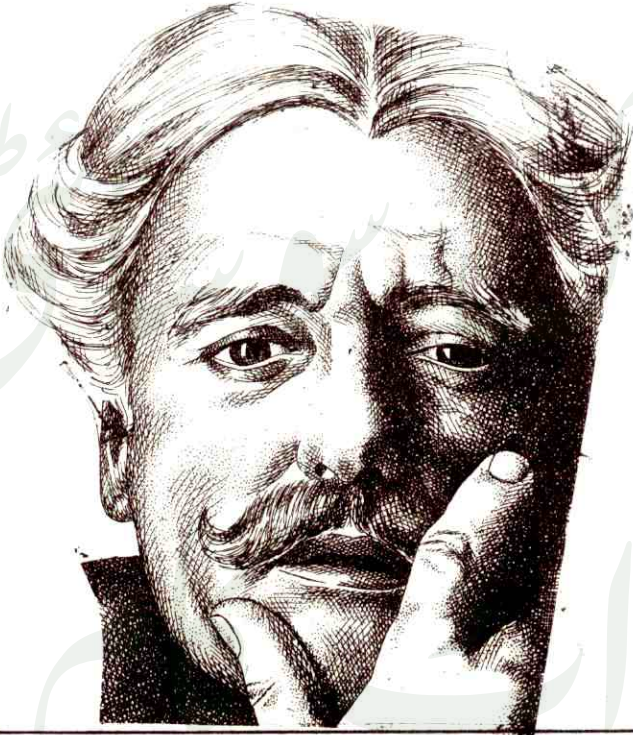
وہ بھی کیا دور تھا جب ہم گاؤں کے پرائمری سکول میں پڑھا کرتے تھے۔ روزمرہ سکول کے کام کاج سے فارغ ہو کر سکول کی کچی پکی گراؤنڈ میں کھیلتے کودتے یا کھیت کھلیانوں میں کِھدو ٹلہ، گلی ڈنڈا، جیسے روایتی کھیل سے لطف اندوز ہوتے۔ اس وقت ہمیں گرمی سردی کا کوئی احساس نہ ہوتا۔ نوعمری کا زمانہ تھا، گاجر مولی، شلجم، تربوز، توڑ کے کھاتے اور کھایا پیا سب کچھ ہضم ہو جاتا۔ دور دور تک تھکاوٹ یا کسی بھی بیماری کا نام و نشان تک نہ ملتا۔ روزمرہ کی زندگی میں ایک عجیب قسم کا نشہ اور لطف و سرور تھا جو وقت کے ساتھ ساتھ دم توڑتا چلا

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

گیا۔ دن بھر کی مصروفیت کے بعد شام ڈھلنے کو ہوتی، پورا گاؤں تاریکی میں ڈوب جاتا تو پھر لوگ اپنے اپنے گھروں سے شام کا کھانا کھا کر ہاتھوں میں حقہ اٹھائے ہوئے گاؤں کے ڈیرے پر جمع ہونا شروع ہو جاتے۔ جہاں کشادہ صحن میں چارپائیاں پڑی ہوتیں گاموجو گاؤں کا چوکیدار تھا، ہر شام معمول کے مطابق بوسیدہ سی لالٹین کو روشن کر کے لٹکا دیتا۔ لالٹین روشن ہونے کی صورت میں ڈیرے کی رونق بحال ہو جاتی۔ سارے دن کی کھیتی باڑی اور مشقت کے بعد گاؤں کے لوگ وہاں جمع ہو جائے۔ پھر مختلف نوعیت کی باتوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا۔ گاؤں میں دن بھر ہونے والی باتیں پرانی باتیں، لڑائی جھگڑا، چوری چکاری، دنگا فساد، قتل گیری کی وارداتیں وغیرہ وغیرہ۔

سب سے ایک طرف ذرا سا ہٹ کے گاؤں کا نمبردار جسے سرپنچ بھی کہتے ہیں، ایک بڑی سی چارپائی پر صاف ستھری چادر بچھائے، گاؤ تکیہ لگائے حقے کی نے منہ میں دبائے لمبے لمبے کش لگاتا ہوا مجلس کی باتیں بڑے غور سے سنتا۔ جب وہ ضرورت محسوس کرتا تو اپنی رائے بھی دیتا۔ نمبردار کی خدمت کے لئے گاموچوکیدار کھڑے کھڑے نمبردار کے پاؤں بھی دباتا رہتا لیکن اسے چارپائی پر نمبردار کے برابر بیٹھنے کی اجازت ہرگز نہ ہوتی تاکہ دیگر مجلس میں بیٹھے ہوئے لوگوں کو پتہ چلے کہ نمبردار ایک بڑا آدمی ہے اور مشکل کی گھڑی میں ہمارا محافظ بھی ہے۔ جب روزمرہ کی باتیں ختم ہونے کو ہوتیں تو پھر دتو مراثی کی باری آتی اور ہنسی مذاق کی باتیں طرح طرح کے لطیفے، لوک کہانیوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو جاتا جو کم و بیش آدھی رات تک چلتا رہتا۔

جب کبھی تحصیل شہر سے کوئی سرکاری اہلکار مثلاً تھانیدار، تحصیلدار، مال آفیسر یا عملہ پٹوار وغیرہ وغیرہ دورے پر آتے تو پھر اس صورت میں ایک دو دن کے لئے ڈیرے کی رونقیں بالکل ماند پر جاتیں اور نمبردار کی تمام تر توجہ ان مہمانوں پر مرکوز ہوتی۔ اچھا کھانا، دودھ لسی سے ان کی تواضع ہوتی۔ رات بسر کرنے کے لئے ڈیرے پر صاف ستھرے بستر، سوتری، کڑتل اور باریک سن کے ریشے سے بنی ہوئی رنگین پایوں والی چارپائیاں ہوتیں۔ اہلکار نمبردار کے حسن سلوک اور مہمان نوازی سے بہت خوش ہوتے۔ اس کے عوض نمبردار ان اہلکاروں سے اپنے گاؤں کے لوگوں کے لئے تو کم ہاں، البتہ اپنے کورٹ کچہری میں پڑے ہوئے مقدمات کے حق میں ان کی حمایت حاصل کرتا۔ یہ ایک فرسودہ قسم کا نظام ہے جو دیہاتوں میں نظر آتا ہے اور اب اسے ختم ہو جانا چاہئے۔ جس کی امید بہت کم نظر آتی ہے کیونکہ ہمارے ملک کو جاگیردارانہ نظام نے پوری طرح اپنی گرفت میں جکڑ رکھا ہے۔ ان لوگوں کی جڑیں اتنی مضبوط ہیں کہ انہیں کاٹنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔

میں اس دور کی بات کر رہا ہوں جب ریڈیو، ٹی وی، ٹیلی فون اور نہ ہی دیہات میں بجلی تک میسر تھی۔ پھر تھوڑا آگے چل کر زمانے نے ترقی کی۔ دیکھتے ہی دیکھتے دیہاتوں میں بھی وہ تمام سہولتیں دستیاب ہونے لگیں جو شہروں میں تھیں۔ گاؤں کے ڈیرے ویران ہوتے چلے گئے۔ ریڈیو، ٹیلی وژن، ٹیلی فون گھروں کی زینت بن گئے اور یہاں تک کہ دور دراز دیہاتوں میں لوگوں کو بجلی جیسی سہولت بھی ملنے لگی اور انسان جو پہلے مل بیٹھ کر ایک دوسرے کے ساتھ باتیں، دکھ سکھ کا اظہار کر لیا کرتا تھا وہ بیگانہ سا ہوتا چلا گیا۔ دیہات میں بھی تعلیم کی روشنی پھیلنے لگی اور دیہاتی لوگوں میں بھی خوب سے خوب تر زندگی کی امنگیں اور خواہشیں جنم لینے لگیں اور وہ شہروں کا رخ کرنے لگے۔

ہمارے گاؤں میں ایک جلال حجام نامی شخص رہتا تھا، گاؤں کے لوگ اسے جلال کے نام سے تو کم ہی

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

جانتے، ہاں البتہ جالے کے نام سے پکارا کرتے تھے۔ سارا سال گاؤں کے لوگ چھوٹے بڑے اس سے بال کٹواتے اور ہاڑی سونی پر جب کھیتوں سے فصل اٹھائی جاتی تو اس کو بھی زندہ رہنے کے لئے دو چار بوریاں اناج کی مل ہی جاتیں یا پھر کسی بڑے زمیندار کے گھرانے میں لڑکی یا لڑکے کی شادی ہوتی تو اس کو بھی پہننے کے لئے پانچ سات گز کپڑا نصیب ہو جاتا۔ یا اس کو دس بیس روپے اضافی آمدنی ہو جاتی اور وہ بہت خوش اور مطمئن حال نظر آتا۔ جالا اپنے کام سے بہت مخلص تھا اور اللہ نے اس کو صبر، قناعت جیسی نعمت سے نواز رکھا تھا وہ کبھی کسی کے سامنے ہاتھ نہ پھیلاتا۔ کچھ نہ ہوتے ہوئے بھی وہ کہتا کہ اللہ تعالیٰ کا اس پر بڑا ہی کرم ہے۔

جلال کی دوستی گاؤں میں میرے والد چوہدری نذیر احمد کے ساتھ بھی تھی۔ جب بھی وہ اپنے روزمرہ کے کام کاج سے فارغ ہوتا سیدھا میرے والد کے پاس ملنے چلا آتا۔ ہمارے آبائی گھر کا صحن کشادہ تھا، والد نے اپنے آرام کے لئے گھر میں داخل ہوتے ہی صدر دروازے کے ساتھ ایک بیٹھک نما کمرہ بنا رکھا تھا جہاں والد صاحب کے قریبی دوستی احباب اور خاص کر جلال ہر روز پابندی سے آیا جایا کرتا تھا اور رات گئے تک گفتگو کا سلسلہ جاری رہتا۔ جلال میں ایک سب سے بڑی خوبی یہ بھی تھی کہ قدیم لوک کہانیوں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ اسے زبانی یاد تھا۔ میرے والد اس سے خصوصی طور پر کہانیاں شوق سے سنا کرتے تھے اور جلال رات گئے تک کہانیاں سناتا چلا جاتا تھا۔ بعض اوقات تو کہانی سناتے سناتے صبح کاذب ہو جاتی۔ پھر جلد ہی صبح کی اذان مسجد سنائی دینے لگتی پھر دونوں مسجد چلے جاتے۔ نماز کی ادائیگی کے بعد وہ اپنے اپنے گھر کی راہ لیتے اور سو جاتے۔

میرے والد از راہ عقیدت پیار محبت اسے ہر سال یا پھر ہر چھ ماہ بعد یعنی ہاڑی سونی اپنی طرف سے ایک دو بوری چاول یا گندم کی پابندی سے دیا کرتے۔ اس کے عوض پورا سال جلال ان کو حقہ تازہ کر کے پینے کو دیا کرتا اور اس کے ساتھ ساتھ گھر کا کوئی ہلکا پھلکا کام کاج بھی کر دیتا۔ عید، بقر عید پر اس کو ہمارے گھر والے کپڑوں کا جوڑا بھی دے دیتے اور وہ خوشی سے پھولے نہ سماتا۔ اس کے علاوہ ہمارے گھر میں کوئی بھی غمی خوشی کا موقع ہوتا جلال اور اس کے اہلِ خانہ کو ضرور مدعو کیا جاتا اور اس کے ہر دکھ درد کو سمجھا اور محسوس کیا جاتا اور حسب ضرورت اس کی مدد امداد بھی کی جاتی۔ بلکہ وہ ہمارے گھر کا ایک فرد تصور کیا جاتا۔ بعض اوقات تو میرے والد کی گھر سے عدم موجودگی پر وہ گھر کا پورا پورا خیال رکھتا۔

سیپی (پنجابی زبان میں بغیر تنخواہ کے ملازم کو کہتے ہیں) جلال کو ہم نے کبھی بیمار ہوتے نہیں دیکھا۔ اسے جب کبھی کہیں آنا جانا ہوتا ہمیشہ پیدل سفر کرتا۔ دو چار کوس پیدل ہر روز چلنا اس کا معمول زندگی تھا۔ جب کبھی اسے بخار ہوتا تو جلال دوائی دارو لینے کی بجائے کہیں سے دو تین سیر بھینس کے کٹے کا گوشت لے آتا اور مٹی کی ہنڈیا لے کر اس میں خوب نمک مرچ ڈال کر گھی کی بجائے گوشت کو پانی سے بھون بھون کر پیٹ بھر کر کھاتا۔ کھانے کے بعد کچھ عرصے کے لئے بستر پر چادر اوڑھ کر آرام کرتا، اسے خوب پسینہ آتا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کا بخار اتر جاتا اور پہلے کی طرح ہشاش بشاش نظر آتا۔ یا پھر کبھی کبھی اسے نزلہ زکام کی شکایت ہوتی تو اس صورت میں گرم گرم چائے کے ایک دو پیالے گڑ ملا کر چائے پیتا۔ پل بھر میں اس کا نزلہ زکام کا نام و نشان تک نہ رہتا۔ وہ فطرت میں ایک بھولا بھالا سیدھا سادہ لوگوں سے پیار محبت میل ملاقات رکھنے والا انسان تھا۔ شہر سے جب بھی کوئی مہمان گاؤں میں آتا تو وہ اس کو ایک عجیب قسم کی مخلوق تصور کرتا اور دل میں طرح طرح کے خیالات کے

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

ساتھ گم صم رہتا کہ کبھی وہ بھی شہر جائے گا۔ اس طرح صبح و شام گزرتے چلے گئے اس دوران میرے بڑے بھائی آصف چوہدری نے بی اے کا امتحان پاس کر لیا۔ اس کے لئے مزید تعلیم حاصل کرنا ممکن نہ رہا۔ تھوڑی زمین تھی اور آمدن محدود تھی، دوسرے بھائی بہن بھی زیر تعلیم تھے۔

ہماری اراضی پندرہ بیس ایکڑ سے زیادہ نہ تھی۔ اس کے باوجود ہمارے والد نے اپنے بچوں کی تعلیم پر خصوصی توجہ دی کیونکہ وہ سمجھتے تھے آگے چل کر یہی موروثی اراضی جب بیٹے بیٹیوں میں تقسیم ہوگی تو ہر ایک کے حصے میں دو ڈھائی ایکڑ سے زیادہ نہ ہوگی۔ بس یہی ایک وجہ تھی کہ ہمارے والد نے اپنی اولاد کو تعلیم کے زیور سے آراستہ کرنے کا فیصلہ کر رکھا تھا۔

1947-48ء کا دور تھا، پاکستان بن چکا تھا، متحدہ ہندوستان سے مہاجرین ہجرت کر کے پاکستان پہنچ گئے تھے۔ یہاں پر ہر شہر ہر گاؤں میں ہندو سکھوں کی متروکہ جائیداد عام تھی۔ لوکل، مہاجر جس جس کو بھی موقع ملتا اپنا قبضہ جمالیتا۔ پاکستان معرض وجود میں آچکا تھا۔ مہاجرین کی آبادی کاری کے لئے حکومت پاکستان نے اس وقت ایک محکمہ بحالیات بنایا جو مہاجرین کو ہندو سکھوں کی چھوڑی ہوئی متروکہ جائیداد کی الاٹمنٹ کا مجاز تھا۔

میرے والد کا ایک دیرینہ دوست تھا اور کسی حد تک رشتہ داری کا کچھ تعلق بھی تھا۔ ان دنوں وہ لاہور میں ڈپٹی کمشنر تھا۔ میرے والد اپنے بڑے بیٹے آصف کو ساتھ لے کر لاہور گئے اور اپنے دوست کو ملے اور اس سے کہا کہ اس کے بیٹے نے بی اے پاس کر رکھا ہے، مزید تعلیم کے لئے حالات سازگار نہیں کیونکہ اس کے دوسرے بچے بھی زیر تعلیم ہیں لہٰذا اس کو کسی سرکاری محکمے میں ملازمت دلا دے۔ بیٹے کے ملازم ہونے کی صورت میں وہ بھی اپنے بچوں سمیت لاہور رہائش پذیر ہونا چاہتا تھا کیونکہ گاؤں میں تعلیم کا حصول بہت مشکل ہے جبکہ شہر میں گاؤں کی نسبت بہت آسانیاں ہیں۔

میرے والد کی دونوں باتیں ان کے دوست کو پسند آئیں اور کہا کہ وہ اپنے دوست کی خواہش کو ضرور پورا کرے گا۔

اس وقت ضرورت کے پیش نظر حکومت نے دو تین نئے محکمے بنائے تھے مثلاً محکمہ بحالیات، فوڈ ڈیپارٹمنٹ، پھر تھوڑا آگے چل کر کلیمز ڈیپارٹمنٹ اور سٹاف کی ہر جگہ ضرورت بھی تھی، ان دنوں نوکریوں کا آج والا حال نہ تھا۔

تھوڑی سی کوشش کے بعد ڈی سی نے میرے بھائی آصف کو محکمہ بحالیات میں بطور انسپکٹر ملازم کروا دیا اور لاہور میں ہی اس کی پوسٹنگ بھی ہو گئی۔ بڑے بھائی کو ملازمت ملنے کے بعد میرے والد نے دوسرا کام یہ کیا کہ گاؤں میں اپنی اراضی ٹھیکے پر دے کر خود ساری فیملی کے ساتھ لاہور منتقل ہو گئے اور رہائش کے لئے مکان بھی کرائے پر لے لیا۔

ایک نئی زندگی کا آغاز ہو گیا۔ شروع شروع میں ہم لوگوں کو کچھ مشکلیں بھی پیش آئیں تاہم آہستہ آہستہ شہری زندگی سے مانوس ہوتے چلے گئے لیکن ہم نے گاؤں سے ناطہ نہ توڑا۔ ہم پانچ چھ ماہ بعد گاؤں کا چکر لگاتے اور اپنے دوستوں عزیز و اقارب کو مل آتے۔ ہمارے والد کسی نہ کسی بہانے ہر دو تین ماہ بعد گاؤں کا چکر ضرور لگا آتے۔ ہفتہ ہفتہ بیس دن گاؤں میں قیام کرتے۔ وہ اپنا زیادہ وقت اپنے دوست جلال کے ساتھ گزارتے اور جلال اکثر ہمارے والد کو کہتا کہ چوہدری صاحب وہ بھی لاہور شہر دیکھنا چاہتا ہے۔ اس کی یہ دلی خواہش بھی ہے کہ وہ زندگی میں داتا علی ہجویریؒ کے دربار پر حاضری دے۔ لاہور کی زندگی کے متعلق کچھ عجیب و غریب قسم کے سوال بھی کرتا۔ پوچھتا کہ چوہدری صاحب کیا وہاں ریل گاڑی بھی ہے، کیا آپ نے وہ دیکھی ہے، کیسی ہوتی ہے، کیسے چلتی

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔

ہمارے والد صاحب اس کے اس قسم کے سوالوں پر ہنس دیتے اور اسے کہتے جلال وہاں شہر لاہور میں اس کے علاوہ بھی بہت کچھ ہے جب بھی لاہور آؤ گے تو وہاں تمہیں دیکھنے کو بہت کچھ ملے گا۔

''لاہور دیکھنے کو بہت دل چاہتا ہے''۔ جلال کہتا۔ ''لیکن میں گاؤں میں اپنے بچوں کو کس کے سہارے چھوڑ کر جاؤں گا۔ وہ ہر روز پیدل ساتھ والے گاؤں تعلیم حاصل کرنے سکول جاتے ہیں''۔

''جلال! زیادہ غور و فکر بھی انسان کو کسی کام کا نہیں چھوڑتا''۔ میرے والد اُسے حوصلہ دیتے۔ ''اللہ پر بھروسہ کرنا چاہئے''۔

''چوہدری صاحب! آپ ٹھیک کہتے ہیں''۔ جلال نے کہا۔ 'میں وعدہ کرتا ہوں کہ اگلی بار جب آپ گاؤں آئیں گے تو پھر میں آپ کے ساتھ ضرور لاہور جاؤں گا۔ اگلے دو ماہ تک ہمارے گاؤں کے نمبردار کے بیٹے کی شادی ہے۔ شادی سے فارغ ہونے کی صورت میں ضرور لاہور آؤں گا''۔ پھر وہ بڑبڑاتا کہ کب داتا ہجویریؒ کی طرف سے بلاوا آئے گا۔ شاید اس کی یہ حسرت کبھی بھی پوری نہ ہو۔

میرا والد اسے تسلی اور حوصلہ دیتا۔ تم فکر مت کرو حوصلہ رکھو ایک نہ ایک دن تم ضرور لاہور آؤ گے اور ہمارے ہاں گھر پر قیام بھی کرو گے اور تمہیں لاہور کی جی بھر کے سیر بھی کرائیں گے اور وہ سن کر بہت خوش ہوتا۔ اس مرتبہ میرے والد نے اس کو احتیاطاً کاغذ کے ایک پرزے پر اپنا لاہور کا پتہ بھی لکھ دیا اور اسے تاکید کی کہ اس کاغذ کو سنبھال کر رکھے۔ جب کبھی بھی اُسے فرصت ملے یا اس کا پروگرام بنے تو وہ کسی کا انتظار کئے بغیر اس پتے پر گھر لاہور پہنچ جائے۔ اس نے اس کاغذ کے پرزے کو آسمانی صحیفے کی طرح سنبھال کر اپنے پاس رکھ لیا۔

اس طرح شب و روز گزرتے رہے۔ واپس لاہور آ کر میرے والد کو دل کا عارضہ لاحق ہو گیا اور انہیں ہسپتال داخل کروا دیا گیا۔ پانچ چھ ماہ تک علاج معالجہ ہوتا رہا اور اس دوران وہ گاؤں بھی نہ جا سکے۔ تاہم طویل علالت کے بعد ان کا انتقال ہو گیا اور لاہور میں انہیں دفن کر دیا گیا۔

دوسری طرف گاؤں میں جلال بھی پریشان تھا۔ اکثر دل میں خیال بھی کرتا کہ خدا خیر کرے چوہدری صاحب ایک عرصہ سے گاؤں نہیں آئے۔ وہ تو اتنی دیر تک رکنے والے آدمی نہیں تھے۔ وہ بہت زیادہ فکرمند رہتا لیکن اپنے دل کی کیفیت کا اظہار بھی کسی سے نہ کرتا۔ اب طرح طرح کے وسوسے اس کے دل و دماغ میں جنم لینے لگے۔

وہ جلد سے جلد لاہور کے لئے روانہ ہونا چاہتا تھا۔ ایک تو داتا ہجویریؒ کے دربار پر حاضری دینے کے لئے دوسرے میرے والد کو ملنے کے لئے۔ اس کی راہ میں رکاوٹ نمبردار کے بیٹے کی شادی تھی جو ایک ہفتے تک متوقع تھی۔ جونہی جلال شادی سے فارغ ہوا اور لاہور کی تیاری کرنے لگا۔ ہمارے گھر کا ایڈریس تو اس کے پاس تھا۔ پچاس روپے اور کاغذ کا پرزہ جس پر ہمارے گھر کا پتہ لکھا ہوا تھا۔ دونوں چیزیں اس نے بڑی احتیاط سے ایک کپڑے کی تھیلی میں محفوظ کر کے اپنی جیب میں رکھی اور پیدل لاہور تک کا سفر کرنے کا ارادہ کیا اور اپنے گھر والوں سے اجازت لی کہ وہ لاہور داتا دربار اور اپنے دوست کو ملنے جا رہا ہے۔ بھلا اس کے گھر والوں کو کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ انہوں نے اسے خوشی خوشی گھر سے رخصت کیا۔

جلال ایک لمبا اور تھکا دینے والا سفر کر کے رات کو لاہور پہنچ گیا داتا کی نگری پہنچ کر سب سے پہلے اس نے داتا ہجویریؒ کے دربار پر حاضری دی کچھ عرصہ تک وہاں

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

ٹھہرا دربار کے لنگر سے کھانا کھایا۔ رات ہو چکی تھی اور ایسے میں ہمارا گھر تلاش کرنا اس کے لئے مشکل تھا۔ لہٰذا اس نے دربار کے قریب باغیچے میں جہاں اور لوگ بھی جو دور دراز علاقوں سے آئے ہوئے تھے وہاں رات بسر کرنے کا فیصلہ کیا۔ مئی جون کا مہینہ تھا ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی جلال دن بھر کا پیدل سفر کر کے تھکا ہارا تھا چادر بچھائی اور ہری ہری گھاس پر سو گیا۔ وارداتیوں اور جیب کتروں کے لئے یہ جگہ ایک طرح کی جنت ہے۔ جہاں آسانی سے انہیں اپنے شکار مل جاتے ہیں۔ جلال جلد ہی گہری نیند ہو گیا اور کسی جیب کترے نے جلال کی جیب کا صفایا کر دیا۔ جلال نیند سے بیدار ہوا اسے کچھ شک سا گزرا اپنی جیب ٹٹولی دیکھا کہ اس کی پیسوں والی تھیلی غائب ہے۔ پریشان ہو گیا۔ پیسوں سے زیادہ فکر اس کو اس کاغذ کے پرزے کی تھی جس پر اس کے دوست چوہدری کا ایڈریس تھا کہ وہ اس صورت میں گھر کیسے پہنچ سکے گا۔ یا پھر اس کو مایوسی کی حالت میں واپس اپنے گاؤں لوٹ جانا ہوگا اور لوگ وہاں اس کا الٹا مذاق کریں گے اور طرح طرح کی باتیں ہوں گی۔

جلال نے سارا دن پریشانی کے عالم میں اِدھر اُدھر پاگلوں کی طرح گھوم پھر کر گزارا اس کے دماغ میں ایک چیز ہی سوار تھی نہ تو اس کے پاس گھر کا پتہ ہے اور نہ ہی کھانے پینے کے لئے کوئی روپیہ پیسہ ہے۔ وہ تو حقہ کا کش لگانے کے لئے بھی محتاج ہو کر رہ گیا ہے۔ اگر وہ واپس اس حالت میں جاتا ہے تو بھی اس کے لئے ندامت اور شرمندگی ہوگی۔ کافی سوچ بچار کے بعد آخر وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ وہ یہیں اسی شہر میں رہے گا جس شہر میں اس کا نقصان ہوا۔ وہ اپنا نقصان یہاں اسی شہر سے ہی پورا کرے گا۔ جلال دن بھر کا بھوکا پیاسا تھا۔ شام کے اندھیرے چھائے گئے۔ وہ دربار گیا حاضری دی اور لنگر سے پیٹ بھر کے کھانا کھایا اور رات بسر کرنے کے لئے

پھر اسی باغیچہ میں جا کر سو گیا۔ جہاں پچھلی رات کسی جیب کترے نے اس کی تھیلی اڑا لی تھی۔ پھر صبح ہوئی تو اس نے زندہ رہنے کے لئے ایک راہ نکالی۔ وہ بے تک صابر اور قناعت پسند تھا اور کسی کے سامنے اپنے ہاتھ پھیلا کر مانگنا گناہ کبیرہ سمجھتا تھا لیکن انسان کے سارے اصول کچے دھاگے کی طرح ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتے ہیں۔

وہ صبح سویرے داتا دربار سے ملحقہ بازار کے ایک کونے پر جہاں عقیدت مند دربار حاضری کے لئے آتے جاتے۔ جلال زمین پر چادر بچھا کر اپنی نظریں جھکا کر زمین پر بیٹھ گیا۔ ہاتھ اٹھانا بھی اسے معیوب سا لگا۔ وہ زندگی بھر محنت مزدوری سے اپنی روزی کماتا رہا لیکن وقت اور حالات نے اسے کس موڑ پر لا کھڑا کیا اور ایک بھکاری بنا دیا۔ جو بھی عقیدت مند وہاں سے گزرتا کوئی نہ کوئی آنہ دو آنہ زمین پر بچھی ہوئی چادر پر پھینک جاتا۔ جلال ایک بوجھل دل کے ساتھ اٹھا لیتا اور اپنی جیب میں رکھ لیتا۔ اس طرح سارا دن گزر گیا۔ سہ پہر تین چار بجے کے قریب وہ وہاں سے اٹھ بیٹھا اور کہیں جا کر باغیچے میں اکیلے بیٹھ کر دن بھر کی نقدی گننے لگا جو تقریباً پانچ یا ساڑھے پانچ روپے کے قریب تھی۔

میں جس وقت کی بات کر رہا ہوں پانچ چھ روپے کی بہت قدر و قیمت تھی۔ جلال کو اب قدرے حوصلہ ہوا کہ چلو واپس جانے تک کوئی نہ کوئی آمدن کا ذریعہ تو بنا۔ رات گزارنے کے لئے اب پیسے اس کے پاس تھے۔ باغیچہ میں سونا اس نے مناسب نہ سمجھا۔ دربار کے عقب میں کچھ فاصلے پر ایک مسافر خانہ تھا جہاں صرف مسافر رات گزارنے کے لئے آتے تھے اور یومیہ کرایہ صرف ایک روپیہ تھا۔ جلال نے مناسب یہی سمجھا کہ ایک روپیہ ادا کر کے رات مسافر خانے میں گزاری جائے۔ اس کا یہ طریقہ اچھا رہا۔ صبح سو کر مسافر خانے سے باہر ایک عام سے ہوٹل میں چائے کا کپ اور پراٹھا کھایا اور سیدھا اپنی

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

کل والی جگہ پر جا کر چادر بچھائی اور بیٹھ گیا۔ اب اس نے یہ روزمرہ کا معمول بنا لیا۔ کھانا دوپہر شام کا دربار کے لنگر سے کھانا رات مسافر خانے میں گزارتا اور ہر روز اسے بیٹھے بٹھائے پانچ سات روپے خیرات میں آسانی سے مل جاتے۔ یاد رہے جب ایک مرتبہ مانگنے کے لئے انسان کے ہاتھ اٹھا جائیں تو پھر یہ ہاتھ اٹھتے ہی چلے جاتے ہیں۔

مہینے کے آخر تک جلال کے پاس تقریباً ڈیڑھ سو روپے کی رقم جمع ہوگئی۔ وہ وقتی طور پر اب اپنے دوست چوہدری کو بھی بھول گیا جس کو وہ ملنے گاؤں سے لاہور آیا تھا۔ تین چار مہینے کے بعد ایک معقول رقم جلال کے پاس جمع ہوگئی۔ اتنی زیادہ رقم اس نے کبھی سال بھر کی محنت مزدوری کے بعد بھی نہ کمائی تھی۔ اس نے ایسا محسوس کیا کہ لاہور کی فضا اسے راس آئی ہے اور گاؤں کی نسبت شہر میں اس کا مستقبل بہتر نظر آتا ہے نہ کہ خیرات بھیک مانگنے سے بلکہ محنت مزدوری کرنے سے۔ یہاں ترقی اور آمدنی کے زیادہ امکانات ہیں۔ وہ کوئی چھوٹا موٹا کاروبار کرنے کا خواہش مند تھا لیکن کاروبار کرنے کے لئے بنیادی شرط روپے پیسے کا ہونا ضروری تھا۔

کچھ عرصہ لاہور قیام کے بعد وہ کچھ دنوں کے لئے ملے جلے جذبات کے ساتھ واپس اپنے گاؤں چلا آیا تاکہ وہ اسی بہانے اپنے بیوی بچوں کو بھی مل آئے۔ لہٰذا اپنے گھر والوں کے لئے اس نے لاہور سے کچھ تحفے تحائف بھی خرید ے۔ جب وہ اچانک واپس گھر پہنچا تو گھر والے اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئے کیونکہ وہ جب گاؤں سے لاہور آیا تھا اس نے اپنے گھر والوں کو اپنی خیر خیریت کی کوئی خبر تک نہ دی تھی اور اس کے گھر والے بڑی حد تک اس کے متعلق پریشان بھی تھے۔

جلال نے گھر پہنچ کر اپنے گھر والوں کو یہ بالکل نہ بتایا کہ لاہور پہنچ کر اس کے ساتھ کیا بیتی بس اتنا کچھ ضرور کہا کہ اس کی ملاقات چوہدری صاحب سے بالکل نہیں ہوئی کیونکہ ان کے گھر کا پتہ وہ کہیں گم کر بیٹھا تھا۔ بس اس عرصہ وہ لاہور میں محنت مزدوری کرتا رہا۔ گھر والے بھی اس کی بات مان گئے۔ بھلا انہیں کیا معلوم تھا کہ شہر کی زندگی، انسانی قدریں، رہن سہن، بود و باش گاؤں سے کتنی مختلف ہوتی ہیں۔ تاہم گاؤں پہنچ اسے یہ خبر ملی کہ دو تین مہینے پہلے اس کے دوست چوہدری نذیر احمد کا انتقال ہوگیا ہے۔ جلال پر یہ خبر بجلی بن کے ٹوٹی اور زار و قطار رونے لگا کہ اس کا دوست اس کا ساتھ چھوڑ کر گیا ہے۔ مرحوم تو ہر وقت اسے جینے کا حوصلہ دیا کرتا تھا۔ اب جلال کا دل گاؤں سے بیزار سا ہوگیا تھا اور واپس لاہور جانے کا پروگرام بنانے لگا کیونکہ لاہور میں ایسے بیٹھے بٹھائے ایک معقول آمدن یومیہ مل جایا کرتی تھی۔ وہ لاہور میں کچھ عرصہ قیام کر کے وہاں کی زندگی کو قریب سے دیکھ چکا تھا کہ اگر وہاں انسان محنت مزدوری یا پھر کوئی چھوٹا موٹا کاروبار کرلے تو ترقی اور خوشحالی کے بہت زیادہ امکانات ہیں۔ اب اس نے اپنے مرحوم دوست کے گھر جانا بھی ضروری نہ سمجھا۔ کیونکہ اس کی دوستی تو فقط مرحوم چوہدری نذیر احمد سے تھی۔ جلد ہی جلال نے اپنی تیاری مکمل کی، کچھ رقم اس کے گھر پہلے سے جمع تھی جو اس نے اور اس کے گھر والوں نے گاؤں میں محنت مزدوری کر کے جمع کر رکھی تھی جو تقریباً ایک ہزار کے لگ بھگ تھی۔ جلال نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ وہ یہ رقم اپنے ساتھ لاہور لے جا رہا ہے، ہوسکتا ہے وہ اس رقم سے یا پھر کچھ اور رقم وہاں جمع کر کے کوئی چھوٹا موٹا کاروبار کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اس کے بیوی بچوں کو جلال کا یہ فیصلہ پسند آیا کیونکہ وہ بھی گاؤں کی نسبت شہر کی زندگی کا شوق رکھتے تھے۔

جلال دوبارہ لاہور پہنچ گیا اور اسی مسافر خانے میں قیام کیا جہاں وہ پہلے رات بسر کیا کرتا تھا کیونکہ اس مسافر خانے کے مالک سے جلال کے اچھے تعلقات

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

استوار ہو چکے تھے۔ جلال دن بھر کی مصروفیت کے بعد فارغ ہو کر شام کو مسافر خانے آ جاتا اور مسافر خانے کے مالک کو حقہ تازہ کر کے دیتا کیونکہ وہ حقے کا بہت شوقین تھا۔ جلال نے گاؤں سے واپسی اس کے لئے پانچ سیر گڑ اور دو تین سیر کڑ داتمبا کو اور دو ڈھائی سیر دیسی گھی سوغات کے طور پر اسے لا کر دیا۔ مسافر خانے کا مالک جس کا نام دین محمد پہلوان تھا اور دینا پہلوان کے نام سے اس کی علاقے میں اچھی خاصی پہاچن تھی۔ دینا پہلوان اچھی فطرت کا مالک تھا۔ اس نے جلال سے کہا کہ تم اتنی ساری چیزیں لانے کی کیوں زحمت کی، تم ایک غریب آدمی ہو تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔

''پہلوان جی! یہ ساری چیزیں میں بڑی عقیدت اور پیار محبت کے ساتھ آپ کے لئے لایا ہوں''۔ جلال نے عاجزی سے کہا۔ ''لہٰذا آپ قبول کرلیں''۔

جلال کے اصرار کرنے پر دینے پہلوان نے ساری چیزیں خوشی خوشی قبول کرلیں۔

''جب سے تم اپنے گاؤں گئے ہوئے تھے میں تمہاری کمی شدت سے محسوس کرتا رہا''۔ پہلوان نے کہا۔ ''اچھا ہوا جو تم واپس لاہور آ گئے ہو، بے شک تم ایک اچھے خدمت گزار شخص ہو۔ اب کے تم جتنا عرصہ میرے مسافر خانے میں قیام کرو گے تم سے کوئی کرایہ وغیرہ نہیں لیا جائے گا۔ بس تم اتنی تکلیف کر دیا کرو کہ ہر شام جب تم اپنے کام سے فارغ ہو کر میرے مسافر خانے آؤ تو بس مجھے حقہ تازہ کر کے پلا دیا کرو''۔

جلال نے اب دوبارہ پہلے والا دھندہ شروع کر دیا۔ پانچ سات روپے کی دیہاڑی لگا کر شام کو مسافر خانے آ جاتا جہاں اس نے رات گزارنا ہوتی تھی۔ وہ پابندی سے شام کا کھانا لنگر سے کھانے کے بعد اپنے پہلوان کے لئے حقہ تازہ کرتا اور دیر تک دونوں حقے کے کش لگاتے اور ساتھ ساتھ دن بھر کی باتیں بھی کرتے۔

جلال کے پاس اب ایک معقول رقم تھی۔ جلال کے ذہن پر یہ ایک قسم کا بوجھ سا تھا کہ جب تک وہ دھندہ شروع نہیں کرتا اتنی زیادہ رقم کی وہ کیسے حفاظت کرے گا کیونکہ ہوٹل مسافر خانوں میں چوری چکاری کا بھی ڈر رہتا ہے۔ یہ رقم کہیں گم ہو جانے کی صورت میں اس کا پروگرام سارا دھرے کا دھرا رہ جائے گا لہٰذا حفظ ماتقدم اس نے یہ رقم پہلوان کے پاس جمع کرانے کا فیصلہ کیا کہ جب ضرورت پڑی تو اس سے واپس مانگ لے گا۔ جلال نے دینے پہلوان سے ڈرتے ڈرتے کہا کہ وہ یہ رقم گاؤں سے لایا ہے اور لاہور میں یہاں کوئی چھوٹا موٹا کاروبار کرنا چاہتا ہے۔ اپنے پاس بطور امانت رکھ لے۔ دینے پہلوان کو بھلا کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ اس نے کہا۔ ٹھیک ہے بڑی خوشی کی بات ہے انسان کو کوئی نہ کوئی کام ضرور کرنا چاہئے۔ پہلوان جی نے اپنے رجسٹر میں جلال کی رقم مبلغ ایک ہزار بطور امانت لکھ کر محفوظ کر لی۔ اب جلال ذہنی طور پر مطمئن حال ہو گیا۔ اب جلال اپنی دیہاڑی بھی پابندی سے لگاتا اور ساتھ ساتھ کسی کاروبار کی تلاش میں رہتا۔ اس کی زیادہ توجہ کھانے پینے، چھوٹے موٹے ہوٹل پر مرکوز تھی کیونکہ ایک تو وہ پکوان بنانے کا ماہر تھا دوسرے اس نے لاہور میں رہ کر دیکھا کہ لاہوریے کھانے پینے کے بہت زیادہ شوقین ہیں اور اس میں ادھار بھی برائے نام ہے۔ صبح خرچ کرو اور شام کو وصول پا لو۔

جلال اب گاؤں والا جلال حجام نہ رہا تھا وہ اب اپنے بہتر مستقبل اور بچوں کی بہتر تعلیم و تربیت اس کی پہلی ترجیح تھی۔ اس نے یہ فیصلہ کر رکھا تھا کہ جونہی اس کا کام چل نکلا یا اس کی مالی حالت مضبوط ہوئی تو پھر اس صورت میں وہ اپنے مرحوم دوست کی طرح گاؤں سے اپنے بیوی بچوں کو بھی شہر میں اپنے پاس منگوا لے گا کیونکہ اس کے ذہن میں یہ بات بیٹھ چکی تھی کہ گاؤں کی نسبت شہر میں

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

ترقی اور خوشحالی کے زیادہ مواقع میسر ہیں۔

پہلے وہ داتا دربار کے بزار میں بیٹھ کر دیہاڑی لگایا کرتا تھا اب اس نے یہ جگہ چھوڑنے کا فیصلہ کیا کہ یہاں آمدنی کم ہے۔ اب وہ اس سے کہیں بہتر جگہ کا انتخاب کرے گا جہاں دیہاڑی زیادہ لگے۔ لہٰذا جلال نے دربار سے کچھ فاصلے پرانار کلی بازار سے ملحقہ مارکیٹ کے اردگرد جگہ کا انتخاب کیا جہاں مرد عورتوں کا کافی ہجوم اور آنا جانا رہتا تھا۔ تھوڑی سی کوشش کے بعد اسے بیٹھنے کے لئے ایک کونے پر جگہ مل گئی۔ اب جلال پہلے کی طرح زمین پر چادر بچھا کر بیٹھنے لگا اس کی آمدنی پہلے سے دوگنی ہو گئی۔ یعنی اسے یومیہ پندرہ بیس روپے ملنے لگے۔ اس طرح ایک سال کا عرصہ بیت گیا۔ وہ اپنی دیہاڑی لگا کر شام کو مسافرخانے رات بسر کرنے چلا آتا اور مسافرخانے کے مالک کے ساتھ فرصت میں خوب گپیں بھی لگاتا۔ گویا دونوں ایک دوسرے سے بہت زیادہ مانوس ہو گئے۔ جلال فرصت میں اپنے بیوی بچوں کے متعلق بھی اکثر غور کرتا اور فکر مند بھی رہتا۔ اس کی بڑی بیٹی اب آٹھویں جماعت میں زیر تعلیم تھی۔ تھوڑے ہی عرصے میں جلال کے پاس ایک ہزار کی اور رقم جمع ہو گئی۔

یہاں جلال کی زندگی میں اچانک ایک اور موڑ آیا۔ وہ حسب معمول ایک دن چادر بچھا کر مانگنے کے لئے اپنی آنکھیں جھکائے بیٹھا تھا۔ جلال کے مرحوم دوست چوہدری نذیر کا بڑا بیٹا آصف چوہدری جو محکمہ بحالیات میں بطور انسپکٹر ملازم تھا، وہ اپنے دفتری کام کے سلسلہ میں کسی پراپرٹی کا سروے کرنے کے لئے مارکیٹ آیا ہوا تھا، اچانک اس کی نظر زمین پر بیٹھے ہوئے فقیر پر پڑی۔ اسے کچھ شک سا ہوا کہ اس فقیر کی شکل جلال حجام سے بہت زیادہ ملتی ہے جو گاؤں میں اس کے باپ کا دوست تھا۔ آصف تھوڑا سا پریشان بھی ہوا کہ اس شخص کو کیا ہو گیا ہے۔ یہ شخص تو کسی کے سامنے ہاتھ نہ پھیلاتا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی مشکل میں ہے۔ پھر آصف سوچنے لگا اگر اس نے اس سے پوچھ لیا کہ وہ کیوں بھیک مانگ رہا ہے تو ہو سکتا ہے وہ شرمندگی کی حالت میں اس سے آنکھیں چار نہ کر سکے گا یا پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کی شکل کا کوئی اور آدمی ہو۔ ملے جلے خیالات میں آصف چوہدری نے از راہِ ہمدردی اپنی جیب سے دس روپے کا نوٹ نکالا اور چلتے چلتے چادر پر رکھ دیا اور چور نظروں سے فقیر کو بھی دیکھا اور جلدی جلدی وہاں سے چل دیا کہیں وہ اسے پہچان نہ لے۔ آصف چوہدری کا اکثر وہاں آنا جانا رہتا تھا لہٰذا اس نے دل میں سوچا کہ پھر وہ کسی وقت اس شخص جو بھکاری بنا بیٹھا ہے اس سے پوچھے گا کہیں وہ اس کے گاؤں کا جلال حجام تو نہیں یعنی اس کے مرحوم والد کا دوست۔

جلال بھیگی بلی بن کے اپنی نظریں زمین پر مرکوز کئے ہوئے تھا۔ اس نے بھی جھکی ہوئی نظروں سے اس شخص کو دیکھا کہ کوئی رئیس شخص ہے جس نے ایک فقیر کو اتنی زیادہ خیرات دی یعنی دس روپے جبکہ آنے دو آنے سے زیادہ کوئی دیتا نہیں۔ جلال کو شک نہیں بلکہ یقین ہو گیا اور کسی حد تک اسے پہچان بھی لیا کہ ہو نہ ہو یہ شخص تو اس کے مرحوم دوست چوہدری نذیر کا بڑا بیٹا آصف چوہدری ہے جو یہاں لاہور میں ملازم ہے۔ جلال نے بھی چوہدری صاحب کے بیٹے آصف چوہدری کا پیچھا کرنے کی جرأت نہ کی کہ پہچان لینے کی صورت میں دونوں کے دلوں پر کیا گزرے گی۔

جلال نے جلدی جلدی وہاں سے اپنی چادر لپیٹی جتنے بھی پیسے اب تک جمع ہوئے تھے اپنی جیب میں ڈالے پریشانی اور شرمندگی کی حالت میں اپنے آپ پر سخت ملامت کرتا سیدھا مسافرخانے پہنچا اور کمرے میں پڑی چارپائی پر لیٹ گیا اور مختلف قسم کی سوچوں میں کھو گیا۔ اس نے اسی وقت لیٹے لیٹے پکا فیصلہ کر لیا کہ آج

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

کے بعد وہ ہرگز بھیک نہیں مانگے گا اور اپنی آمدن کی کوئی اور راہ نکالے گا یعنی کوئی چھوٹا موٹا کاروبار کرے گا کیونکہ کاروبار کرنے کے لئے اس کے پاس تھوڑی بہت رقم اکٹھی ہوگئی تھی جس سے کاروبار کیا جاسکتا ہے۔ اسی سوچ فکر اور کشمکش میں جلال نے دو تین دن گزار دیئے لیکن وہ کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکا کہ وہ کون سا کاروبار کرے۔ اس کے ذہن میں یہ خیال بھی آتا کہ اس زندگی سے کہیں بہتر ہے کہ وہ دریا راوی میں ڈوب کر خودکشی کرلے کیونکہ چوہدری آصف نے جو دس کا نوٹ اسے خیرات میں دیا تھا وہ جلال کے دل پر ایک چھری بن کر کھُب سا گیا تھا اور وہ منظر اسے بھولتا نہ تھا پھر جب اسے گاؤں میں اپنے بیوی بچوں کا خیال آتا تو پھر خودکشی کرنے کا ارادہ ترک کر دیتا۔

اس طرح دو تین دن گزر گئے مسافر خانے کے مالک دینے پہلوان کو فکر لاحق ہوئی کہ گزشتہ دو تین دن سے جلال نظر نہیں آ رہا کہیں بیمار تو نہیں ہوگیا، نہ ہی اس نے حقہ تازہ کیا ہے یا پھر کہیں واپس گاؤں تو نہیں چلا گیا۔ پہلون جی نے فوراً اپنے نوکر کو بلایا اور اسے کہا جاؤ پتہ کر کے بتاؤ کہ جلال کہاں ہے اور خیریت سے ہے۔ اگر مل جائے تو اسے فوراً ساتھ لے کر میرے پاس آؤ۔ نوکر نے اپنے مالک کے حکم کی تعمیل کی اور مسافر خانے کے وسیع ہال میں گیا جہاں دیگر مسافر بھی نظر آئے۔ دیکھا ایک کونے میں جلال اپنی چارپائی پر لیٹا ہوا ہے اور دنیا مافیہا سے بے خبر ہو کر گہری سوچوں میں غرق ہے۔ نوکر نے اسے پیغام دیا کہ پہلوان جی آپ کو یاد کر رہے ہیں۔

جلال نے جواباً کہا کہ وہ نہیں جاسکتا کیونکہ گزشتہ دو تین دنوں سے اس کی طبیعت ناساز سی ہے۔ جا کر پہلوان جی سے کہہ دو۔ نوکر واپس چلا گیا اور دینے پہلوان کو کہا کہ جلال کی طبیعت خراب ہے، وہ نہیں آسکتا کیونکہ وہ پریشان ہے۔ پہلوان نے جب سنا تو وہ فوراً اپنی کرسی سے اٹھا اور سیدھا جلال کے پاس جا پہنچا۔ جلال نے پہلوان کو اپنی طرف آتے دیکھا تو فوراً اپنی چارپائی سے اٹھ بیٹھا۔

''جلال کیا بات ہے؟'' پہلوان نے شفقت بھرے لہجے میں پوچھا۔ ''دو تین دن سے نظر نہیں آئے''۔

''پہلوان جی! اللہ آپ کو خوش رکھے''۔ جلال نے کہا۔ ''بس طبیعت میری کچھ ناساز سی ہے۔ میرا اب لاہور سے دل اچاٹ سا ہوگیا ہے، کوئی بھی کام کرنے کو جی نہیں چاہتا''۔

''کچھ پتہ تو چلے''۔ پہلوان نے کہا۔ ''اچانک تم نے اتنا بڑا فیصلہ کیونکر کرلیا جو واپس گاؤں جانے کا ارادہ بنا رہے ہو۔ یقیناً اس کی کوئی وجہ تو ضرور ہوگی''۔

''پہلوان جی! بات کچھ ایسی ہی ہے''۔ جلال نے بتایا۔ ''دو تین دن پہلے اچانک میرا ایک محسن آیا اور بڑی رازداری سے میرے دل پر ایک خنجر سے زخم لگا کر چلا گیا۔ میں درحقیقت وہ نہیں ہوں جو وہ مجھے سمجھ بیٹھا یا پھر جیسے آپ سمجھتے ہیں کہ میں محض ایک بھکاری ہوں۔ دراصل میں بھکاری بالکل نہیں، میں محنت مزدوری سے روزی کمانے پر یقین رکھتا ہوں لیکن میرے حالات نے مجھے ایسا کرنے پر مجبور کردیا''۔

''مجھے بتاؤ، آخر وہ کیا حالات تھے جن حالات نے تمہیں ایک بھکاری بننے پر مجبور کیا؟'' پہلوان نے جلال سے پوچھا۔

''پہلوان جی!'' جلال نے ٹھنڈی سانس بھر کے کہا۔ ''آپ سے میں کچھ نہیں چھپاؤں گا کہ تقدیر نے میرے ساتھ کیا کھیل کھیلا''۔ جلال نے اپنے دل کا غبار نکالتے ہوئے پہلوان کو اپنی رام کہانی بلاکم و کاست سنا دی۔

پہلوان ایک جہان دیدہ انسان تھا، اس نے دنیا

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

دیکھ رکھی تھی اور یہ سمجھتا بھی تھا کہ جلال کوئی پیشہ ور بھکاری نہیں نہ جانے کن حالات نے اُسے یہ مکروہ دھندہ کرنے پر مجبور کر رکھا ہے۔ پہلوان نے جلال کو حوصلہ دیا کہ وہ فکر نہ کرے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آزمائش میں بھی ڈالتا ہے اور پھر انہیں سرخرو بھی کرتا ہے۔ اگر تمہارا دوست وفات پا چکا ہے تو تم فکر مت کرو۔ اسے اللہ کی رضا سمجھو اور مجھے آج سے اپنا ہمدرد دوست سمجھو۔ میں تمہاری ہر قسم کی مدد کروں گا۔ تمہاری کچھ رقم میرے پاس جمع ہے، کچھ رقم تمہارے پاس بھی ہو گی، تم ایسا کرو کہ میرے مسافر خانے کے صدر دروازے کے باہر بازار میں بڑ کا ایک پرانا درخت ہے۔ تم اس درخت کے نیچے نان چنے لگا لو۔ مسافر خانے میں میرا باورچی خانہ ویران حالت میں ہے وہاں رات کو پکوان تیار کر لیا کرو۔ ایک بڑا سا پتیلا اور کچھ برتن بازار سے خرید لاؤ۔ اسی بازار میں کباڑی مارکیٹ ہے، مزدور لوگ وہاں کام کرتے ہیں انہیں نزدیک کھانے کو گرم گرم نان چنے ملیں گے اور تمہیں بھی ایک معقول آمدن کا ذریعہ مل جائے گا۔ اگر کام چل نکلا تو پھر ابلے ہوئے انڈے اور کوفتے وغیرہ بھی ساتھ لگا لیا کرنا۔ تمہیں ان ساری چیزوں یعنی پکوان کا تجربہ بھی ہے۔ اس طرح محنت کرتے رہو گے تو پھر آگے چل کر تمہیں یہیں کہیں قرب و جوار میں کوئی چھوٹا موٹا ہوٹل کرائے پہ لے دیں گے۔ بس اٹھو، بھول جاؤ سب زمانے کے غم اور آج سے ایک نئی زندگی کا آغاز کرو۔ میرا تعاون بھی تمہارے ساتھ رہے گا اور آج سے مجھے اپنے مرحوم دوست کی جگہ دوست سمجھو''۔

جلال کو اور کیا چاہئے تھا دراصل وہ شہر میں ایک سہارا چاہتا تھا جو پہلوان کی شکل میں اسے مل گیا۔ دراصل جلال بھی اسی کام میں دلچسپی رکھتا تھا جس کا مشورہ پہلوان نے اسے دیا یعنی نان چنے کا کوئی چھوٹا موٹا اڈا یا جگہ۔ جلال نے مزید وقت ضائع کئے بغیر یہ کام شروع کر دیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس کا کام چل نکلا، اپنے گاہکوں کی خدمت کے لئے جلال نے پانچ روپے یومیہ پر ایک لڑکا بھی ملازم رکھ لیا جو برتن وغیرہ دھوتا تھا۔ شروع شروع میں جلال کو خرچ نکال کر یومیہ پچیس تیس روپے بچ جاتے اور وہ بہت مطمئن حال تھا۔ اس طرح ایک سال کا عرصہ گزر گیا۔

اسی دوران ایک دو دنوں کے لئے جلال اپنے گاؤں گھر والوں کو ملنے گیا تا کہ اس کے بیوی بچوں کو بھی اس کی خیر خیریت کا علم ہو۔ جلال نے گھر والوں کو بتایا کہ وہ آج کل لاہور میں نان چنے کی دُکان کرتا ہے اور اب اسے وہاں ایک باعزت روزگار مل گیا ہے۔ وہ اپنی مدد کے لئے اپنے بیٹے بشیرے کو بھی ساتھ لاہور لے جانا چاہتا ہے۔ بھلا گھر والوں کو کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ جلال کے دو بیٹے تھے، بڑے کا نام بشیر تھا جو بشیرے کے نام سے جانا جاتا۔ وہ میٹرک کا طالب علم تھا۔ ہر روز سکول گاؤں سے شہر سائیکل پر آتا جاتا۔ دوسرے بیٹے کا نام نذیر تھا وہ مڈل کلاس میں زیر تعلیم تھا۔ ان دونوں بھائیوں کی ایک بڑی بہن رضیہ بھی تھی جس نے حال ہی میں میٹرک فرسٹ ڈویژن میں پاس کر رکھا تھا اور مزید تعلیم حاصل کرنے کی خواہش مند تھی۔ رضیہ بلا کی حسین تھی اور اس کی زندگی کی یہی خواہش تھی کہ وہ زیادہ سے زیادہ تعلیم حاصل کر کے اپنے غریب والدین کو غربت کی دلدل سے نکالنا چاہتی تھی۔ دیہات کی زندگی میں ذات پات کو بہت زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔ یہ بات اس کو بہت زیادہ اذیت دیتی تھی۔ بعض اوقات تو وہ گاؤں میں اپنے کانوں سے یہ بھی سنتی کہ دیکھو جلال نائی کی بیٹی نے میٹرک کا امتحان فسٹ ڈویژن میں پاس کر لیا ہے۔

جلال کو امید کی ایک کرن نظر آئی اس نے فیصلہ کیا کہ وہ بھی اپنے مرحوم دوست کی طرح لاہور بیوی بچوں سمیت نقل مکانی کرے گا۔ اسی صورت میں اس کی اولاد

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

تعلیم کے زیور سے آراستہ ہو سکتی ہے۔ گاؤں میں رہ کر وہ کمی کمین جیسے طعنے گاؤں والوں سے سنتے رہیں گے جبکہ شہر میں ایسی صورت حال نہیں ہوتی۔ شہر میں جس کے پاس پیسے ہیں وہ چوہدری کہلاتا ہے۔

گاؤں سے روانگی پر جلال اپنے بڑے بیٹے بشیر کو اپنے ساتھ لاہور لے آیا۔ اسے مشورہ دیا کہ وہ صبح اس کے ساتھ دُکان پر کام کرے اور شام کو کسی پرائیویٹ سکول میں اپنی تعلیم جاری رکھے۔ سکول کی فیس کے علاوہ اسے جیب خرچ کے لئے پانچ روپے بھی مل جایا کریں گے۔ بعد میں جلد ہی سب کو لاہور بلا لیا جائے گا۔ چنانچہ لاہور آتے ہی جلال نے جو لڑکا پانچ روپے یومیہ پر ملازم رکھا تھا اس کو فارغ کر دیا اور اس کا کام اپنے بیٹے بشیرے کے سپرد کر دیا۔ بشیرا بھی لاہور آ کر بہت خوش تھا۔ رہنے کے لئے جگہ، پڑھنے کے لئے سکول اور جیب خرچ بھی پابندی سے اسے ملنے لگا۔ بشیرا اپنے گھریلو حالات سے بخوبی واقف تھا اس نے بھی لاہور آ کر حالات کے پیش نظر اپنے باپ کی بھرپور معاونت کی، وہ سارا دن اپنے والد کے ساتھ کام کرتا اور کام سے فارغ ہو کر شام کو شام عالم مارکیٹ میں ایک پرائیویٹ کالج میں تعلیم حاصل کرنے لگا۔ میٹرک پاس کر لینے کے بعد منشی فاضل کی تیاری کرنے لگا۔

وقت تیزی سے گزرتا گیا۔ جلال کا کاروبار چل نکلا اور اسے اب خوب آمدن ہونے لگی۔ وہ خیال کرنے لگا کہ اب وہ اس پوزیشن میں ہے کہ اپنے بیوی بچوں کو بھی لاہور بلا لے تاکہ آمدن کے ساتھ ساتھ بچوں کا مستقبل بھی سنور جائے۔ اس نے ایک کوارٹر کرائے پر لے لیا اور اپنا کاروبار بیٹے کے سپرد کر کے ایک ہفتے کے لئے گاؤں گیا اور اپنے بیوی بچوں کو بھی ساتھ لاہور لے آیا۔ رضیہ کو کالج میں داخلہ مل گیا اور چھوٹے بیٹے نذیر کو سکول میں داخل کروا دیا۔

پہلوان کو جب پتہ چلا کہ جلال اپنے بیوی بچوں کو بھی لاہور لے آیا ہے تو وہ بہت خوش ہوا۔ وہ جلال کا پورا پورا خیال رکھتا کہ اس کو کوئی مشکل پیش نہ آئے۔

جلال کی بیٹی رضیہ بڑی ذہین لڑکی تھی۔ اس کی زیادہ توجہ اپنی تعلیم پر تھی۔ دو سال میں اس نے ایف ایس سی فسٹ ڈویژن میں پاس کر لیا اور اسے آسانی سے میڈیکل کالج میں داخلہ مل گیا اور جلال کا چھوٹا بچہ نذیر میٹرک میں چلا گیا۔ جب پہلوان کو پتہ چلا کہ جلال کی بیٹی میڈیکل سائنس کی طالبہ ہے اور اس کا چھوٹا بچہ بھی زیر تعلیم ہے تو بہت خوش ہوا اور سوچنے لگا کہ جلال کے گھریلو اخراجات بھی اب پہلے سے زیادہ ہوں گے لہٰذا پہلوان نے جلال کی آمدن میں اضافے کی ایک اور راہ نکالی۔ لاہور میں ان دنوں ہندوؤں سکھوں کی چھوڑی ہوئی جائیداد عام تھی، پہلوان کی رہائش ہیرا منڈی کے قریب تھی۔ اس کے گھر کے قریب بازار میں ایک خالی پلاٹ تھا جو کسی ہندو کی ملکیت تھا، لوگوں کی نظریں اس پر تھیں۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب مہاجر، لوکل جس کو بھی موقع ملتا تھا قبضہ جما لیتا تھا۔ یہاں بھی پہلوان نے جلال اور اس کے بیوی بچوں پر ایک اور نیکی کی۔

جلال کو ایک دن اپنے گھر بلایا اور اسے کہا کہ کل صبح وہ اس کے ساتھ چلے اور جہاں وہ کہتا ہے فوراً اس کی موجودگی میں خالی پلاٹ پر قبضہ کر لے جو بھی سامنے آئے گا اسے سنبھال لے گا۔ بس جلال کو اتنی تاکید ضرور کی کہ جو شخص پوچھے کہ وہ کون ہے تو اتنا کہہ دے کہ وہ مہاجر ہے۔ اس کے بعد جو کچھ بھی ہوگا دیکھا جائے گا۔

اب جلال بھی پہلے والا جلال نہ تھا، حالات کی اونچ نیچ کو خوب سمجھتا تھا۔ دوسرا اس کے پاس اچھی خاصی رقم بھی جمع تھی۔ جب انسان کے پاس پیسہ ہو تو پھر وہ بڑے سے بڑا خطرہ بھی مول لے لیتا ہے۔ پھر سب سے بڑھ کر پہلوان کا تعاون بھی اس کے ساتھ تھا اور وہ ایک اثر

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

رسوخ والا آدمی تھا۔

جلال کو ایک عرصہ شہر میں رہتے ہوئے آگے بڑھنے اور ترقی کرنے کے سب داؤ پیچ آ گئے تھے۔ جلال نے مزید وقت ضائع کئے بغیر خالی پلاٹ پر پہلوان جی کی موجودگی ایک کمرا تعمیر کرا لیا اور قابض ہو گیا اور پہلوان کی وساطت سے جلال نے کارپوریشن اور ایکسائز اینڈ ٹیکسیشن ڈیپارٹمنٹ سے اس جگہ کی رجسٹریشن کرا کر اپنے نام کی فیس بھی جمع کروا دی۔ یہ ایک قانونی نکتہ تھا تاکہ آگے چل کر کوئی دوسرا فرد اس پراپرٹی پر قابض ہونے کی کوشش نہ کرے اور جلال کو بے دخل نہ کر سکے۔

گو پہلوان اَن پڑھ تھا لیکن قانونی نکتے سمجھتا تھا۔ پلاٹ پر چار دیواری پہلے سے تعمیر شدہ تھی کمرہ بنا کر جلال پلاٹ پر قابض ہو گیا جلد ہی جلال نے بازار سے دو چار صفیں اور چٹائیاں خرید کر بچھا دیں اور تین ہانڈی کے نام سے ہوٹل کا کاروبار شروع کر دیا۔ پہلے والا کاروبار نان چنوں والا جلال نے اپنے بڑے بیٹے بشیرے کے سپرد کر دیا تاکہ زیادہ سے زیادہ آمدنی ہو کیونکہ اب اس کے گھریلو اخراجات بھی پہلے سے بڑھ کر کہیں زیادہ ہو گئے تھے۔

جلال گاؤں سے ہر ہفتہ کسی نہ کسی ذریعہ دیسی گھی کا ایک کنستر منگوا لیتا اور ہوٹل میں دیسی گھی سے تین قسم کے پکوان خود تیار کرتا۔ ایک دال، دوسری سبزی ترکاری اور تیسری ڈش گوشت چھوٹا اور بڑا۔ پلاٹ کے ایک کونے میں گرم گرم چپاتیوں کے لئے تندور بھی لگا لیا۔ میز کرسیوں کی بجائے پلاٹ میں صفیں زمین پر بچھا دیں۔ جلال جب دیسی گھی کے پکوان میں تڑکا لگاتا تو اس کی مہک دور دور تک محسوس ہوتی اور کھانے کے شوقین لوگوں کا آنا جانا شروع ہو گیا۔ زیادہ تر اس کے ہوٹل میں ڈرائیور حضرات، پولیس والے یا پھر عیاش قسم کے لوگ آتے۔

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جس ہوٹل میں یہ تین اقسام کے لوگ کھانا کھانے جائیں سمجھو کہ کھانا معیاری اور مزیدار ہے۔ کھانے کے ساتھ جب گاہکوں کو دہی کی ٹھنڈی ٹھنڈی لسی پینے کو ملتی تو کھانے کا مزہ دوبالا ہو جاتا اور گاہک عش عش کرتے۔ اس طرح شب و روز کا پہیہ چلتا رہا۔ اب جلال ایک صاحب حیثیت شہری بن چکا تھا۔ اس کا رہن سہن اور گھر کا ماحول بھی بالکل بدل چکا تھا۔ پیسے میں بڑی طاقت ہوتی ہے۔

کاروبار کے ساتھ ساتھ جلال کی توجہ بچوں کی تعلیم پر بھی مرکوز رہی۔ جلال کی بیٹی رضیہ اب میڈیکل کے فائنل ایئر میں پہنچ چکی تھیں چھوٹا بیٹا ایف ایس سی میں زیر تعلیم تھا۔ وہ بڑا ہو کر پروفیسر بننے کا فیصلہ کئے ہوئے تھا۔ جلال کا سب سے بڑا بیٹا جس کا نام بشیر تھا اس نے بھی ادیب عالم، منشی کر کے پرائیویٹ بی اے پاس کر لیا لیکن وہ ملازمت کرنے کی بجائے کاروبار کو ترجیح دیتا تھا۔ گویا اب جلال کا گھر ایک خوشحال اور کامیاب گھرانہ تھا۔ جس کے گھر میں خوشیاں ہی خوشیاں تھیں اور یہ لوگ مزید ترقی کی منزلیں طے کرنا چاہتے تھے۔

اسی دوران حکومت پاکستان نے ایک قانون پاس کیا اور اعلان کیا کہ جس جس لوکل آدمی کے پاس ہندوؤں کی متروکہ جائیداد پر قبضہ ہے وہ مالکانہ حقوق حاصل کرنے کے لئے فارم محکمہ بحالیات میں جمع کرائیں اور جو قیمت حکومت جائیداد کی (Access) کرے فوراً حکومت کے خزانے میں جمع کرائے اور مالک بنے۔ پہلوان جی نے جلال کو بلایا اور اسے مشورہ دیا کہ وہ اعلان کے مطابق متعلقہ محکمہ سے اپنے نام سے فوراً درخواست یا فارم جمع کرا دے۔ جلال نے فارم جمع کرا دیا دو تین مہینوں کے اندر اندر محکمہ بحالیات کی طرف سے متعلقہ پلاٹ کا سروے کرنے اور اس کی قیمت کا تخمینہ لگانے کے لئے آصف چوہدری جو بحالیات محکمے کا انسپکٹر تھا اس کی ڈیوٹی لگی۔

جانچ پڑتال کے لئے آصف چوہدری وہاں پہنچا،

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

دیکھا پلاٹ ایک ہوٹل کی شکل اختیار کیے ہوئے ہے اور جلال میز کرسی لگائے کاؤنٹر پر بیٹھا لوگوں سے پیسے وصول کر رہا ہے۔ پلاٹ پر بورڈ بھی آویزاں ہے جس پر لکھا ہوا ہے ”تین ہانڈی ہوٹل“ پروپرائیٹر جلال راجہ۔ آصف سب کچھ دیکھ کر قدرے حیران ہوا۔ آصف چوہدری نے اپنی سائیکل ایک طرف کھڑی کی اور جلال کی طرف دیکھنے لگا کہ یہ کیسا کردار ہے کچھ عرصہ قبل تو اسی شخص کو انارکلی بازار میں بھیک مانگتے دیکھا تھا اور آج ہوٹل کا مالک بنا بیٹھا ہے۔ ہمارے گاؤں والا جلال تو ذات کا حجام تھا یہ جلال راجہ ہے۔ یا پھر شکلوں کا ہیر پھیر یا مغالطہ ہو سکتا ہے۔ وہ کھڑے کھڑے مختلف قسم کی کشمکش میں کھو گیا۔ یا اللہ یہ کیا ماجرا ہے۔ لگتا ہے یہ اس کے گاؤں کا جلال ہے جو ہمارے باپ کا جگری دوست تھا۔ آصف چوہدری کو یہ بھی خیال آیا کہ لوگ جو چھوٹی ذات کے ہوتے ہیں یا کمین ہوتے ہیں اسی احساس سے باہر نکلنے کے لئے شہر آ کر اپنی ذات بدل لیتے ہیں۔ جیسا کہ بڑے شہروں میں اکثر دیکھا جاتا ہے۔ پھر جب ان لوگوں کے پاس پیسہ آ جاتا ہے تو پھر وہ جو جی چاہے بن بیٹھتے ہیں۔ گاؤں میں جو میراثی ہوتا ہے شہر آ کر میر صاحب قریشی سید بن جاتے ہیں، لوہار ترکھان، مغل کمہار، رحمانی نائی تیلی اور موچی، میاں صاحب، بھٹی، کھوکھر یا پھر راجہ، خان کہلاتے ہیں۔

آصف نے دل میں سوچا کہ جلال بھی ایک ایسا ہی کردار لگتا ہے۔ خیر دو چار منٹوں کے بعد آصف چوہدری نے اپنا تعارف جلال راجہ سے کرایا کہ وہ اس علاقے کا انسپکٹر ہے اور اس پلاٹ کا سروے کرنے محکمہ بحالیات کی طرف سے آیا ہے۔ جب جلال راجہ نے سنا تو اپنی سیٹ سے فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔

”آیئے آیئے، تشریف لائیے چوہدری صاحب! ادھر کرسی پر بیٹھیں“۔ جلال راجہ نے آصف کو پہچان لیا اور کہا۔ ”چوہدری صاحب! آپ ہی اس ہوٹل کے مالک ہیں، یہ ہوٹل سب کچھ آپ کی بدولت ہی تو ہے“۔

”وہ...... کیسے؟“ کچھ پتہ تو چلے کہ آپ کون ہیں اور آپ کا حدود اربعہ کیا ہے؟“ آصف چوہدری نے پوچھا۔

”چوہدری صاحب! آپ مجھے پہچاننے کی کوشش کریں“۔ جلال نے کہا۔ ”میں آپ کے والد مرحوم چوہدری نذیر احمد کا دوست ہوں اور آپ کے گاؤں کا حجام جلال ہوں۔ آپ کی خیرات نے میری زندگی بدل دی“۔

”کیسی خیرات کس قسم کی خیرات...... کچھ پتہ تو چلے۔ ذرا کھل کر بات کرو“۔ آصف نے کہا۔

”چوہدری صاحب! کیا بتاؤں یہ ایک لمبی کہانی ہے“۔ جلال نے کہا اور پھر مختصراً ساری بات آصف کو سنا دی“۔

”اچھا...... اچھا...... خوب یاد آیا“۔ آصف چوہدری نے یاد آنے پر کہا۔ ”اس نے بھی دو تین سال پہلے انارکلی بازار کے قریب اسے بھیک مانگتے دیکھا تھا اور کچھ مدد امداد کے لئے خیرات بھی دی تھی۔ اس وقت اسے یقین تو نہ آیا ہاں البتہ شک ضرور رہا۔ پھر دل میں یہ بھی خیال آیا کہ جلال تو ایسا آدمی نہ تھا وہ تو ہمیشہ محنت پر یقین رکھنے والا آدمی تھا۔ پھر یہ بھی دل میں خیال آیا کہ ہو سکتا ہے کہ کوئی اور شخص جلال کا ہم شکل ہو۔

”اچھا، وہ تم ہی تھے میرا شک ٹھیک تھا“۔ آصف چوہدری بہت خوش ہوا اور کہا۔ ”جلال چھوڑو ان باتوں کو زندگی میں ایسے لمحات آتے جاتے ہیں، اسی کو نشیب و فراز کہتے ہیں۔ اپنی اپنی قسمت کے مطابق ہر کوئی ان حالات سے گزرتا ہے۔ یہ سب کچھ زندگی کا حصہ ہوتا ہے۔ پھر بھی جلال تمہاری ہمت، محنت اور خاص کر حالات کا مقابلہ کرنے کی داد دیتا ہوں۔ جلال! اب میں سرکاری ڈیوٹی پر ہوں، تمہاری درخواست پر اس پلاٹ کا

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

سروے کرنے آیا ہوں اور پھر رپورٹ لکھوں گا۔ اب اسے یہ بتاؤ۔ کیا تمہارے پاس اس متروکہ جائیداد کا کوئی ثبوت یا دستاویزات ہیں جو یہ ثابت کریں کہ تم ہی اس جائیداد کے حقدار ہو"۔

جلال نے فوراً اپنی الماری سے چند دستاویزات نکالیں اور آصف چوہدری کے سامنے رکھ دیں۔ آصف چوہدری نے کاغذات کی جانچ پڑتال کی سب کچھ جلال کے حق میں تھا۔ بیٹھے بیٹھے آصف چوہدری نے رپورٹ جلال کے حق میں لکھ دی۔ پلاٹ پر قبضہ بھی اس کا تھا۔ کارپوریشن ٹیکس اور ایکسائز ٹیکس کی ادائیگی بھی جلال کرتا رہا۔ جس سے ان کا کیس مزید مضبوط ہو گیا۔ آصف چوہدری نے جلال سے کہا کہ ایک ہفتہ کے اندر اندر وہ اس پلاٹ کا تخمینہ بھی لگا دے گا۔ جتنی رقم بنی سرکاری خزانے میں جمع کرا دینا پھر مالکانہ حقوق اس کے نام ہو جائیں گے۔

جلال اب بہت مطمئن اور خوش تھا۔ ٹھیک ایک ہفتہ بعد وہ دفتر پہنچا اور آصف چوہدری سے ملا ساری کارروائی مکمل تھی۔ آصف چوہدری نے جلال سے کہا کہ اس کے پلاٹ کی قیمت ساڑھے چودہ ہزار (Access) ہوئی ہے لہٰذا وہ یہ قیمت سرکاری خزانے میں جمع کروا دے۔ پھر آصف نے اسے سمجھایا کہ تم ایسا کرنا کسی مہاجر سے اتنی مالیت کا 50% پر کلیم خرید لینا جو تم کو سات ہزار یا ساڑھے سات ہزار تک مل جائے گا۔ وہ جمع کرا دینا۔ اس طرح تمہیں نصف رقم بچ جائے گی۔ ان دنوں کلیم کی خرید و فروخت کی حکومت نے اجازت دے رکھی تھی۔ یوں جلال کی نصف رقم آصف چوہدری نے بچا دی۔ ٹھیک ایک ماہ بعد جلال کو مالکانہ حقوق مل گئے۔ جلال آصف چوہدری کا بہت شکر گزار تھا۔

"یہ تو میرا فرض تھا"۔ آصف نے کہا۔ "آپ اس جائیداد کے قانونی طور پر حقدار تھے۔ سب سے بڑھ کر

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

آپ میرے مرحوم والد کے دوست بھی تھے۔ آئندہ کبھی بھی کسی قسم کی مدد درکار ہو تو میرے گھر کے دروازے آپ پر کھلے ہیں۔ کسی وقت بھی دفتر اور گھر آ جا سکتے ہیں۔ میں آپ کے متعلق اپنی بیمار والدہ کو بھی بتاؤں گا کہ انکل جلال ملے تھے اور وہ اب پہلے والے جلال نہیں رہے بلکہ راجہ جلال ہیں''۔

جب اس بات کا دینے پہلوان کو علم ہوا کہ جلال کو پلاٹ کے مالکانہ حقوق محکمے کی طرف سے مل گئے ہیں تو وہ بھی بہت خوش ہوا اور جلال کو مبارک بادی کا پیغام بھیجا اور خدا کا شکر ادا کیا کہ وہ جلال کی مدد کر کے سرخرو ہوا۔ اب جلال کو ہر طرف سے خوشیاں ہی خوشیاں سننے کو ملتیں۔

ٹھیک ایک سال بعد جلال کی بیٹی رضیہ جو میڈیکل کی طالبہ تھی، ایم بی بی ایس کا امتحان پاس کر لیا اور ڈاکٹر رضیہ جلال راجہ بن گئی اور اس کی پہلی پوسٹنگ لاہور میں ہی گلاب دیوی ہسپتال میں بطور میڈیکل آفیسر ہوئی۔ اب دوسری طرف چوہدری نذیر احمد مرحوم کی بیوہ یعنی آصف چوہدری کی والدہ جو ستر اسی سال کی عمر میں تھی اور ٹی بی جیسے مہلک مرض کا شکار تھی اور اسی ہسپتال میں زیر علاج تھی جہاں ڈاکٹر رضیہ نئی نئی ڈاکٹر بن کے آئی تھی۔ اس نے رضیہ کو پہچان لیا اور حیرت سے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔ ڈاکٹر صاحبہ کہیں آپ جلال کی بیٹی تو نہیں جو گاؤں عبداللہ پور میں رہا کرتا تھا۔ پانچ چھ سال پہلے وہاں سے اپنے بیوی بچوں سمیت لاہور چلا آیا تھا۔

ڈاکٹر رضیہ جلال نے ایک نظر اپنی مریضہ پر ڈالی اور اس نے بھی فوراً پہچان لیا۔

''ہاں، آنٹی جان! میں جلال کی بیٹی رضیہ ہوں جو اکثر آپ کے ہاں لسی لینے جایا کرتی تھی''۔ رضیہ نے کہا۔ ''آپ انکل نذیر چوہدری کی بیوی ہیں۔ بتائیں آپ کب سے اس ہسپتال میں زیر علاج ہیں؟'' دونوں بڑے تپاک سے ایک دوسرے سے ملیں اور گاؤں کی باتیں یاد کرنے لگیں۔

''آپ فکر نہ کریں آپ کا ہر ممکن علاج اور خیال میں خود کروں گی۔ ان شاء اللہ آپ یہاں سے صحت یاب ہو کر جائیں گی۔ آپ کا میڈیکل ریکارڈ بھی میری نظر سے گزرا ہے۔ بس معمولی سی آپ کے بائیں پھیپھڑے میں تکلیف ہے ان شاء اللہ علاج سے ٹھیک ہو جائے گا۔ آپ خوراک پر زیادہ توجہ دیں''۔ ابھی باتیں ہو رہی تھیں کہ اسی دوران چوہدری نذیر کا چھوٹا بیٹا کاظم چوہدری جو پیشے کے لحاظ سے وکیل تھا، اپنی والدہ کے لئے پھل فروٹ اٹھائے وارڈ میں داخل ہوا اور اپنی ماں کو سلام کیا۔ ماں نے بیٹے کو ڈھیروں دعائیں دیں۔

''دیکھو، بیٹا! یہ ہماری بیٹی رضیہ جلال ہے''۔ خوشی خوشی وہ اپنے بیٹے سے مخاطب ہوئی اور کہا۔ ''ہمارے گاؤں کی بیٹی ہے۔ تمہارے انکل جلال کی بیٹی ہے جو تمہارے مرحوم والد کے بھائی تھے۔ کیا تمہیں یاد ہے؟''

''ہاں، امی جان! خوب یاد آیا''۔ آگے بڑھ کر کاظم نے رضیہ کو سلام کیا۔ رضیہ نے بھی مسکرا کر جواب دیا۔

اب ڈاکٹر رضیہ جلال حجام کی بیٹی نہ تھی بلکہ ڈاکٹر رضیہ جلال راجہ ایک سونے کی چڑیا کے روپ میں تھی جسے کاظم چوہدری ہر حالت میں حاصل کرنے کا فیصلہ کئے ہوئے تھا۔ کچھ عرصہ تک میل ملاقاتیں اور عہد و پیمان ہوتے رہے۔ کچھ ذات پات کا مسئلہ بھی آڑے آیا لیکن جب انسان صاحب حیثیت بن جاتا ہے تو پھر ذات پات اونچ نیچ اپنی حیثیت کھو بیٹھتے ہیں۔ جلد ہی باہمی رضامندی اور والدین کی اجازت سے ڈاکٹر رضیہ اور چوہدری کاظم نکاح کے بندھن میں باندھ دیئے گئے۔ اس شادی پر جلال بہت خوش تھا اور اسے اپنا مرحوم دوست بہت یاد آیا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

اُس سر پھرے کی کہانی جو اندھیر نگری میں اُجالا کرنے نکلا تھا۔

ملک نعیم کے گھر شیخ آفتاب، فہد اور ملک نعیم تینوں ڈرائینگ روم میں بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔ ان کے درمیان موضوع الیکشن ہی تھا۔ شیخ آفتاب نے صلاح دیتے ہوئے کہا۔

''فہد! آپ کیوں پریشان ہیں۔ دوستوں نے جو فیصلہ کیا ہے۔ وہ بہت سوچ سمجھ کر ہی کیا ہو گا۔ اور اتنے لوگوں کی رائے کو ہم نظر انداز نہیں کر سکتے۔ آپ تیاری کریں الیکشن کی۔ میں سمجھ رہا ہوں کہ اب یہاں کے لوگوں میں حوصلہ ہے۔ لوگ بدل رہے ہیں، ان کی سوچ میں تبدیلی آ رہی ہے''۔

''اور فہد، لوگ پرانے چہروں کو آزما کر اکتا چکے ہیں۔ اب نئے لوگوں کو آگے آنا چاہئے۔ لوگوں کو معلوم ہو کہ جو نئی قیادت ہے۔ وہی در اصل ان کی مخلص قیادت ہے۔ وہ نہ صرف ان کے مسائل کو سمجھتے ہیں بلکہ وہی حل کریں گے۔'' ملک نعیم نے اپنی رائے دی تو فہد بولا۔

''ملک صاحب قیادت کی سوچ مثبت ہونی چاہئے مثبت سوچ کا بندہ ہی دوسروں کے دکھ درد کا احساس کرتا ہے۔ ورنہ پھر کرپشن اور لوٹ مار ہی ہوتی ہے۔ میں سمجھتا

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہوں کہ آپ مثبت سوچ کے مالک ہیں''۔

''آپ کی بات ٹھیک ہے فہد۔ لیکن نوجوان قیادت کو بھی موقع ملنا چاہئے۔ وہ زیادہ بہتر انداز میں قوم کی خدمت کر سکتے ہیں''۔ شیخ آفتاب نے کہا تو فہد بولا۔

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں شیخ صاحب! لیکن میں نے الیکشن نہیں لڑنا۔ میرا جو کام ہے، وہی کرنے دیں۔ مجھے ایک عام آدمی ہی رہنے دیں''۔

''کیا ایک عام آدمی اسمبلی کا رُکن نہیں بن سکتا؟ میرے خیال میں وہ زیادہ عوامی حقوق کی بات کر سکتا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ آپ نے یہاں کتنی محنت کی ہے۔ اب الیکشن تو آپ ہی کو لڑنا ہے۔ ہار جیت کو چھوڑیں۔ لوگوں کو معلوم ہو کہ آپ ہی ان کے حقیقی نمائندے ہیں''۔ ملک نعیم نے کہا تو فہد تحمل سے بولا۔

''دیکھیں میں تو عوام کی فلاح و بہبود کے لیے کام کروں گا۔ اب اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ میں عوام کی قیادت کا حق بھی رکھتا ہوں۔ نمائندگی کا حق میرٹ پر ہونا چاہئے۔ جو بہتر نمائندے ہیں انہیں آگے لے آئیں''۔

''بہتر سے آپ کی کیا مراد ہے؟'' ملک نعیم نے پوچھا تو فہد نے جواب دیا۔

''وہی جو پورے دل سے، پوری توجہ کے ساتھ خلوص نیت سے عوامی مسائل حل کرنے کی تگ و دو کر سکیں''۔

''یہ جو تبدیلی کا خوشگوار جھونکا آ گیا ہے، اس سے لوگوں کو مایوس نہ کریں۔ آپ کے الیکشن پر جو خرچ آئے گا۔ اس کی فکر نہ کریں۔ وہ میں کروں گا''۔ شیخ آفتاب نے کہا تو فہد بولا۔

''بات خرچ کی نہیں، ذمہ داری کی ہے۔ اگر آپ ایک چھوٹی سیٹ کی ذمے داری مجھ پر ڈالتے ہیں تو پھر آپ کوئی اعتراض نہیں کریں گے۔ میں چاہے جسے مرضی الیکشن لڑاؤں۔ میں اس کی پوری ذمہ داری لوں گا''۔

''یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟ فیصلہ تو آپ کے حق میں ہے۔ اس طرح پارٹی ٹکٹ کا مسئلہ بن جائے گا''۔ ملک نعیم نے کہا تو فہد حتمی انداز میں بولا۔ ''سوچ لیں آپ دوبارہ صلاح مشورہ کر لیں۔ پارٹی ٹکٹ کا مسئلہ میں خود حل کر لوں گا''۔

''یہ سیٹ ہم نے آپ کو دی۔ جسے چاہیں الیکشن لڑائیں۔ اتنی بڑی بات ہے کہ چوہدریوں کے علاقے سے ان کے مقابلے کے لیے پورا پینل کھڑا ہو جائے۔ فہد صاحب! آپ جو چاہیں سو کریں۔ ہم ہر طرح سے آپ کے ساتھ ہیں''۔ شیخ آفتاب نے فیصلہ کن لہجے میں کہا تو ملک نعیم نے تائید کرتے ہوئے کہا۔

''میری تو حمایت آپ کے ساتھ ہے ہی۔ بس جو کرنا ہے، جلدی کر لیں''۔

''ہو گیا۔ صرف ایک دن چاہئے۔ کل میں وہ آپ کو بتا دوں گا''۔ فہد نے سوچتے ہوئے کہا تو شیخ آفتاب بولا۔ ''یہ تو ہو گیا۔ اب ہم کچھ دوسرے معاملات دیکھ لیں''۔

اس کے یوں کہنے پر وہ تینوں دوسرے معاملات پر باتیں کرنے لگے۔

ڈھلتی ہوئی شام میں فہد نے سلمٰی کے آفس کے سامنے کار روکی اور آفس میں داخل ہوا۔ سلمٰی باہر صحن میں بیٹھی ہوئی کتاب پڑھنے میں مصروف تھی۔ اس وقت فہد کو سلمٰی خوبصورت دکھائی دی۔ فہد آ کر اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا اور اسے بڑے غور سے دیکھتے ہوئے بولا۔

''آج تم بہت اچھی لگ رہی ہو''۔

''میں اچھی ہوں، اس لیے اچھی لگ رہی ہوں۔ آپ بتائیں کیسے آنا ہوا۔ اور یہ تمہید کیوں باندھی جا رہی ہے''۔ سلمٰی نے شوخی سے پوچھا تو فہد بولا

''ہاں! میں نے تم سے کچھ کہنا ہے سلمٰی''۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

''ٹھیک ہے کہیں۔ میں سن رہی ہوں''۔ سلمٰی اٹھلا کر بولی تو فہد نے سنجیدگی سے کہا۔

''یہ جو الیکشن آ رہا ہے نا، میں چاہتا ہوں تم چھوٹی سیٹ کے لیے الیکشن لڑو''۔

اس کے یوں کہنے پر سلمٰی ایک دم سے گھبرا گئی، یوں جیسے سکتے میں آ گئی ہو۔ پھر دھیمے سے لہجے میں بولی

''فہد میں کس طرح الیکشن لڑ سکتی ہوں''۔

''جس طرح دوسرے لوگ الیکشن لڑتے ہیں''۔ فہد نے شوخی سے کہا تو سلمٰی نے اس کی طرف حیرت سے دیکھا اس کی نگاہوں میں محبت اتر آئی تھی۔ وہ خود کو سنبھالتے ہوئے بولی

''جیسے آپ کا حکم۔ ٹھیک ہے سر تسلیم خم ہے''۔

''لیکن؟'' فہد نے اس کے ایک دم مان جانے پر پوچھنا چاہا تو وہ اس کی بات کاٹتے ہوئے بولی

''یہ لفظ تو مجھے کہنا چاہیے تھا۔ آپ نے کہہ دیا، آپ کا حکم میں نے مان لیا۔ مجھے نہیں معلوم یہ سب کیسے ہوگا۔ میرے سامنے تو بس آپ کی ذات ہے نا شاید محبت کیا، کیوں اور کیسے نہیں جانتی''۔

''بس مجھے یہی اعتماد چاہیے''۔ اس نے اطمینان سے کہا پھر سوچ کر بولا، ''آؤ! اگر گھر جانا چاہتی ہو تو آؤ۔ میں ادھر ہی جا رہا ہوں۔ استاد جی کو بھی تو بتانا ہے نا''۔

''چلیں''۔ وہ ایک دم مان گئی اور اٹھ کر چل دی۔

ماسٹر دین محمد نے ان دونوں کو اکٹھے آتے دیکھا تو اس کے چہرے پر واضح مثبت تبدیلی آئی۔ پھر پُرسکون سا ہو گیا۔ وہ اس کے پاس آ کر بیٹھ گئے تو ماسٹر دین محمد نے پوچھا۔

''خیر تو ہے۔ آج تم دونوں اکٹھے آئے ہو؟''

''خیر ہی ہے استاد جی۔ دراصل میں نے سلمٰی کے بارے میں ایک فیصلہ کیا ہے۔ اس بار چوہدریوں کے مقابلے میں سلمٰی الیکشن لڑے گی''۔

''یہ کیا بات ہوئی بھلا؟'' ماسٹر دین محمد نے حیرت سے پوچھا تو فہد بولا۔

''کیا آپ کو اچھا نہیں لگا''۔

''یہ فیصلہ تو تم کر ہی چکے ہو۔ میں تو بس دعا ہی دے سکتا ہوں۔ وہ دیتا رہوں گا''۔ ماسٹر دین محمد نے سوچتے ہوئے ایک دم سے کہا تو فہد نے پھر تصدیق چاہی

''استاد جی۔ آپ ہماری اس کوشش پر دل سے کیا چاہتے ہیں؟''

''دیکھو بیٹا! سچائی کا جواب اگر سچائی ہوتا نا۔ تو یہ حالات اور وقت سنہرا ہوتا۔ جھوٹ کے مقابلے میں سچائی کی جیت تو ہے لیکن اس میں بڑی مشکلات حائل ہوتی ہیں۔ اس کے لیے کبھی کبھی ایسی راہوں پر بھی جانا پڑتا ہے۔ جسے دل اور مزاج دونوں قبول نہیں کرتے''۔ ماسٹر دین محمد نے ڈھکے چھپے انداز میں اپنا موقف کہہ دیا تو فہد نے سکون سے کہا۔

''آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ اندھیرے میں قندیل اٹھانے والا تکلیف تو برداشت کرتا ہی ہے۔ مگر پُرسکون بھی تو وہی ہوتا ہے''۔

''ہاں! بعض اوقات ذرا سی غفلت کے باعث ٹھوکر بھی لگ گئی۔ انسان ایک غلط فیصلے کی وجہ سے گمراہ بھی ہو سکتا ہے۔ یہ جو تم نے سلمٰی کو الیکشن لڑوانے کا فیصلہ کیا ہے کیا درست ہے؟'' ماسٹر دین محمد نے پوچھا

''کیوں کیا ہوا استاد جی، آپ یہ کیا کہہ رہے ہیں۔ میں لوگوں کے حقوق کے لیے جنگ لڑ رہا ہوں۔ میں ہی اگر اپنے طبقے کو عزت نہیں دوں گا تو اور کون دے گا؟'' فہد نے جذباتی ہوتے ہوئے کہا تو ماسٹر دین محمد بولا۔

''میرے کہنے کا مقصد یہ نہیں تھا۔ تم اگر امیدوار ہوتے تو زیادہ اچھا تھا۔ سلمٰی لڑکی ذات ہے۔ کامیاب ہو بھی گئی تو وہ کام نہیں کر سکے گی جو تم کر سکتے ہو۔ اس نے

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

ابھی تک نو پور نہیں دیکھا۔ وہاں دارالحکومت میں ایوانوں میں پریس کانفرنسوں میں وہ کیسے جائے گی۔ اس کی ہمت نہیں پڑے گی بیٹا۔ وہ اس قدر باہمت نہیں ہے۔ میں جانتا ہوں"۔

سلمیٰ اس دوران اپنے باپ کے قریب آ گئی اور بڑے جذباتی لہجے میں بولی

"ابا جی! یہ جو دن گزرے ہیں۔ میں نے ان دنوں میں ایسی ایسی کہانیاں سنیں۔ لوگوں کے ایسے حالات معلوم ہوئے ہیں کہ میں آپ کو بتاؤں تو دل ہل جائے۔ لوگ کس طرح جی رہے ہیں۔ میں اب سمجھی ہوں، میرا دکھ تو کچھ بھی نہیں ہے۔ میں ہر فورم پر جاؤں گی۔ میں بتاؤں گی کہ ہم لوگ کس کرب سے گزر رہے ہیں۔ اور ہاں اگر کوئی مشکل ہوئی تو فہد ہیں نا میرے ساتھ"۔

سلمیٰ عزم کے ساتھ بولی تو ماسٹر دین محمد نے اس کے چہرے پر دیکھا۔ پہلی بار اسے اپنی بیٹی بااعتماد لگی تھی۔ سو وہ بڑے تحمل سے بولا۔

"اسی میں ہم سب کی بھلائی ہے۔ خیر! تم لوگ بیٹھو، میں آتا ہوں"۔

یہ کہہ کر ماسٹر دین محمد باہر کی جانب چل دیا۔ وہ جا چکا تو سلمیٰ نے پوچھا۔

"مجھے سمجھ نہیں آئی، ابا کیا کہنا چاہ رہے تھے"۔

"ان کی باتوں میں ایک باپ کے خدشات تھے۔ لیکن ہمیں کوئی ایسا موقع نہیں دینا چاہئے۔ جس سے کسی کے دل میں بھی بدگمانی پیدا ہو"۔ فہد نے بتایا

"میرے ابا کو مجھ پر اعتماد ہے"۔ وہ اعتماد سے بولی

"اچھی بات ہے لیکن دشمن کا اعتبار نہیں۔ وہ ایسا زہر بھی اگل سکتا ہے۔ جس سے دامن پر چھینٹے پڑ جائیں"۔ فہد نے اسے اصل بات بتائی تو سلمیٰ نے عزم سے کہا۔

"کچھ نہیں ہونا۔ میرا کردار ہی لوگوں کے منہ پر ہاتھ رکھ دے گا"۔

"ان شاء اللہ، ایسے ہی ہوگا"۔ فہد نے کہا تو سلمیٰ کے چہرے پر حیا پھیل گئی۔ فہد مسکرا دیا۔

اگلے دن کی صبح صبح سراج کے ڈیرے پر فہد واک کرنے کے انداز میں ٹہل رہا تھا۔ اس کے ساتھ سراج تھا۔ ایسے میں مائرہ کی کار آ کر رکی اور وہ باہر آ گئی۔ سراج نے تیزی سے چارپائی کی طرف بڑھا تا کہ اسے بچھا دے۔ مائرہ اس پر جا بیٹھی تو فہد بھی اس کے قریب آ گیا۔ تبھی وہ پُرسکون سے انداز میں بولی۔

"تو یہ ہے فہد تمہارا ٹھکانہ"۔

"ہاں اور سمجھو میرا کیمپ آفس بھی"۔ فہد نے کہا تو اس پر دونوں ہنس دیئے۔ پھر سراج کی طرف دیکھ کر مائرہ نے پوچھا۔

"کیسے ہو سراج؟"

"میں ٹھیک ہوں۔ آپ بیٹھیں میں ابھی آیا"۔ یہ کہہ کر وہ وہاں سے چلا گیا۔ تب فہد نے کہا۔

"اب سنو، میں تم سے کیا بات کرنا چاہ رہا تھا۔ جو گھر میں یا سلمیٰ کے آفس میں نہیں ہو سکتی ہے۔ مجھے تمہاری مدد کی ضرورت بھی ہے"۔

"یہ کیا کہہ رہے ہو۔ کیسی مدد خیر بتاؤ؟" مائرہ نے کہا تو فہد بولا۔

"مجھے اس سیاسی پارٹی کا ٹکٹ چاہئے، جس میں تمہارے پاپا ہیں"۔

"تم الیکشن لڑ رہے ہو واؤ۔ بہت اچھی بات ہے مزہ آ جائے گا"۔ مائرہ نے خوش ہوتے ہوئے کہا تو فہد بولا۔

"میں الیکشن نہیں لڑ رہا۔ بلکہ میں نے اپنے استاد جی کی بیٹی کو کامیاب کرانا ہے"۔

"کیوں، اسے کیوں۔ تم کیوں نہیں۔ وہ تو بہت معصوم ہے۔ وہ کیا کہتے ہیں ممولے کو شاہین سے لڑانے والی بات ہے"۔ مائرہ نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا

"مجھے بہتر اندازہ ہے کہ اپنے مقصد کے لیے مجھے

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

کیا کرنا ہے۔ یہ وقت بہت نازک ہے، ہمیں بہت محتاط ہو کر چلنا ہے تم اپنے پاپا سے بات کرو"۔ فہد نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا تو مائرہ کاندھے اچکا کر بولی۔

"خیر! تم یہاں کی سیاست بہتر جانتے ہو۔ ٹکٹ تو مل جائے گا میں پاپا سے بات کرلوں گی بلکہ ان کو اس علاقے کی صورتِ حال بتا کر پوری طرح کوشش کروں گی۔ ویسے بھی ان کی پارٹی نئے لوگوں کو سامنے لا رہی ہے۔ میں خود بھی اپنی تعلقات آزمانے کی کوشش کروں گی۔ یہ تو سمجھو کام ہو گیا ہے اور کوئی بات؟"

"نہیں فی الحال تو نہیں"۔ فہد نے سکون سے کہا تو مائرہ بولی۔

"میں ابھی فون کر دیتی ہوں"۔

یہ کہہ کر وہ اپنے ہاتھ میں پکڑے ہوئے فون کی طرف متوجہ ہو گئی۔ فہد بہت دباؤ میں محسوس کرتا ہوا اس کی طرف دیکھنے لگا۔

☆......☆......☆

چھاکا اپنے مرغے کے ساتھ صحن میں بیٹھا ہوا اسے بادام کھلا رہا تھا۔ قریب ہی چار پائی پر چاچا سوہنا بیٹھا اسے دیکھ رہا تھا۔ چھاکے نے اپنے باپ کی طرف دیکھا پھر مرغے کی طرف متوجہ ہو کر بولا

"دیکھا شہزادے کھا، یہ میرے لیے کا مال ہے لیکن یہ دیکھ لے اگر تُو ہار گیا تو تیری یخنی میں نے ابے ہی کو پلا دینی ہے"۔

"اوئے کب ہے اس کا مقابلہ؟" چاچا سوہنا بولا

"مقابلہ، جس دن وی دارے چیمہ نے مجھے چیلنج کر دیا اسی دن مقابلہ ہو جائے گا۔ پر تو کیوں پوچھ رہا ہے ابا"۔

"یار، وہ یخنی پیئے بڑا ہی عرصہ ہو گیا ہے"۔

اس پر مرغا بول پڑا تو چھاکا بولا۔

"دیکھا، یہ شہزادہ بھی مائنڈ کر گیا ہے۔ دیکھنا ابا جیت ہماری ہی ہو گی۔ کیونکہ ایک ہی تے چھاکا ہے اس سارے علاقے میں جس کی دس پوچھ ہے"۔

"او تیری دس پوچھ سے یاد آیا، یہ فہد اصل میں کرنا کیا چاہتا ہے اور یہ سلمٰی بھی ایک دفتر کھول کر بیٹھ گئی ہے"۔ چاچا سوہنا یوں بولا جیسے تفتیش کر رہا ہو۔

"نا ابا مجھے یہ بتا، اگر تیری سمجھ میں بات نہیں آتی تو پھر تُو بات ہی کیوں کرتا ہے۔ یہ انہوں نے کچھ نہیں کیا، اللہ سائیں نے ان ظالم چوہدریوں کی رسی کھینچنے کے لیے انہیں بھیجا ہے۔ تو دیکھنا ان کے ساتھ ہوتا کیا ہے"۔ چھاکا گہری سنجیدگی سے بولا

"اوئے میرے بھولے پتر، لوگوں کے سامنے اور خود کو سمجھانے کے لیے ہم بڑی بڑی باتیں کرتے رہتے ہیں لیکن یہ دل، اِسے کون سمجھائے، یہ جو فہد کرتا پھر رہا ہے اس سے کچھ ہوتا نظر تو آتا نہیں"۔ چاچا سوہنا مایوسی سے بولا۔

"ابا تو پھر تُو اپنی نظر کا علاج کرا، پورے علاقے میں ہلچل ہو گئی ہے"۔ چھاکے نے اس کی طرف دیکھ کر کہا تو چاچے سوہنے نے ایک طویل سانس لی اور بولا۔

"اللہ کرے وہی ہو جو ہم سوچ رہے ہیں"۔ پھر لحہ بھر سوچ کر اٹھتے ہوئے بولا "لے فیر ابا میں تو چلا"۔

یہ کہہ کر چاچا سوہنا گنگناتا ہوا باہر کی طرف چل دیا

"جے ناں اُتریئے یار دے نال پورے......
اڈے پٹنے نہ سہیڑیئے نی......وارث شاہ جے پیاس نہ ہووئے......اندر شیشے شربتاں دے نہ چھیڑیئے نی......"

چوراہے میں چاچا سوہنا اور وہاں موجود لوگ، سب باتیں کر رہے تھے اور ساتھ میں تاش بھی کھیل رہے تھے۔ ایک آدمی نے حنیف دوکاندار سے کہا۔ "لے بھئی حنیف! الیکشن کا اعلان ہو گیا ہے۔ اب دیکھنا ہو گا چار دن ہلا گلا۔ کاریں، جیپیں، موٹریں دوڑیں گی، شور شرابا ہو گا۔ نعرے لگیں گے۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

''اوئے اصل بات تو یہ ہے کہ یہاں ہمارے علاقے میں سے الیکشن کون لڑے گا؟'' حنیف دوکاندار نے پوچھا تو اسی آدمی نے جواب دیا۔

''اوئے چوہدریوں نے ہی الیکشن لڑنا ہے۔ کسی غریب بندے کی کیا جرات ہے کہ وہ الیکشن لڑے''۔

''غریب کیوں نہیں لڑ سکتا۔ کیا اسے حق نہیں، فہد ہے نا''۔ چاچا سوہنا بولا تو وہ آدمی بولا۔

''اُو بھولے بادشاہ! الیکشن میں نوٹ لگانے پڑتے ہیں۔ وہ بھی لمبے نوٹ''۔

اس پر حنیف دُکاندار قہقہہ لگا کر بولا

''اوئے اس فہد کی کیا اوقات کہ وہ چوہدریوں کے مقابلے میں الیکشن لڑے۔ اوئے اس کی اوقات ہی کیا ہے۔ اس کے پاس تو ڈیرہ تک نہیں ہے۔ وہ کیا لڑے گا الیکشن؟''

''تُو سچ کہتا ہے یار۔ وہ جیسے کہتے ہیں نا کوئی جانور گاڑی تو روک سکتا ہے لیکن گاڑی چلا نہیں سکتا۔ فہد واقعی الیکشن نہیں لڑ سکتا۔ پیسہ تو اس نے سارا زمینوں پر لگا دیا ہے۔ اب سارا کچھ بیچے گا تو ہی الیکشن لڑے گا''۔ اس آدمی نے کہا تو چاچا سوہنا بولا۔

''اوئے تم لوگ تو جھلے ہو گئے ہو۔ اگر فہد نے الیکشن لڑا تو وہ جیتے گا ضرور یہ میرا دل کہتا ہے''۔

''اُو چاچا! تُو سیاست کی باتیں نہ کریں۔ اپنا کام کر فیصلہ میدان میں ہوتا ہے۔ صرف خواہش کر لینے سے سب کچھ ہاتھ نہیں آ جاتا''۔ حنیف دوکاندار نے کہا تو چاچا سوہنا بولا۔

''میدان میں بندے ہی لڑتے ہیں۔ تم کیا سمجھتے ہو کہ الیکشن صرف نوٹوں سے لڑا جاتا ہے اس کے لیے حوصلہ اور اعتماد بھی چاہئے جو اب چوہدریوں کے پاس نہیں رہا''۔

''جب علاقے میں جس قدر نوٹ پھنکیں گے نا اسی قدر ووٹ اٹھا لیں گے''۔ حنیف دوکاندار نے طنز سے کہا تو چاچا سوہنا ہنستے ہوئے بولا۔

''نوٹوں سے تیرے جیسے بکاؤ مال اپنا ووٹ بیچتے ہیں۔ اب نہیں بکنے والے ووٹ اب لوگوں کو شعور آ گیا ہے وقت ہی تبدیل نہیں ہوا سوچ بھی تبدیل ہو گئی ہے۔ اس بار الیکشن کا نتیجہ کچھ الگ ہی نکلے گا۔ اب ہوا چل پڑی ہے''۔

چاچے نے بڑے اعتماد سے ان کی طرف دیکھا پھر کھیل کی طرف متوجہ ہو گیا۔

☆......☆......☆

حویلی کے ڈرائنگ روم میں چوہدری جلال اور وکیل جمیل اختر دونوں باتیں کر رہے تھے۔ منشی ان سے ذرا فاصلے پر بیٹھا ہوا ان کی باتیں سن رہا تھا۔ وکیل نے کہا۔

''مجھے آج ہی معلوم ہوا ہے کہ چھوٹی سیٹ کے لیے چوہدری کبیر کے مقابلے میں فہد کا فیصلہ کر لیا گیا ہے''۔

''کیا؟ کیا یہ خبر درست ہے؟'' چوہدری جلال کو یہ سن کر بہت شاک لگا تھا۔

''ہاں۔ مگر وہ نہیں مان رہا ہے۔ کیوں نہیں مان رہا۔ یہ تو معلوم نہیں ہو سکا ہے۔ لیکن جلدی پتہ چل جائے گا''۔ وکیل نے کہا تو چوہدری جلال تشویش سے بولا۔

''میں تو کچھ اور ہی سوچ رہا تھا۔ خیر! وہ آتا ہے مقابلے میں تو آ جائے۔ لیکن وہ کیوں نہیں مان رہا۔ یہ بات سوچنے والی ہے کیا یہ معلوم ہو سکتا ہے''۔

''ویسے چند دن بعد سب کچھ سامنے آ جائے گا۔ لیکن ایک مشورہ ہے۔ کیوں نا اس سے مل کر اسے ٹٹولا جائے۔ اس سے بہت کچھ واضح ہو جائے گا''۔ وکیل نے رائے دیتے ہوئے کہا تو چوہدری جلال بولا۔

''فوراً مل لیں اس سے۔ بلکہ وہ کسی سمجھوتے پر بھی

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

راضی ہو جاتا ہے تو کر لیں۔ اسے اچھی طرح معلوم ہے کہ وہ الیکشن نہیں جیت سکتا۔ ممکن ہے وہ ان حالات سے کوئی فائدہ اٹھانا چاہ رہا ہو۔ فوراً ملو جو شرط بھی ہو، ہم اسے مانیں گے اگر ماننے والی ہوئی تو''۔

''میں آج ہی اس سے ملنے کی کوشش کرتا ہوں۔ ممکن ہے وہ ہماری کسی آفر کے انتظار میں ہو''۔ وکیل نے کہا

''یہی، یہی میں کہہ رہا ہوں۔ ممکن ہے ملک نعیم کا جو سامنے آنا ہے وہ محض ڈراوا ہی ہو۔'' چوہدری جلال نے تیزی سے کہا

''ٹھیک ہے۔ میں ملتا ہوں۔ یہ تو ہونا ہی تھا۔ چوہدری صاحب! ملک نعیم نے اپنی سیاست چمکانے کے لیے اس علاقے میں آنا ہی آنا تھا۔ یہ کوئی حیران کن بات نہیں ہے۔ حیرت مجھے اس بات پر ہے کہ آپ نے اس کا سدباب وقت سے پہلے کیوں نہیں کیا۔ ورنہ تو الیکشن میں کچھ بھی ہو سکتا ہے''۔ وکیل نے کہا تو چوہدری جلال حیرت سے بولا۔

''جانتا ہوں۔ اس کی رسی میں نے ہی ڈھیلی چھوڑی تھی۔ مگر مجھے حیرت اس بات پر ہے کہ ہمارے لوگ کیا کر رہے ہیں''۔

''طاقت کی کشش بہت ہوتی ہے چوہدری صاحب! لوگ اسی طرف جڑتے ہیں۔ جہاں طاقت ہو۔ آپ حکومت میں ہوتے ہوئے ان کے لیے کچھ نہیں کر رہے۔ تو وہ آپ سے کیا توقع رکھیں۔ روایتی سیاست ختم ہو چکی ہے۔ یہ آپ مان لیں''۔

''وکیل صاحب! ابھی آپ کہہ رہے تھے کہ طاقت کی کشش بہت ہوتی ہے''۔ چوہدری جلال نے مسکراتے ہوئے کہا تو وکیل جمیل اختر بولا۔

''اب میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ طاقت کا اصل مرکز کہاں ہے۔ یہی سمجھنا وقت کی اہم ضرورت ہے خیر! میں نے آپ کو حالات سے آگاہ کر دیا۔ نور پور پر آپ کی گرفت کمزور ہو گئی ہے۔ کیونکہ چوہدری کبیر وہاں کا بوجھ نہیں اٹھا پا رہا ہے''۔

اس کی بات سن کر چوہدری نے چونکتے ہوئے پوچھا

''تو پھر کیا مشورہ دیتے ہیں آپ؟''

''یہی کہ ملک نعیم اپنی خوبیوں کے بل بوتے پر نہیں، بلکہ ہماری کمزوریوں سے فائدہ اٹھا رہا ہے۔ بجائے اسے دبانے کے، خود کو عوام میں مضبوط کریں۔ میں تو یہی کہوں گا۔ آج آپ کو میڈیا کا سامنا ہے اور آپ جواب نہیں دے پا رہے ہیں اس کی وجہ کیا ہے یہ سوچا آپ نے؟'' وکیل نے دلیل دیتے ہوئے کہا تو چوہدری جلال اکتائے ہوئے لہجے میں بولا۔

''ایک تو یہ میڈیا اچانک کیوں سوار ہو گیا ہے ہم پر۔ میں سوچتا ہوں اس پر''۔

''تو پھر اجازت میں چلتا ہوں''۔ وکیل اٹھتے ہوئے بولا وکیل چلا گیا تو منشی بولا۔

''چوہدری، یہ جو وکیل ہے اسے سمجھ رہے ہیں آپ کہیں یہ نکے چوہدری کی جگہ خود تو سیاست میں نہیں آنا چاہتا''۔

''مجھے بھی یہی شک ہے۔ لگتا ہے یہ بھی ایم پی اے بننے کے خواب دیکھ رہا ہے۔ دیکھتا ہوں اسے بھی۔ تم چیمہ صاحب کو فون کرو اور کہو کہ میں ان سے ملنا چاہتا ہوں۔ ان میڈیا والوں کا تو کوئی سد باب کریں''۔ چوہدری جلال نے کہا تو منشی اٹھتے ہوئے بولا۔ ''جی بہتر''۔

وہ فون کی جانب بڑھا تو چوہدری سوچ میں پڑھ گیا۔ حالات بہت تیزی سے تبدیل ہو رہے تھے۔

وکیل جمیل اختر نے حویلی سے نکل کر فہد سے رابطہ کیا۔ اس نے بات مان لی اور اس کی بات سننے پر راضی

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہوگیا۔ ایک سڑک کے کنارے درختوں کے درمیان وکیل جمیل اختر کھڑا تھا۔ قریب ہی اس کی گاڑی کھڑی تھی۔ اس کی نگاہیں جس طرف لگی ہوئی تھیں۔ ادھر سے اسے فہد کی گاڑی آتی دکھائی دی جو اس کے قریب آ کر رک گئی۔ اس میں سے فہد نکلا تو وکیل کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔ فہد نے مسکراتے ہوئے چہرے کے ساتھ، اس کے قریب جا کر ہاتھ ملایا اور بولا

''جی وکیل صاحب۔ کہیے، آج آپ مجھ سے کیا، بات کرنا چاہتے ہیں۔ دوٹوک بات، بحث نہیں پلیز''۔

''پچھلی بار میں نے صرف مقدمے پر بات کی تھی لیکن اب میں الیکشن کی بات کرنا چاہتا ہوں۔ سنا ہے۔ آپ الیکشن لڑ رہے ہیں؟'' اس نے بھی سیدھے سبھاؤ پوچھ لیا تو فہد نے دوٹوک لہجے میں کہا۔

''نہیں۔ میں الیکشن نہیں لڑ رہا۔ آپ تک شاید یہ اطلاع درست نہیں پہنچی''۔

''آپ ایک سمجھ دار انسان ہیں اور جانتے ہیں کہ سیاست میں کہیں بھی کوئی حرف آخر نہیں ہوتا۔ میں ہی نہیں، بہت سارے لوگ آپ کی سمجھ بوجھ اور صلاحیتوں کا اعتراف کرتے ہیں۔ کیا آئندہ آنے والے وقت میں آپ یہاں تبدیلی چاہتے ہیں'' وکیل نے محتاط لہجے میں پوچھا تو فہد صاف لہجے میں بولا۔

''میں اپنے علاقے کو خوشحال دیکھنا چاہتا ہوں۔ اس لیے اپنی کوشش کرتا رہتا ہوں''۔

''میں مانتا ہوں کہ آپ کو بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ چوہدری صاحب اپنی ماضی کی غلطیوں کو مانتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں، ماضی کو بھلا کر اچھے اور خوشگوار تعلقات کا آغاز کیا جائے''۔ اس نے اپنے مطلب کی بات کی تو فہد نے کہا۔

''آج تو نہیں کل، اس نے ایسا کرنا ہی تھا۔ آج ایسا کیوں کر رہا ہے۔ اس کی وجہ صرف اور صرف یہ الیکشن ہے، جس میں ان کی سیاسی پوزیشن پر بہت برا اثر پڑ چکا ہے، وہ بھی چوہدری کبیر کی وجہ سے۔ یہ الیکشن ان کے لیے بہت مشکل ثابت ہوگا''۔

''میں تسلیم کرتا ہوں لیکن اب آپ کی حمایت ہوگی تو یہ مشکل نہیں رہے گی''۔ وکیل نے اصل مدعا کہا تو فہد مسکراتے ہوئے بولا۔

''میری حمایت یا مخالفت ان کا کیا بگاڑ سکتی ہے وکیل صاحب۔ یہ تو ان کی خاندانی سیٹ ہے۔ نکال ہی لیں گے۔ وہ آرام سے نکال لیں گے''۔

''دیکھیں آپ ہی نے کہا ہے کہ بحث نہیں۔ سیدھی بات کرتا ہوں۔ آپ نے علاقے میں خاصا اثر ورسوخ بنا لیا ہے۔ اس لیے ملک نعیم آپ کو بھی الیکشن لڑانا چاہتا ہے۔ اگر ایسا ہے تو آپ مضبوط امیدوار کے ساتھ جڑیں۔ میں ضمانت دیتا ہوں۔ چوہدری آئندہ آپ کی راہ میں نہیں آئیں گے۔ آپ جیسے چاہیں سیاست کریں''۔ وکیل نے اسے آفر دی تو فہد بولا۔

''میں سوچتا ہوں اور اپنے دوستوں سے مشورہ کر کے آپ کو بتا دیتا ہوں''۔

''میں شدت سے منتظر رہوں گا''۔ وکیل نے کہا تو دونوں نے ہاتھ ملایا اور ایک دوسرے سے جدا ہو کر اپنی اپنی گاڑیوں کی جانب بڑھ گئے۔

☆......☆......☆

چوہدری کے ڈیرے پر چوہدری کبیر کے سامنے ماکھا کھڑا تھا۔ چوہدری کبیر صوفے پر بیٹھا میز پر دھری ایش ٹرے کو اضطراری انداز میں گھما رہا تھا۔ تبھی ماکھے نے کہا۔

''جی چوہدری صاحب! آپ نے مجھے یاد کیا؟''

''یار یہ نذیر والا مقدمہ لمبا ہی ہوتا چلا جا رہا ہے۔ اوپر سے الیکشن آ گئے ہیں۔ یہ کب تک چلتا رہے گا یار؟'' چوہدری کبیر نے کہا تو ماکھا بولا

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

''آپ جیسے حکم دیں۔ ختم کر دیتے ہیں وہ مدعی عورت؟''

''نہیں نہیں ابھی اسے نہیں چھیڑنا، اسے تو صلح کرنے پر مجبور کرنا ہے۔ وہ جو چشم دید گواہ بنا پھرتا ہے۔ وہی نہیں رہے گا تو کیس میں جان کہاں سے رہے گی۔ اسے کچھ اس طرح پار کر دے۔'' چوہدری کبیر نے اسے سمجھایا

''میں سمجھ گیا۔ میں آج ہی اسے اِدھر لے آتا ہوں''۔ ماکھے نے کہا۔

''نہیں یار! اسے ادھر نہیں لانا۔ وہیں اس کا کام کر دینا ہے۔ ویسے بھی علاقے میں پیغام جانا چاہئے۔ ہماری مخالفت کرنے والے بندے کا کیا حال ہوتا ہے''۔ چوہدری کبیر نے حقارت سے کہا تو ماکھا بولا۔

''ہو گیا جی، آپ فکر نہ کریں۔ بڑے دنوں بعد کوئی ہڈ پیر ہلانے کا موقع ملا ہے۔ فکر نہ کریں جی، لیکن ایک بات عرض کروں''۔

''بولو''۔ چوہدری کبیر نے اس کی طرف دیکھ کر کہا

''آپ نے وڈھے چوہدری جی سے بات کر لی ہے انہوں نے ہتھ ہولا رکھنے کو کہا ہے۔ کہیں وہ ناراض ہی نہ ہو جائیں''۔ ماکھے نے اسے یاد دلایا

''او یار انہیں تو اپنی سیاست کی پڑی ہوئی ہے۔ ادھر سارا کچھ ہاتھ سے نکلا جا رہا ہے۔ اوئے علاقے پر رعب اور دبدبہ ہو گا لوگ خوف کھائیں گے اور ہمیں ووٹ دیں گے تُو جا میں انہیں سمجھا لوں گا۔ اب جا''۔ اس نے قدرے غصے میں کہا تو ماکھا چلا گیا۔

چھاکا پیدل ہی گاؤں کی گلی میں جا رہا تھا۔ عقب سے جیپ پر سوار ماکھا اور اس کے ساتھی آ رہے تھے۔ وہ اسلحہ لہرا رہے تھے۔ انہوں نے چھاکے کے پاس جیپ روکی اور تیزی سے اتر کر اردگرد گھیرا ڈال لیا۔ چھاکا ایک دم سے گھبرا گیا، پھر رعب سے بولا۔

''کیا بات ہے؟ اس طرح میرا راستہ کیوں روکا تم لوگوں نے؟''

''تُو چشم دید گواہ ہے نا مگر تیرا چشم دید گواہ کوئی نہیں ہو گا۔ چل تجھے تیری سانسوں سے آزاد کرتے ہیں''۔ یہ کہہ کر ماکھے نے گن سیدھی کی ہی تھی کہ ایک گن اس کی کنپٹی پر آ کر لگ گئی۔

''تیرا چشم دید کون ہو گا؟'' سراج نے نے پوچھا تو ماکھا گھبرا گیا۔ چھاکے کے لبوں پر مسکراہٹ آ گئی تو ماکھا بولا

''سراج تم؟''

''ہاں میں، میں ساری کہانی سمجھ گیا ہوں۔ جب تک ایک غریب ہی دوسرے غریب کا دشمن رہے گا۔ اس وقت تک ہم سب کی حالت نہیں بدل سکتی۔ تیرے اور میرے ہاتھ میں بندوق کس نے دی۔ ہم حفاظت کس کی کر رہے ہیں۔ سوچو۔ پر تُو کیا سوچے گا۔ تیرے جیسے ذہنی غلام تو اپنی عقل بھی ان مفاد پرست سیاست دانوں کے پاس گروی رکھ دیتے ہیں''۔ سراج نے نفرت سے کہا تو ماکھا بولا۔

''طاقت کا اپنا ہی نشہ ہوتا ہے، جس نشے میں اب تو بات کر رہا ہے۔ گن ہٹا کے دیکھ پھر میں تجھے بتاتا ہوں طاقت کیا شے ہوتی ہے''۔

''تو سوچ تُو، یہ طاقت کس کے لیے استعمال کر رہا ہے۔ اپنے جیسے غریب کو مارنے کے لیے؟ تف ہے تم پر، میں ابھی تجھے مار سکتا ہوں لیکن ماروں گا نہیں، چل ہٹ اور چلا جا یہاں سے۔ پھینک دے یہ گن''۔ سراج نے کہا تو ماکھے نے گن ہٹا کر پھینک دی۔

''چوہدری سے کہہ دینا، اب ہمارے کسی بندے کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھے۔ ورنہ آنکھیں نکال لیں گے۔ ہم اپنی حفاظت کرنا جانتے ہیں۔ چل بھاگ''۔ سراج نے گن کا بولٹ مارتے ہوئے کہا تو ماکھا سب کو اشارہ

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

کرتے ہوئے جیپ میں بیٹھ گیا۔ وہ سب چلے گئے
''میں سوچ بھی نہیں سکتا کہ تم یہاں آ جاؤ گے؟''
چھاکے نے کہا تو سراج بولا
''رانی کے بعد اب وہ کسی پر ظلم کریں میں انہیں یہ موقع نہیں دینا چاہتا تو بھی خیال رکھا کر۔ یہ پتہ کر کہ نکا چوہدری ہمیں ملے گا کہاں پر، اب اسے ختم کرنا ہے''۔ یہ کہہ کر سراج حیران سے چھاکے کو لے کر ایک جانب چل دیا۔
''چوہدری کبیر شدید غصے اور حیرت میں تھا۔ ماکھا سر جھکائے قریب کھڑا تھا۔
''یہ سراج، کدھر سے آ گیا پھر ہمارے راستے میں''۔
''میں نہیں جانتا نکے چوہدری جی، چھاکا فقط چند لمحوں کا مہمان تھا اگر وہ نہ آتا تو''۔ ماکھے نے اپنی صفائی دی تو چوہدری کبیر نے غصے میں کہا
''اوئے ماکھے جب وہ تمہارے راستے میں آ ہی گیا تھا تو اس بھی پھڑکا دیتا، پر نہیں، یہ کام تم لوگوں سے نہیں ہوگا جی کرتا ہے تمہیں ہی گولی مار دوں۔ لیکن سوچنے والی بات تو یہ ہے کہ اس نے یہ بندوق کب سے اٹھالی؟''
''کیا فہد نے اپنی سیکورٹی بنا لی ہے یہ جاننا بڑا ضروری ہے۔ ورنہ وہ ہمارے لیے دردِسر بن جائے گا''۔ ماکھے نے تشویش سے کہا تو چوہدری کبیر بولا۔
''اوئے تم لوگوں سے کچھ نہیں ہوگا تمہیں تو یہ بھی نہیں پتہ۔ تم لوگوں نے خاک علاقے کو اپنے قابو میں رکھنا ہے۔ مجھے تو لگتا ہے تم لوگ مر گئے ہو''۔ یہ کہہ کر وہ بے چینی سے بولا، ''یہ نذیرے والا معاملہ اتنا لمبا کیوں ہوتا چلا جا رہا ہے لگتا ہے، اب مجھے خود ہی اسے ختم کرنا پڑے گا''۔
''یہ بڑا آسان ہے کہ میں جاؤں اور فہد اور سراج کو مار دوں لیکن آپ نے الیکشن بھی لڑنا ہے چوہدری صاحب! میرے خیال میں یہ معاملہ وڈھے چوہدری صاحب پر چھوڑ دیں۔ ابھی تک رانی کا معاملہ بھی سر پر ہے''۔ ماکھے نے اسے یاد دلایا تو چوہدری کبیر نے غصے میں کہا۔
''بکواس نہیں کر اوئے، بھاڑ میں جائے الیکشن، چھاکے کے قتل کا رانی سے کیا تعلق؟ میں دیکھتا ہوں انہیں''۔
یہ کہہ کر اس نے میز پر پڑی کار کی چابی اٹھائی اور باہر کی جانب چل دیا۔

☆......☆......☆

سہ پہر کا وقت تھا۔ سورج مغرب کی طرف جھک گیا تھا۔ کھیت کے کنارے فہد اور سلمیٰ چلے جا رہے تھے۔ فہد نے رک کر اس سے پوچھا۔
''سلمیٰ! کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ صفیہ اپنے شوہر کے قاتل کو سزا دلوانا چاہتی ہے۔ میرا مطلب ہے اس کا وہ جوش، وہ جذبہ کہیں ٹھنڈا تو نہیں پڑ گیا''۔
''نہیں تو، اس پر اگر پہلے کی طرح دباؤ نہیں ہے نا تو وہ پہلے جیسی مایوس بھی نہیں ہے۔ مگر بات کیا ہے''۔ سلمیٰ نے چونکتے ہوئے پوچھا تو فہد نے جواب دیا۔
''بات یہ ہے کہ چوہدری جلال ایسے ہتھکنڈوں پر اتر آیا ہے۔ جیسے کوئی دیوار سے لگ کر بات کرتا ہے۔ کیونکہ چوہدری اب دیوار سے لگنے والا ہے۔ اب وہ اپنی بقا کے لیے کچھ بھی کر سکتا ہے۔''
''ممکن ہے ایسا ہی ہو۔ مگر جب تک صفیہ میرے ساتھ ہے۔ کسی لالچ یا دباؤ میں نہیں آئے گی۔ مجھے یقین ہے''۔ سلمیٰ نے اسے یقین دلایا تو وہ بولا۔
''حالات بدل رہے ہیں۔ آنے والے چند دنوں میں کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ چوہدری جلال اپنے بیٹے کو بچانے کے لیے کچھ بھی کر سکتا ہے''۔
''آپ فکر نہ کریں۔ میں اب ہر آنے والے

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

طوفان اور زلزلے کے لیے خود کر تیار کر چکی ہوں۔ آپ کی محبت نے مجھے اتنا حوصلہ دیا ہے کہ میں بے خطر آگ میں کودنے پر تیار ہوں اور میں اپنا یہ دعویٰ وقت آنے پر ثابت بھی کر دوں گی''۔ سلمٰی نے عزم سے کہا

''ہم ساری زندگی حالات کو سمجھنے اور اس کے ساتھ نبرد آزمائی میں گزار دیتے ہیں۔ آسانیاں تو بس یقین اور اعتماد کی وجہ سے ہوتی ہیں اور یہ تو تیں صرف محبت کے دامن میں ہوتی ہیں۔ سلمٰی زندگی میں بہت سارے فیصلے کرنا مشکل ہوں گے لیکن یہ محبت ہی تو ہوتی ہے جسے معیار بنا کر انسان اپنے فیصلے کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے''۔ فہد بڑے نرم لہجے میں بولا

''اور محبت کا فیصلہ یہ بھی تو وقت ہی کرتا ہے نا کون کس کے لیے کتنی محبت رکھتا ہے۔ آپ صفیہ کی فکر نہ کریں''۔ سلمٰی نے حیا بار آنکھوں سے کہا اور قدم بڑھا دیئے۔ فہد نے حیرت سے اسے دیکھا، اس سے پہلے وہ کوئی بات کرتا، اسی لمحے سراج کا فون آ گیا۔ اس نے چھاکے پر حملے کی تفصیل بتائی تو فہد کو ایک دم سے غصہ آ گیا۔ اس نے اسی وقت وکیل کو فون ملایا۔

''جی فہد صاحب۔ کیسے مزاج ہیں؟''

''میرے مزاج تو ٹھیک ہیں۔ مگر لگتا نہیں کہ چوہدریوں کے مزاج درست ہیں''۔

''یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟'' وکیل نے پوچھا تو فہد بولا

''آپ نے جو مجھ سے بات کی تھی۔ اب وہ مجھے صرف آپ ہی کی خواہش لگتی ہے۔ چوہدریوں کو اس کی ضرورت نہیں''۔

''ہوا کیا ہے بتائیں تو؟'' وکیل نے پوچھا تو فہد نے بتایا۔ جسے وکیل سنتا رہا۔ تب فہد نے کہا۔ ''ایک طرف وہ صلح کی بات کرتے ہیں اور دوسری طرف وہ ہمارا ساتھی مارنے کے لئے بندے بھیجتے ہیں۔ اب بتائیں مجھے کیا کرنا چاہیے؟''

''وہی جو آپ کا دل چاہتا ہے۔ جو آپ بہتر سمجھتے ہیں۔ آپ یہی سمجھیں کہ میں نے آپ سے بات کی ہی نہیں''۔ وکیل نے افسردہ لہجے میں کہا تو فہد نے غصے میں کہا۔

''اور ساتھ میں یہ بات آپ سمجھا دیں انہیں۔ کبیر کو لگام ڈال دیں۔ گولی مجھے بھی چلانی آتی ہے''۔ یہ کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔ سلمٰی خوف زدہ نہیں ہوئی بلکہ اس نے کہا

''فہد، لگتا ہے اب صرف باتوں سے کام نہیں چلے گا، انہیں سبق دینا ہوگا''۔

''ایسے ہی لگتا ہے''۔ فہد نے کہا تو دونوں پلٹ کر کار کی جانب چل دیئے۔

فہد اس وقت سلمٰی کو چھوڑ کر اپنے گھر پہنچا ہی تھا کہ ملک نعیم کی گاڑی اس کے گارڈز کے جلوس ساتھ گھر کے باہر آن رکی۔ فہد کے پاس سراج بیٹھا ہوا تھا۔ ملک نعیم اندر آ گیا تو دونوں اس کے ساتھ تپاک سے ملے۔ فہد نے خوشگوار لہجے میں پوچھا۔

''ملک صاحب آپ؟''

''میں یہ بات فون پر بھی کر سکتا تھا لیکن میں نے خود آنا مناسب سمجھا''۔ ملک نعیم نے سنجیدہ لہجے میں کہا اور چارپائی پر بیٹھ گیا۔

''ایسی کیا بات ہو گئی؟'' فہد بھی پوچھتے ہوئے بیٹھ گیا۔

''مجھے پارٹی ٹکٹ دیئے گئے ہیں۔ ان میں آپ کا نام نہیں، آپ کے ریفرنس سے سلمٰی امیدوار ہوگی۔ یہ کیا بات ہوئی بھلا۔ یہ دیکھیں''۔

یہ کہہ کر اس نے ایک لیٹر اس کے سامنے رکھ دیا۔ تو فہد نے خوشگوار لہجے میں کہا۔

''اوہ! تو سلمٰی کو پارٹی ٹکٹ مل گیا''۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

''فہد! مجھے کم از کم پہلے بتا تو دیا ہوتا۔ میں آپ کے لیے کوشش کر رہا ہوں اور اوپر سے سلمیٰ کے لیے''۔ ملک نعیم نے کہا تو فہد نے سمجھایا۔

''پارٹی کے جو بڑے ہیں۔ انہیں تو کوئی اعتراض نہیں ہے نا، تو بس ٹھیک ہے۔ آپ الیکشن مہم کا آغاز کریں''۔

''مجھے اتنا تو اعتماد ہے کہ آپ جو کچھ کر رہے ہیں۔ ٹھیک ہی کر رہے ہوں گے۔ لیکن ایسا نام جس کے بارے میں لوگ جانتے تک نہیں۔ اور خود امیدوار ایک عام سی لڑکی۔ جسے سیاست کی الف بے کا نہیں پتہ، یہ کیسے چلے گا؟'' ملک نعیم نے ہچکچاتے ہوئے پوچھا

''سب ٹھیک ہو جائے ملک صاحب! یہ میری ذمے داری ہے، آپ کیا پسند کریں گے۔ چائے یا ٹھنڈا؟'' فہد نے پوچھا

''فہد آپ اب بھی سوچ لیں۔ کل کاغذ جمع ہونے ہیں پھر سوچنے سمجھنے کا موقع بھی ہاتھ سے نکل جائے گا''۔ ملک نعیم نے کہا تو فہد اسے حوصلہ دیتے ہوئے بولا

''آپ فکر نہ کریں۔ بتائیں، ٹھنڈا پئیں گے یا چائے؟''

''چلیں، دیکھتے ہیں۔'' ملک نعیم نے سکون سے کہا تو فہد بولا۔

''آپ سکون کریں۔ میں آپ کو سمجھاتا ہوں''۔

وہ دونوں باتیں کرنے لگے تو سراج چائے بنوانے کے لئے اٹھ گیا۔

☆......☆......☆

نور پور کی عدالت میں کافی رش تھا۔ اس دن الیکشن میں حصہ لینے والوں کی حتمی فہرست لگنا تھی۔ دوسرے لوگوں کی طرح فہد، سلمیٰ، سراج اور ان کے ساتھ لوگ انتظار میں کھڑے تھے۔ کافی دیر بعد بلاوی نے عدالت کے باہر حتمی فہرست لگائی۔ فہد ... آگے بڑھا

فہرست پر انگلی رکھ کر سلمیٰ کا نام تلاش کرتے ہوئے نام پڑھ کر اس کے چہرے پر خوشی پھیل گئی۔ سلمیٰ کے کاغذات منظور ہو گئے تھے۔ اب وہ الیکشن لڑ سکتی تھی۔ وہ خوشگوار چہرے کے ساتھ واپس پلٹا تو سامنے کاشی کھڑا تھا۔ اس نے فہد کے سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا ''زیادہ خوش ہونے کی ضرورت نہیں ہے فہد۔ اپنی طاقت سے زیادہ اڑنے والا بہت جلد گر کر مر جاتا ہے''۔

فہد نے اس کے چہرے پر دیکھا اور کوئی سخت جواب دینے لگا تھا کہ وہ ایک طرف چل دیا۔ فہد اس کی طرف دیکھتا رہ گیا۔ وہ ایک طرح سے فہد کو وارننگ دے گیا تھا۔ فہد نے ایک دم سے اپنا سر جھٹک دیا۔ دشمن تو یہی چاہتے تھے کہ اسے ذہنی اذیت دیں۔ اسے اسی وار سے بچنا تھا۔ تبھی اس نے دیکھا عدالت میں ایک لینڈ کروزر احاطہ عدالت میں آ کر رک گئی۔ اس میں سے مائرہ باہر نکلی۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ فہد پر نگاہ پڑی تو وہ اس جانب بڑھ آئی۔ دونوں آمنے سامنے تھے۔ مائرہ بہت جاذب نظر لگ رہی تھی۔ دور کھڑی سلمیٰ نے انہیں دیکھا۔ وہ قریب آئے تو سراج نے کہا۔

''ہمیں نکلنا چاہئے اب''

''ہاں کیوں نہیں چلو''۔ فہد بولا تو مائرہ نے سلمیٰ سے کہا۔

''آؤ سلمیٰ ادھر، میرے ساتھ جیپ میں بیٹھو۔ ہم نے ایک بڑے جلوس کے ساتھ تمہارے گاؤں جانا ہے''۔

''جلوس، کہاں ہے جلوس؟'' فہد نے پوچھا تو مائرہ نے عدالت کے باہر ایک قافلے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''وہ دیکھو، سامنے جلوس، ہمارا منتظر ہے اس جیپ کا ڈرائیور یہاں کا ایک بڑا کاروباری آدمی ہے۔ یہاں بازار کا ایک چکر لگائیں گے، پھر گاؤں جائیں گے''۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

''کیوں مائرہ کیوں؟'' فہد نے دھیرے سے پوچھا

''اپنی طاقت کا اظہار، انتخابی روایت کا حصہ الیکشن کی عین ضرورت۔ زیادہ فکر نہ کرو آ جاؤ۔ ہمارے پیچھے پیچھے اپنی گاڑی میں۔ آؤ سلمٰی''۔

سلمٰی، فہد کا عندیہ پا کر مائرہ کے ساتھ چل پڑی۔ وہ لینڈ کروزر میں بیٹھ گئی۔ کچھ لمحوں میں بعد مائرہ اور سلمٰی سن روف کھول کر کھڑی تھیں۔ اور جلوس آگے بڑھ رہا تھا۔

رات ہو چکی تھی۔ سلمٰی کے گھر میں رونق لگی ہوئی تھی۔ وہ سبھی صحن میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ فہد نے مائرہ سے پوچھا

''یہ تم نے جلوس کیسے بنالیا۔ یہ سب کیسے کیا تم نے؟''

''الیکشن میں ذرا رعب شوب جمانا پڑتا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ میں صبح ہی نور پور چلی گئی تھی۔ وہاں موجود اپنے لوگوں سے ملی ہوں۔ پاپا کا ریفرنس تھا۔ انہوں نے جلوس کا اہتمام کیا۔ نور پور کی حد تک تو میں سب اوکے کر آئی ہوں۔ باقی کی پلاننگ ہم کر لیتے ہیں''۔

''اور جعفر......'' فہد نے پوچھا۔

''الیکشن کے اخراجات بہت زیادہ ہوتے ہیں نا۔ وہ دو دن بعد آئے گا۔ پوسٹر، بینر وغیرہ لے کر۔ پاپا نے اسے روک دیا تھا۔ پھر نور پور میں کام بھی بہت ہے اور وہ پولیس آفیسر ہے۔ یوں کھلم کھلا تو ہمارے کام کرنے سے رہا۔ تاخیر سے سہی لیکن وہ آئے گا ضرور''۔

''مائرہ بیٹی! یہ الیکشن کے دنوں میں تو صحافی لوگوں کا کام بہت بڑھ جاتا ہے۔ ان کے کیریئر کے لیے بھی یہ بہت اچھا موقع ہوتا ہے۔ تمہارے کام کا تو بہت حرج ہو گا نا''۔ ماسٹر دین محمد نے پوچھا تو مائرہ بولی

''انکل! اس وقت سلمٰی کا الیکشن میرے نزدیک سب سے زیادہ اہم ہے''۔

اس پر فہد نے چونک کر مائرہ کو دیکھا تو سلمٰی نے سب سے کہا۔

''مائرہ! کھانے کے بعد لمبی بات کریں گے، تم فریش ہو جاؤ''۔

''اور تھوڑا آرام کر لینا بیٹی۔ پھر باتیں بھی ہوتی رہیں گی''۔ ماسٹر دین محمد نے کہا تو مائرہ نے اٹھتے ہوئے فہد کو دیکھا۔ وہ اسے ممنونیت سے دیکھ رہا تھا۔

☆......☆......☆

چوہدری کے ڈرائینگ روم میں بڑی اہم میٹنگ ہو رہی تھی۔ وکیل کے ساتھ دو اور لوگ بھی تھے جو خاصے سوبر اور امیر کبیر دکھائی دے رہے تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جو الیکشن میں چوہدری کے ہر معاملہ کے مشیر تھے۔ وکیل، چوہدری کبیر کی بات کر کے بولا

''چوہدری صاحب! آپ یہ تسلیم کر لیں کہ فہد نے ہی آپ کی سیاسی ساکھ کو نقصان نہیں پہنچایا ہے، چوہدری کبیر نے بھی ایسا ہی کیا ہے اور اس الیکشن میں آپ کے لیے مشکلات پیدا کر دی ہیں''۔

''کبیر کی چھوڑو، فہد بارے سچی بات تو یہ ہے کہ اس نے لوگوں میں نجانے کیا پھونک دیا ہے۔ سب اس سے چمٹے ہوئے ہیں''۔

''آپ نے اسے فقط ایک پڑھا لکھا جوان سمجھنے کی غلطی کی ہے۔ وہ بہت سمجھ دار ہے''۔ وکیل نے کہا تو چوہدری جلال نے تنگ کر کہا۔

''یہاں کتنے سمجھ دار دھکے کھاتے پھرتے ہیں۔ کیا کر لیا انہوں نے آج تک، کچھ بھی تو نہیں۔ اتنے برس آزادی کو گزر گئے سوائے الیکشن مہنگا ہونے کے اور کیا تبدیلی آئی ہے''۔

''شکر کریں کہ عام آدمی کو اپنی اہمیت کا نہیں پتہ۔ یہی عام آدمی تبدیلی لاتے ہیں۔ جیسے کہ فہد نے آپ کو بھی سیاسی پارٹی کی چھتری تلے آنے پر مجبور کر دیا ہے۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہمیں یہاں بیٹھ کر سوچنے پر مجبور کر دیا کہ کامیابی کیسے ملے گی۔ اس نے مخالف امیدوار مقابلے کے لیے کھڑا کر دیا اور ٹکٹ بھی لے لیا۔ مانیں کہ وہ دانا دشمن ہے''۔ وکیل نے اسے حقیقت سے آگاہ کیا تو وہاں موجود ایک شخص نے پوچھا۔

''ایک اناڑی لڑکی کو ٹکٹ دلوانے کا فیصلہ ابھی تک میری سمجھ میں نہیں آیا۔ فہد نے ایسا کیوں کیا؟''

''وہ جو ہونا تھا ہوا چوہدری صاحب، اب آپ آگے کی سوچیں۔ اب دو ہی آپشن ہیں۔ یا تو فہد کو دہشت زدہ کر کے یہاں سے بھاگنے پر مجبور کر دیا جائے یا پھر کچھ دو کچھ لو، کی پالیسی اپناتے ہوئے ڈیلنگ کر لی جائے''۔

دوسرے شخص نے صلاح دی تو وکیل بولا۔

''ابھی یہی تو بات ہوئی ہے، دونوں آپشن ناکام ہو چکے ہیں۔ اب تو الیکشن جیت کر ہی کچھ حاصل کیا جا سکتا ہے۔ لڑ بھڑ کر نہیں، عوامی ریلا فہد کے ساتھ ہے۔ کیوں چوہدری صاحب؟''

''جمیل صاحب درست کہہ رہے ہیں۔ میرے خیال میں ہمیں لڑنا ہی ہوگا۔ اب الیکشن جیتنے کا فقط ایک ہی طریقہ ہے''۔ پہلے شخص نے کہا تو چوہدری جلال نے پوچھا۔

''وہ کیا؟''

''فہد ہماری طرح ایلیٹ کلاس سے نہیں ہے۔ اس کے اردگرد نوٹوں کی دیوار کھڑی کر دی جائے۔ ووٹ خریدیں۔ پبلسٹی فنڈ چار گنا کر دیں۔ ہر گاؤں کا مطالبہ مان لیا جائے۔ جیت جائیں گے تو یہ سب چار گنا ہو کر واپس آ جائے گا''۔ اس نے طریقہ بتا دیا تو چوہدری جلال نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''ہاں۔ یہ ہوئی نہ بات اس کی کیا اوقات وہ کیا الیکشن لڑے گا''۔

''اور ہاں چوہدری صاحب۔ چھوٹے چوہدری کو سمجھا دیں۔ یہ وقت ہوش کا ہے جوش کا نہیں''۔ وکیل نے کہا تو چوہدری جلال نے دھیمے سے کہا۔

''مان لیا وکیل صاحب''۔

''چلیں اب طے کر لیں کہ کس نے کیا کرنا ہے''۔ ایک شخص نے کہا تو ان میں باتیں ہونے لگیں۔ کافی دیر تک ہر بات طے کر کے وہ اٹھ گئے۔

چوہدری جلال جب حویلی کے اندر آیا تو چوہدری کبیر تیار ہو کر باہر جا رہا تھا۔ اس کا چہرہ غصے میں بھرا ہوا تھا۔

''کیا بات ہے، کدھر جا رہے ہو؟'' چوہدری جلال نے اس سے پوچھا تو چوہدری کبیر غصے میں بولا۔

''جس طرح سلمٰی جلوس کے ساتھ گاؤں واپس آئی ہے اس کے بعد کوئی چین سے کیسے سو سکتا ہے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ میرے مقابلے میں آ جائے گی''۔

''تو پھر کیا ہوا۔ اس بے چاری کی اپنی کیا حیثیت ہے۔ کٹھ پتلی ہے کٹھ پتلی، چند دن بعد دیکھنا ان کے ساتھ کیا ہوتا ہے۔ تم پُرسکون رہنا۔ یہ الیکشن بڑے ٹھنڈے دماغ سے لڑنے ہیں۔ تم ابھی سے پریشان ہو گئے ہو''۔ چوہدری جلال نے اسے سمجھایا تو چوہدری کبیر نے طویل سانس لے کر کہا۔

''میں پریشان نہیں ہوں بابا۔ مگر آئندہ آنے والے دنوں کا اندازہ ضرور لگا رہا ہوں۔ اس بلا مقابلہ سیٹ پر اگر وہ ہمیں مقابلے کے لیے میدان میں لے آئے ہیں تو پھر انہیں مات ایسی دی جائے کہ پھر کبھی کسی کی جرأت نہ ہو الیکشن لڑنے کی''۔

''ایسے ہی ہوگا''۔ چوہدری جلال نے کہا اور پھر مسکراتے ہوئے رُوئے سخن بشریٰ بیگم کی جانب کر کے بولا، ''بیگم! اس بار تجھے بھی اپنے بیٹے کے ساتھ علاقے میں نکلنا ہوگا''۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

''کیوں نہیں۔ میں اپنے پتر کے ساتھ ہر جگہ جاؤں گی۔ مجھے کون ووٹ نہیں دے گا سبھی دیں گے''۔ بشریٰ بیگم نے کہا لیکن اس کا چہرہ اور لہجہ ساتھ نہیں دے رہا تھا۔ چوہدری کبیر بولا۔

''الیکشن تو ہم نے جیت ہی جانا ہے۔ بس انہیں مات ایسی دینی ہے کہ یاد رکھیں۔ چلو بابا چلیں۔ ڈیرے پر بہت سارے لوگ آ گئے ہیں''۔

دونوں باپ بیٹا نکل گئے تو بشریٰ بیگم انہیں حسرت سے دیکھ کر رو پڑی۔

الیکشن کی گہما گہمی ایک دم سے شروع ہو گئی۔ ایک طرف چوہدری جلال اپنے لوگوں کے ساتھ علاقے میں ہر گاؤں، کھیت اور کنویں پر جانے لگا۔ تو دوسری طرف ملک نعیم اپنے لوگوں کے ساتھ علاقے میں لوگوں کے پاس جانے لگا۔ جہاں ملک نعیم کی اپنی شرافت تھی وہاں جب لوگ ماسٹر دین محمد کی بیٹی کے بارے میں سنتے تو حیران ہونے کے ساتھ ان کے دل میں ہمدردی پھیل جاتی۔ پتہ نہیں کتنے لوگ اس کے شاگرد تھے اور بھی جانتے تھے کہ چوہدریوں نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے۔ ماسٹر دین محمد کا نام ان کے لئے محترم ہو گیا۔ چوہدری جلال تک یہ ساری اطلاعیں آ رہی تھیں۔ وہ جب بھی سنتا مضطرب ہو جاتا۔

ایک رات چوہدری جلال بڑے اضطراب میں ٹہل رہا تھا۔ وہ اچانک رکا اور فون کے پاس جا کر نمبر ملایا۔ پھر مایوس ہو کر ریسیور رکھ دیا۔ اس کے چہرے پر پریشانی پر گہری ہو گئی تھی۔ اتنے میں بشریٰ بیگم چائے کا کپ لے کر اس کے قریب آ گئی۔ بشریٰ بیگم نے اس کے چہرے پر دیکھ کر پوچھا۔

''آپ اتنے پریشان کیوں ہیں، جو ہو گا دیکھا جائے گا''۔

''نہیں میں پریشان نہیں ہوں۔ اپنے علاقے میں لوگ پھیلے ہوئے ہیں۔ ان پر بھی تو نظر رکھنا ہے''۔ چوہدری جلال نے کہا تو بشریٰ بیگم بولی۔

''لیکن انسان کے لیے نیند بھی ضروری ہے۔ آپ کچھ دیر کے لیے سو جائیں۔ آئیں''۔

''نہیں تم جاؤ اور جا کر سو جاؤ مجھے ڈسٹرب نہ کرو۔ جاؤ'' چوہدری جلال نے اکتاہٹ سے کہا تو بشریٰ بیگم نرم لہجے میں بولی۔

''میں آپ کو ڈسٹرب کیا کروں گی آپ پہلے ہی پریشان ہیں مجھے ایک بات بتائیں کیا آپ کی اس طرح پریشانی سے الیکشن پر کوئی فرق پڑے گا؟''

اس کے یوں پوچھنے پر چوہدری جلال نے خود پر قابو پاتے ہوئے چائے کا سپ لیا، پھر سوچتے ہوئے بولا۔ ''نہیں بیگم، تم ٹھیک کہتی ہو۔ میرے یہاں پریشان ہونے سے کچھ نہیں ہو گا لیکن سکون بھی تو نہیں ہے''۔

''جو ہونا ہے وہ ہو کر رہنا ہے۔ آپ کی پریشانی دیکھ کر لگتا ہے آپ علاقے سے مطمئن نہیں ہیں؟'' بشریٰ بیگم نے پوچھا تو چوہدری جلال نے دھیمے لہجے میں کہا۔

''یہ جو فہد نے نئی قیادت، نئی سوچ اور تبدیلی کا نعرہ لگایا ہے نا اسی نے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کیا ہے اس نے پوری پلاننگ کر کے الیکشن لڑا ہے''۔

''مگر کچھ غلطیاں ایسی ہیں جس سے آپ کا تاثر پہلے والا نہیں رہا مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم ناامید ہو جائیں۔ جیت ہماری ہی ہو گی لیکن آپ اپنا خیال تو رکھیں''۔ بشریٰ بیگم نے کہا تو چوہدری جلال بولا۔

''ہماری خامیاں ہیں لیکن میں نے اتنی دولت اس علاقے میں بانٹ دی ہے کہ ان کی ساری نعرہ بازی ختم کر کے رکھ دے گی، تم دیکھتی جانا بس''۔

''چلیں، آپ کچھ دیر آرام کر لیں''۔ بشریٰ بیگم نے کہا تو وہ خشمگیں نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

''میں نے کہا نا مجھے اکیلا چھوڑ دو''۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

بشریٰ بیگم نے شاکی نگاہوں سے اسے دیکھا اور اٹھ گئی۔

☆......☆......☆

رات گہری تھی لیکن فہد کے گھر چھاکا، سراج اور فہد جاگ رہے تھے۔ فہد نے سراج سے کہا۔

''دیکھو سراج! یہ تمہاری ذمے داری ہے۔ ہر الیکشن کیمپ پر ہمارا جو بندہ ہو۔ اس تک یہ انتخابی فہرستیں پہنچانی ہیں۔ اور پھر ان سے رابطہ رکھنا ہے۔ پورے علاقے کی خبر یہاں ہونی چاہیے''۔

اتنے میں چھاکے نے باہر کی جانب دیکھا تو سامنے سادہ لباس میں جعفر کھڑا تھا۔

''جعفر! تم''۔ فہد نے مسکراتے ہوئے کہا اور آگے بڑھ کر اسے گلے لگاتے ہوئے بولا، ''اتنے دن لگا دیئے یار تم نے آتے ہوئے''۔

''میں تو اڑ کر آجاتا یار لیکن تمہارے پوسٹر اور نہ جانے کیا کچھ ایک ٹرک میں بھر کے لایا ہوں۔ وہ باہر کھڑا ہے۔ سامان اتروا لو اس سے، محمود سلیم صاحب نے بھجوائے ہیں''۔

''میں دیکھتا ہوں آپ بیٹھو''۔ سراج نے کہا اور باہر کی جانب نکل گیا تو چھاکے نے اٹھ کر پوچھا۔ ''جعفر بھائی۔ کوئی چائے وائے پیئو گے یا سیدھے کھانا ہی کھاؤ گے۔ تکلف نہ کرنا۔ سب کچھ ملتا ہے''۔

''اب آگیا ہوں نا۔ سب کچھ خود کرلوں گا۔ تم فی الحال پانی پلاؤ۔ اور شور نہ ہو کہ میں ادھر ہوں سمجھے''۔

''سمجھ گیا''۔ چھاکے نے کہا اور وہاں سے چلا گیا۔ تو فہد نے پوچھا۔

''پاپا تمہارے ساتھ رابطے میں ہیں۔''

''بالکل، اور میں نے کچھ بندے تیار کیے ہیں۔ تیرے الیکشن کا سارا کام وہ سنبھال لیں گے، تمہیں فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ باقی میں تو ہر وقت رابطے میں ہوں''۔ جعفر نے اسے بتایا تو فہد نے پوچھا۔

''سناؤ اس چوہدری نے اوپر سے دباؤ ڈالنے کی کوشش کی ہے؟''۔

''تم فکر نہ کرو، ہمارے اپنے ہیں اس دباؤ کو روکنے والے تُو بس جلدی سے سلمٰی کے ہاتھ کے پراٹھے بنوا کر کھلا میں نے ابھی واپس بھی جانا ہے''۔ اس نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا تو فہد کا قہقہہ بھی اس میں شامل ہو گیا۔ وہ رات دیر تک گپ شپ لگانے کے بعد چلا گیا۔

اگلی صبح فہد کچھ کاغذات میں الجھا ہوا تھا۔ قریب بیٹھا ہوا سراج بھی ایک کاغذ دیکھتے ہوئے بولا۔

''فہد، جس طرح تم نے یہ لسٹ بنائی تھی اس کے مطابق سارے کام ہو گئے ہیں اب مزید بتاؤ کیا کرنا ہے''۔

اس دوران چھاکا چائے لے کر آ گیا۔ وہ کپ ان کے پاس رکھتا ہوا بولا۔

''چائے پیو اور بتاؤ کیسی ہے۔ اب تو پورے علاقے میں چھاکے کی چائے کی دس پچھ ہوگئی ہے''۔

''اچھا تم دونوں یہ چائے پی لو اور پھر کچھ دیر آرام کر لو اس کے بعد میں تم لوگوں کو بتاتا ہوں کہ کیا کرنا ہے''۔ فہد نے کہا اور کپ اٹھا لیا۔

''او کرلیں گے آرام یار، تُو کام بتا؟'' سراج نے کہا تو فہد مسکراتے ہوئے بولا۔

''اچھا پھر یہ دس پچھ والی چائے پی لو بتاتا ہوں''۔

''چائے بھی پیتے ہیں اور بات بھی کر لیتے ہیں''۔ سراج بھی کپ اٹھاتے ہوئے بولا تو فہد نے چند لمحے سوچنے کے بعد کہا۔

''دیکھو اب تک سارے کام ہماری سوچ کے مطابق ٹھیک ہو رہے ہیں۔ لیکن الیکشن کے ان دنوں میں ایک بات کا بہت خیال رکھنا ہے۔ چوہدری کسی نہ کسی طرح ہمیں غصہ دلانے یا ہمیں بھڑکانے کی کوشش کریں

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

گے۔ ہمارے ساتھ لڑیں گے، جھگڑا کرنے کی کوشش کریں گے۔ الیکشن کے دن پولنگ بھی خراب کریں گے۔"

"بالکل! یہ تو پہلے ہی ہو رہا ہے ان کے بندے ہمارے پوسٹر بینر اتار دیتے ہیں جو ہمارے ووٹر ہیں مطلب جنھوں نے ہمارا ساتھ دینے کا باقاعدہ اعلان کر دیا ہے وہ ان کے گھر پہنچ کر کسی کو لالچ دے رہے ہیں اور کسی کو دھمکا رہے ہیں"۔ چھاکے نے بتایا تو فہد بولا۔

"وہ اس سے بھی زیادہ کریں گے۔ وہ ہمارے جلسے خراب کرنے کی کوشش کریں گے۔"

"لیکن ہم نہیں ہونے دیں گے، ہم نے کون سا چوڑیاں پہن رکھی ہیں"۔ سراج نے غصے میں کہا تو فہد تحمل سے بولا۔

"بات چوڑیوں یا کنگنوں کی نہیں ہے سراج، بات یہ ہے کہ وہ ہمارے ووٹ کی طاقت کو ضائع کرنے کی کوشش کریں گے۔ انہیں اگر شکست کا احساس بھی ہو گیا نا وہ خون خرابے پر بھی اتر سکتے ہیں"۔

"تو پھر ہمیں کیا کرنا ہو گا خاموشی سے ان کا ہر وار سہہ جائیں"۔ سراج نے پوچھا تو فہد نے سمجھایا۔

"نہیں جہاں تک ممکن ہو تصادم سے بچنا ہے اپنی قوت ضائع نہیں ہونے دینی اور دوسری بات کہ ہماری ساری توجہ الیکشن پر ہو زیادہ سے زیادہ ووٹ کاسٹ ہوں اور یہ کام بہت تحمل سے کرنا ہے"۔

"تمہاری بات سن کر یہ احساس ہو گیا ہے کہ چوہدری کچھ بھی کر سکتے ہیں اس لیے ہمیں بہت محتاط ہو کر رہنا ہو گا"۔ سراج نے بات سمجھتے ہوئے کہا تو فہد بولا۔

"ہاں یہی بات میں تمہیں سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں"۔ آخری سپ لے کر خالی کپ چھاکے کو تھماتے ہوئے بولا، "تمہاری دس پچھ والی چائے بہت مزیدار تھی یار"۔

اس پر وہ تینوں ہنس دیئے۔

☆......☆......☆

سلمٰی اپنی الیکشن مہم کے لئے اس لینڈ کروزر پر نکلی تھی جو مائرہ نے اسے دی ہوئی تھی۔ قسمت نگر سے باہر نکلی تو اس جگہ آ گئی، جہاں کبیر نے کبھی سلمٰی کی ملازمت والے کاغذ پھاڑے تھے۔ اس نے ڈرائیور سے رکنے کا کہا اور سوچنے لگی کہ اگر آج وہ جاب کر رہی ہوتی تو اس طرح الیکشن میں حصہ نہ لے سکتی۔ شاید قدرت کو یہی منظور تھا کہ وہ ملازمت نہ کرے۔ شاید اسے ہی مکافاتِ عمل کہتے ہیں۔ یہ سوچتے ہی وہ ایک دم سے حوصلہ مند ہو گئی۔ اسے یقین ہو گیا کہ اس کا ربّ اس کے ساتھ ہے۔ وہ یہی سوچ رہی تھی کہ اسے چوہدری کبیر اپنی گاڑی میں رکتا ہوا دکھائی دیا۔ اس نے سامنے گاڑی روک دی تھی۔

کبیر اسے طنزیہ انداز میں دیکھ کر مسکراتے ہوئے گاڑی سے باہر نکل آیا۔ سلمٰی بھی بھوکی شیرنی کی مانند باہر نکل آئی۔ وہ اسے کینہ توز نگاہوں سے دیکھ رہی تھی کہ کبیر نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"واہ کیا بات ہے، میں نا کہتا تھا تیرے جیسی اس علاقے میں نہیں ہے۔ جسے بات کرنا نہیں آتی وہ میرا مقابلہ کر رہی ہے"۔

"اوئے کبیر، پہچان اس جگہ کو، یہیں تُو نے مجھے اپنی بے بسی کا احساس دلایا تھا لیکن واری جاؤں اس سب سے بڑے منصف کے آج میں تیری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کر رہی ہوں۔ یہ زمین بھی تیری ملکیت ہے لیکن تیری ہمت نہیں کہ تو میرا راستہ روک سکے"۔ سلمٰی نے آگ اگلنے والے انداز میں کہا تو کبیر بولا۔

"میری ہمت تو تب بھی تھی اور اب بھی ہے، جن لوگوں کی وجہ سے تُو بول رہی ہے نا وہ......" اس نے کہنا چاہا لیکن سلمٰی نے بھڑکتے ہوئے جذباتی انداز میں کہا

"تُو ان کی خاک کے برابر بھی نہیں ہے کبیر، تُو

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

بھول جا نہیں، میرا سامنا کر، میں یہاں چیلنج کرتی ہوں تو مردوں کی طرح میرا مقابلہ کرنے کی بھی ہمت نہیں رکھتا"۔

"تُو اور تیری ہمت اور مقابلہ چند دن خوش ہو لے پھر وہی تم، وہی میں"۔ کبیر نے غصیلی مسکراہٹ میں طنزیہ انداز میں کہا تو سلمیٰ بولی۔

"تو، تو کیا ہے۔ کچھ نہیں ہے، تیرا کیا ہے؟ اپنے باپ کی وجہ سے بات کر رہا ہے، پھر تم میں اور مجھ میں فرق کیا ہوا؟"

"تُو جو مرضی کر لے، یہ الیکشن جیت نہیں سکتی، پھر......" اس نے اپنی مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے کہا۔

"تو پھر بھی کچھ نہیں کر سکے گا اور سن الیکشن تو میں اسی وقت جیت گئی تھی جب قدرت نے مجھے تیرے مقابلے پر لا کھڑا کیا۔ اب مجھے جیت ہار سے کوئی مطلب نہیں تیری میری جنگ تو شروع ہی اب ہوئی ہے۔ اب ہر روز الیکشن ہوگا، روز ہار جیت ہوگی، دیکھتی ہوں کس میں کتنا دم ہے"۔ سلمیٰ نے انتہائی طنزیہ انداز میں کہا تو قریب کھڑے ماکھے نے حالات بھانپتے ہوئے کہا۔

"نکلے چوہدری جی چلیں۔ ہمیں پہلے ہی بہت دیر ہو رہی ہے"۔

"ہاں لے جا اسے ورنہ الیکشن سے پہلے اسے یہاں سے بھاگنا نہ پڑ جائے"۔ سلمیٰ غصے میں بولی تو اس نے انتہائی غصے میں سلمیٰ کو دیکھا مگر کچھ نہیں کہا اور گاڑی میں جا بیٹھا۔ سلمیٰ کھڑی رہی، کبیر کی گاڑی اس کے قریب سے ہو کر گزر گئی۔ وہ فاتحانہ مسکان کے ساتھ گاڑی میں جا بیٹھی اور ڈرائیور کو چلنے کے لئے کہا۔ اس کے من میں سرور اتر گیا تھا۔

ایسے ہی وقت ایک کچی سڑک پر فہد اور سراج گاڑی میں وہ پاس کے گاؤں سے کچھ لوگوں کو مل کر آ رہے تھے۔ تبھی ایک موڑ مڑتے ہی سامنے دو لوگوں کے ساتھ کاشی کھڑا دکھائی دیا۔ اس نے راستہ روکا ہوا تھا۔ فہد کو بریک لگانا پڑے۔ دونوں کی آنکھوں میں تشویش ابھر آئی۔ تبھی فہد نے کہا۔

"سراج، تم باہر نہیں آؤ گے، جعفر کو فون کر دو۔ فوراً"۔

ایسے میں کاشی اسے باہر نکل آنے کا اشارہ کرتے ہوئے بولا

"باہر آؤ"۔

فہد بڑے سکون سے باہر آ گیا اور بولا۔

"اس وقت مجھے جلدی ہے۔ راستہ پھر کسی وقت روک لینا"۔

"جلدی۔ مجھے تم سے بھی زیادہ جلدی ہے پیارے۔ میں نے کہا تھا نا اونچا اڑنے والا گر جاتا ہے۔ تو نے مان لیا ہوتا تو اچھا تھا۔ اب بھگتو"۔ کاشی نے کہا تو فہد بولا۔

"تم کیا سمجھتے ہو۔ مجھے ختم کر دینے سے تم بچ جاؤ گے یا وہ تیرے چوہدری۔ یہ تم بھیانک غلطی کرو گے جو......" لفظ اس کے منہ ہی میں رہ گئے۔ کاشی نے غصے میں ریوالور سیدھا کر کے اس پر فائر کر دیا۔ سراج باہر نکل کر ان کی طرف دوڑا۔ اس کے ہاتھ میں بھی ریوالور تھا۔ اس نے فائر کر دیا۔ کاشی نے دوسرا فائر کیا جو فہد کے لگ گیا۔ سراج نے اس پر فائر کر دیا۔ وہ لوگ آنا فانا جیپ میں بیٹھے اور پلٹ گئے۔ چلتی جیپ سے کاشی نے ایک اور فائر کر دیا اور بھاگ گئے۔ سراج کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے ان کے پیچھے جائے یا فہد کو سنبھالے۔ سراج فہد پر جھک گیا، جو کرب ناک چہرے سے اس کی طرف دیکھ کر کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن کہہ نہیں پایا۔ وہ بے ہوش ہو گیا۔ سراج نے جلدی سے اسے اٹھایا اور کار میں ڈال کے ہسپتال کی جانب چل پڑا۔ سراج نے جعفر کو اطلاع دے دی تھی۔ اس لئے سب ہسپتال پہنچ چکے

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

تھے۔

فہد کو سٹریچر پر ڈال کر اندر لے جایا گیا۔ سب اس کے ساتھ تھے۔ مختلف راہداریوں سے ہوتے ہوئے آپریشن روم میں لے گئے۔ جہاں ملک نعیم کھڑا تھا۔ ڈاکٹر اسے فوراً اندر لے گئے۔

جعفر ہسپتال کے کمپاؤنڈ میں کھڑا اپنے سیل فون سے نمبر پش کر رہا تھا۔ اس کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں مگر خود پر اس نے قابو پایا ہوا تھا۔ اس نے فون کان سے لگایا ہوا تھا کہ دوسری طرف رابطہ ہو جائے۔

محمود سلیم اپنے ڈرائنگ روم میں ٹی وی دیکھ رہا تھا۔ اس کا فون بجا تو اس نے ٹی وی اسکرین پر نگاہیں جمائے فون سنا۔

''بولو جعفر کیا حال ہے''۔

ا''نکل۔ فہد ہسپتال میں ہے اور......'' جعفر نے بہت مشکل سے کہا تو محمود سلیم نے تشویش سے پوچھا۔

''کیا کہہ رہے ہو تم۔ کیا ہوا سے اور تمہارا لہجہ ایسے کیوں ہے''۔

جعفر نے اختصار سے اس کی حالت بارے بتا کر کہا۔ ''اس کی حالت خطرے میں ہے۔ ایک بہت اچھا ڈاکٹر تو ہے یہاں پر۔ اور اس کا ٹریٹمنٹ بھی ٹھیک ہو رہا ہے بس وہ آنکھیں نہیں کھول رہا''۔

یہ کہتے ہوئے وہ رو دیا۔ محمود سلیم خود روتے ہوئے بولا۔ ''دیکھو تم میرے بہادر بیٹے ہو۔ تم حوصلہ نہیں ہارنا۔ میں ابھی یہاں سے نکلتا ہوں۔ میں آ رہا ہوں بیٹا تم حوصلہ رکھو اور رب سے دعا کرو، میں آ رہا ہوں''۔

یہ کہتے ہوئے وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ جعفر نے اپنی آنکھیں صاف کرتے ہوئے فون بند کر دیا۔

آپریشن تھیٹر کے اندر فہد بے ہوش پڑا تھا۔ ڈاکٹر اس کا آپریشن کر رہا تھا۔ نرسیں اس کی مدد کر رہی تھیں۔ اس نے ایک بلٹ نکال کر رکھی پھر دوسری بلٹ بھی نکال دی۔

ہسپتال کے اندر آپریشن تھیٹر کے باہر سلمٰی، مائرہ، جعفر، ملک نعیم اور سراج سب کھڑے تھے۔ سب پریشان تھے۔ تبھی ڈاکٹر باہر آیا، اس کا چہرہ افسردہ تھا۔ ملک نعیم نے آگے بڑھ کر پوچھا

''ڈاکٹر۔ کیا حال ہے فہد کا؟''

''دیکھیں۔ آپ خود سمجھ دار ہیں۔ اسے دو گولیاں لگی ہیں۔ وہ میں نے نکال تو دی ہیں۔ لیکن ان کا اثر تو ہے۔ خون بہت بہہ گیا ہے۔ اگلے چوبیس گھنٹے بہت اہم ہیں۔ آپ سب دعا کریں''۔ ڈاکٹر نے کہا تو جعفر نے پوچھا۔

''خطرے والی بات؟''

''ہے، میں سو فیصد اسے خطرے سے باہر نہیں کہہ سکتا۔ آپ دعا کریں۔ ہم پوری کوشش کر رہے ہیں''۔ ڈاکٹر یہ کہہ کر وہ آگے کی جانب چل دیا۔ سلمٰی کے آنسو بہہ نکلے۔ مائرہ خود پر قابو پانے کی کوشش میں تھی۔

صبح کا سورج ابھی نکلا نہیں تھا۔ ماسٹر دین محمد جاء نماز پر بیٹھا دعا کر رہا تھا۔ اس کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا۔ وہ زیر لب دعا مانگ رہا تھا

''اے وحدہٗ لاشریک، میرے مالک! فہد کی زندگی دے دے۔ تو جانتا ہے کہ وہ صرف اپنے لیے نہیں جی رہا کتنے لوگ اس سے وابستہ ہیں۔ وہ سب مایوس ہو جائیں گے۔ میں تیری رحمت سے مایوس نہیں ہوں میرے پروردگار! اس سے کتنے لوگوں کی امیدیں بندھی ہوئی ہیں۔ اسے صحت دے دے میرے مالک زندگی اور موت تیرے ہی ہاتھ میں ہے، زندگی دے دے، میرے مالک۔''

وہ پھر رونے لگا۔ صفیہ اس کے قریب آئی اور نرمی سے بولی

''ماسٹر جی! آپ رات کے پچھلے پہر سے یہاں

WWW.PAKSOCIETY.COM

بیٹھے ہیں۔ اٹھ جائیں۔ میرا دل کہتا ہے اسے کچھ نہیں ہو گا''۔

''ہاں تُو بھی دعا کر۔ اور جا اپنے بچوں کو کھانا دے۔ وہ بے چارے بھوکے ہوں گے۔ میں اٹھ جاتا ہوں''۔ یہ کہہ کر وہ اٹھنے لگا تو صفیہ نے اسے سہارا دے کر دالان میں پڑی چارپائی پر بیٹھا کر چل گئی۔ ماسٹر دین محمد نے بڑی بے چارگی سے آسمان کی جانب دیکھا اور پھر آنکھیں بند کر کے رونے لگا۔

قسمت نگر کے ہر گھر میں یہ اطلاع پہنچ چکی تھی کہ فہد پر قاتلانہ حملہ ہو گیا ہے۔ سبھی سمجھ رہے تھے کہ یہ کس کا کام ہو سکتا ہے، لیکن زبان سے کوئی بھی اظہار نہیں کر رہا تھا۔ چوراہے میں چاچا سوہنا، حنیف دوکاندار اور ایک شخص تشویش ناک انداز میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔

حنیف دوکاندار نے کہا۔

''اُو چاچا سنا ہے۔ فہد ہسپتال میں اپنی آخری سانسوں پر ہے''۔

''اللہ نہ کرے وہ آخری سانسوں پر ہو۔ کچھ تو اچھا بول''۔ چاچا سوہنا دکھ سے بولا تو ایک شخص نے کہا۔

''چاچا! گاؤں سے کتنے ہی لوگ شہر کے ہسپتال سے ہو کر آئے ہیں۔ وہ یہی بتاتے ہیں کہ اب فہد کی امید نہیں ہے''۔

''یہ تو بہت برا ہوا ہے یار اب تو الیکشن والی بات ہی سمجھ ختم ہے۔ وہ نہ رہا تو کس نے مقابلہ کرنا ہے''۔ حنیف دوکاندار نے کہا تو وہ شخص بولا۔

''پر یہ کیا کس نے ہے، یہ کوئی پتہ چلا؟''

''ہم تو کہہ نہیں سکتے، ظاہر ہے اس کے کوئی مخالف ہی ہو گا۔ ساری بنی بنائی کھیڈ ختم ہو کر رہ گئی ہے''۔

''اچھا چل یار۔ ہم کیا کر سکتے ہیں''۔ وہ شخص کہہ کر چل دیا۔ چاچے سوہنے نے آسمان کی جانب دیکھا اور پھر اُٹھ کر مسجد کی طرف چلا گیا۔

ہسپتال میں وہ سب آئی سی یو کے باہر کھڑے تھے۔ سب غمگین تھے۔ فہد بیڈ پر پڑا تھا۔ نرس اس کے پاس کھڑی تھی جب اس نے آنکھیں کھولیں۔ فہد کو دھندلا دھندلا دکھائی دے رہا تھا۔ نرس ڈاکٹر کو بلانے دوڑی۔ سب اس کے پاس جمع ہو گئے۔ فہد نے اُکھڑی سانسوں سے کچھ کہنا چاہا لیکن کہہ نہیں پایا۔ پھر بڑی مشکل سے دھیمی آواز میں بولا

''میں کہاں ہوں''۔

''تم ہسپتال میں ہو، سراج بر وقت تمہیں یہاں لے آیا تھا۔ دو گولیاں لگی تھی۔ لیکن۔ اب خطرے سے باہر ہو''۔ مائرہ نے تیزی سے بتایا تو فہد بولا۔ ''اور تم سب یہاں ہو؟''

''تجھے چھوڑ کر کہاں جاتے تم زندگی اور موت کے......'' جعفر نے کہنا چاہا تو وہ بات کاٹتے ہوئے بولا

''نہیں! مجھے چھوڑو، الیکشن کمپین زندگی اور موت کا مسئلہ ہے، تم لوگ کمپین چھوڑ کر یہاں کیا کر رہے ہو؟''

''عجیب آدمی ہو تم۔ تمہیں ہوش نہیں اور......'' جعفر نے کہا تو فہد بولا۔

''ڈاکٹر مجھے دیکھنے کے لیے یہاں ہیں نا۔ یہ نازک وقت ہے کمپین کے لیے۔ مخالف تو یہی چاہتے تھے کہ تم لوگ اپنی توجہ...... جاؤ پلیز''۔

''جب تک آپ ٹھیک نہیں ہو جاتے۔ ہم آپ کو کیسے چھوڑ کر جا سکتے ہیں''۔ سلمیٰ نے نرمی سے کہا تو فہد مایوسی سے بولا

''یعنی میرا مقصد نا کام ہو گیا۔ ہاں اب مجھے مر جانا چاہئے''۔

یہ کہہ کر اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ اس کے چہرے پر کرب پھیل گیا تھا۔ سلمیٰ نے اسے دیکھا اور تڑپ کر بولی

''نہیں، آپ کو کچھ نہیں ہو گا۔ آپ کا مقصد پورا ہو

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

گا۔ میں ابھی اور اسی وقت جا رہی ہوں، آپ بس ٹھیک ہو جائیں۔ بس ایک بار آنکھیں کھول کر دیکھ لو"۔

سلمٰی کے یوں کہنے پر فہد نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا تو فوراً پلٹ گئی۔ مائرہ چند لمحے سوچتی رہی پھر وہ بھی پلٹ گئی۔ جعفر نے اپنی آنکھوں سے آنسو صاف کئے اور پلٹا تو ملک نعیم نے اس کا کاندھا تھپتھپایا اور باہر کی جانب چل دیا۔ سراج بھی چلا گیا تو فہد کے ہونٹوں پر مسکراہٹ رینگ گئی۔ وہاں فقط چھاکا رہ گیا جو اس کے ساتھ لگ کر رونے لگا۔

وہ پانچوں ہسپتال کے کاریڈور میں تیزی سے واپس یوں جا رہے تھے جیسے کوئی بہت بڑی مہم سر کرنے جا رہے ہوں۔ جس وقت وہ جا رہے تھے، اسی وقت ہسپتال کے باہر کار آ کر رکی۔ اس میں سے محمود سلیم اترا۔

فہد آنکھیں بند کیے پڑا تھا۔ چھاکا اس کے پاس اداس بیٹھا تھا۔ اتنے میں محمود سلیم اندر آ گیا اور بڑے جذباتی انداز میں فہد کو دیکھا، بڑے پیار سے اس کا سر سہلایا تو فہد نے آنکھیں کھول کر خوشگوار حیرت سے اسے دیکھتے ہوئے بولا

"پاپا آپ!"

"ہاں بیٹا میں، ابھی پہنچا ہوں۔ کیسا محسوس کر رہے ہو؟"

"میں بالکل ٹھیک ہوں پاپا۔ آپ بالکل فکر نہ کریں۔ بس ایک دو دن میں یہاں سے چلے جائیں گے۔ آپ نے ذرا سا بھی پریشان نہیں ہونا"۔ فہد نے کراہتے ہوئے کہا تو محمود سلیم نے اداس مسکراہٹ سے اسے دیکھ کر کہا۔ "میں جانتا ہوں بیٹا کہ تُو ایسا کیوں کہہ رہا ہے، اللہ کرے ایسا ہی ہو، اب میں آ گیا ہوں نا۔ سب ٹھیک ہو جائے گا"۔

"ہاں پاپا آپ بیٹھیں نا میرے پاس"۔

وہ اس کے قریب بیٹھ گیا تو چھاکے کی طرف دیکھ کر پوچھا

"یہ کون ہے؟"

اس سے پہلے کہ فہد کچھ کہتا وہ تیزی سے بولا۔

"میں چھاکا ہوں جی، چاچے سوہنے کا پتر، پورے علاقے میں میری دس پچھ ہے۔ فہد میرا بچپن کا یار ہے جی"۔

اس کے یوں کہنے پر فہد کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی محمود سلیم نے اسے دیکھا اور کہا

"تم نے اس الیکشن مہم کے لیے بالکل نہیں گھبرانا۔ میں آ گیا ہوں۔ میں سب دیکھ لوں گا اب تم صرف اپنے آپ توجہ دو"۔

فہد اس کی طرف دیکھ کر مسکرا دیا۔

سلمٰی شعلہ جوالا بن چکی تھی۔ وہ سارے علاقے میں پھر گئی۔ اس کے ساتھ مائرہ تھی۔ وہ تقریر کرتی گویا آگ لگا دیتی۔ کسی کے گمان میں بھی نہیں رہا کہ یہ وہی چھوئی موئی سی لڑکی ہے جو خوف زدہ گھر میں بند رہتی تھی۔ جعفر نے انہیں ہر طرح کا تحفظ دیا تھا۔ ملک نعیم نے پورے علاقے میں اپنے آدمیوں سے الیکشن مہم کو جاری رکھا ہوا تھا۔ سراج نے سب سنبھال لیا تھا۔ یہاں تک کہ الیکشن کا دن آ گیا۔

فہد ہسپتال میں آنکھیں بند کئے پڑا تھا۔ ڈاکٹر اور نرس آئے۔ نرس بلڈ پریشر وغیرہ چیک کرنے لگ گئی تو ڈاکٹر نے خوش دلی سے پوچھا

"کہئے فہد صاحب! کیسا محسوس کر رہے ہیں آپ"۔

"میں ٹھیک ہوں اور آج آپ مجھے ڈسچارج کر دیں۔ آج مجھے جانا ہے"۔ فہد نے تیزی سے کہا تو ڈاکٹر نے پریشانی سے پوچھا۔

"آج، وہ کیوں، ابھی تو چند دن مزید لگیں گے، ابھی آپ پوری طرح تندرست نہیں ہوئے"۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

''لیکن آج مجھے جانا ہے ڈاکٹر، آج ووٹ ڈالے جا رہے ہیں۔ اور میرا وہاں ہونا بہت ضروری ہے، آپ سمجھیں ڈاکٹر مجھے اپنا ووٹ کاسٹ کرنا ہے''۔

''ٹھیک ہے، اگر آپ جانا چاہتے ہیں تو، لیکن اگر طبیعت خراب ہو تو فوراً یہاں آ جائیں۔ ورنہ پھر سنبھالنا مشکل ہو جائے گا''۔ ڈاکٹر نے کہا تو فہد جلدی سے بولا۔

''میں آ جاؤں گا''۔

''میں ابھی آپ کو بھیج دیتا ہوں''۔

یہ کہہ کر ڈاکٹر نے چارٹ پر لکھا اور آگے بڑھ گیا۔ تبھی فہد نے چھاکے سے کہا

''دیکھ کیا رہے ہو۔ سامان اکٹھا کرو اور گاڑی منگواؤ، ہمیں گاؤں جانا ہے''۔

چھاکے کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو آ گئے۔ وہ شدتِ جذبات سے بول نہیں سکا، بلکہ سیل فون پر نمبر ملاتے ہوئے آنسو صاف کرنے لگا۔

رات کے وقت سلمیٰ کے آفس کے سامنے لوگ جمع تھے۔ ایسے میں گاڑی آ کر رکی اور اس میں سے فہد نکلا۔ مائرہ اور سلمیٰ دونوں آگے بڑھیں اور اسے سہارا دیا۔ سلمیٰ ایک طرف تھی اور مائرہ دوسری جانب۔ تبھی فہد نے مسکراتے ہوئے کہا

''کتنا حسین سہارا ہے''۔

اس پر دونوں نے کچھ نہیں کہا فقط مسکرا کر رہ گئیں۔

وہ تینوں آفس میں تھے۔ فہد بہت بے چین اور نقاہت محسوس کر رہا تھا۔ تبھی مائرہ نے فون نکالتے ہوئے کہا۔ ''بہت وقت ہو گیا۔ ابھی تک رزلٹ نہیں آیا۔ میں ملک نعیم کو فون کرتی ہوں''۔

''ابھی ٹھہرو! وہ خود فون کرے گا''۔ فہد نے کہا تو سلمیٰ بولی۔

''باہر دیکھو کتنا ہجوم ہے۔ سب یہی رزلٹ سننے کے لیے آئے ہیں''۔

اتنے میں چھاکا نے اندر آ کر کہا

''سارے پولنگ اسٹیشنوں سے رزلٹ آ گیا ہے اور ہم جیت گئے ہیں''۔

سلمیٰ شدت جذبات سے رو پڑی۔ فہد پر سکتہ سا طاری ہو گیا۔ مائرہ نے خوشی سے سلمیٰ کو گلے لگاتے ہوئے بولی

''واؤ''۔ پھر والہانہ انداز میں فہد کے پاس جا کر بولی، ''فہد تم جیت گئے ہو''۔

''نہیں۔ ہم سب جیت گئے ہیں۔ سلمیٰ جیت گئی ہے، تم جیت گئی ہو، چھاکا، سراج، امین ارائیں، صفیہ، رانی سب جیت گئے ہیں''۔

''اوئے اب ہوگی، پورے علاقے میں ہماری دس پچھ''۔ چھاکے نے نعرہ لگایا تو باہر بھی نعرے لگنے کی آوازیں آنے لگیں۔ اتنے میں فون آ گیا۔

''مبارک ہو فہد! سلمیٰ جیت گئی ہے، ہم دوسری چھوٹی سیٹ بھی جیت گئے ہیں۔ اور ان شاء اللہ بڑی بھی جیت جائیں گے۔ بہت لیڈ ہے''۔

''آپ کو بھی مبارک ہو''۔ فہد نے کہا

''نہیں یہ آپ کی کامیابی ہے، اور ہاں، ذرا دھیان سے چوہدری کچھ بھی ردعمل دکھا سکتے ہیں''۔

''اب میں دیکھ لوں گا''۔ فہد نے دانت پیستے ہوئے کہا اور فون بند کر دیا۔ مائرہ اس کے پاس آ کر بڑے جذباتی انداز میں بولی۔

''تم سچ کہتے تھے۔ انسان کے پاس اگر حوصلہ ہو تو وہ کیا نہیں کر سکتا''۔

فہد کچھ نہیں بولا بلکہ دونوں ہاتھوں کو یوں کھول دیا جیسے دونوں کا سہارا چاہ رہا ہو۔ سلمیٰ اور مائرہ نے اسے سہارا دیا اور آفس سے نکلتے چلے گئے۔

☆......☆......☆

رات کا دوسرا پہر چل رہا تھا۔ جعفر اپنے آفس تھا

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

اور نور پور کے تھانیدار نے اندر آ کر سلیوٹ کیا اور بولا۔
''جی سر۔''
جعفر نے انتہائی تضحیک سے اسے سر سے پاؤں تک دیکھا اور کہا۔
''اچھا کیا تم فوراً آ گئے ہو ورنہ میں تجھے ...... خیر، کیا اب بھی تمہاری ہمدردیاں چوہدریوں کے ساتھ ہیں اور پھر تم انہی کی غلامی کرنا چاہتے ہو؟''
تبھی تھانیدار ہاتھ باندھ کر بولا۔
''سر جی میں نے نوکری کرنی ہے۔ وہ اس علاقے میں طاقتور تھے۔ آپ کو پتہ ہے وہ سر پر ہاتھ رکھتے تھے، اس لیے کرنا پڑتا تھا سر جی۔''
''بکواس کرتے ہو تم۔ تم اپنا فرض نہیں نبھاتے رہے ہو۔ چند ٹکوں کی خاطر اپنا ایمان فروخت کرتے رہے ہو۔ تمہیں پتہ ہے تم نے کتنا ظلم کیا ہے۔ اگر اس کا ازالہ کرنے لگو تو تیری ساری عمر بھی کم ہے۔ تم مرنے کو ترسو مگر تجھے موت نہ آئے۔ بولو کیا کروں تیرے ساتھ اپنی سزا خود ہی تجویز کر لو''۔ جعفر نے انتہائی غصے میں کہا۔
''ایسا ہی ہے سر جی میں بہت گنہ گار ہوں۔ ایک بار معاف کر دیں''۔ وہ لجاجت سے بولا تو جعفر نے نرم پڑتے ہوئے کہا۔
''معافی تجھے صرف ایک صورت میں مل سکتی ہے۔ اگر تم اس بندے کو گرفتار کر کے لاؤ جس نے فہد پر قاتلانہ حملہ کیا تھا۔ کیونکہ مجھے پکی خبر ہے تُو اس کے بارے میں جانتا ہے۔ چوہدری کبیر کو میں خود لے کر آؤں گا''۔
''جی میں اس کے بارے میں جانتا ہوں۔ مجھے بس ایک دن دیں۔ میں اسے زندہ یا مردہ آپ کے سامنے پیش کر دوں گا''۔ اس نے حتمی لہجے میں یقین دلاتے ہوئے کہا تو جعفر بولا۔
''دیکھ لو، اپنے لفظوں پر غور کر لو۔ ورنہ جو کچھ میں نے تیرے بارے میں سوچا ہوا ہے، اس پر عمل نہ کر دوں۔''
''بس ایک موقع سر جی''۔ اس نے منت بھرے انداز میں کہا تو جعفر نے ایک دم کہا۔
''چلو تمہیں ایک موقع دیا کل شام تک''۔
یہ سنتے ہی تھانیدار نے فوراً سلیوٹ مارتے ہوئے کہا۔ ''تھینک یو سر جی اب اجازت دیں۔ لمحہ لمحہ قیمتی ہے۔''
جعفر نے سر کے اشارے سے جانے کو کہا تو۔ وہ مڑا اور چلا گیا۔ جعفر مسکرا کر رہ گیا۔ اسے تھانیدار پر اعتماد نہیں تھا، اس نے اپنی فیلڈنگ لگا رکھی تھی۔

☆......☆......☆

رات گہری ہو چکی تھی۔ چوہدری جلال کاریڈور میں مضطرب انداز سے ٹہل رہا تھا۔ بشریٰ بیگم نے اس کے قریب آ کر کہا۔
''چوہدری صاحب! میں مانتی ہوں کہ آپ اس الیکشن میں بہت مصروف رہے ہیں۔ اب تو ووٹ بھی پڑ چکے، آپ اتنے پریشان ہیں۔ پتہ ہے آپ نے شام سے کچھ بھی نہیں کھایا پیا۔ آئیں کھانا کھا لیں''۔
''ووٹوں کی گنتی شروع ہو چکی ہے۔ کچھ دیر میں حتمی رزلٹ آ جائے گا۔ میں وہ سن کر ہی......'' وہ کہتے ہوئے خاموش ہو گیا۔
''پتہ نہیں کب آئے گا رزلٹ، وقت لگے گا، جو ہو گا وہ سامنے آ جائے گا، آپ پریشان نہ ہوں''۔ بشریٰ بیگم نے کہا تو چوہدری جلال بولا۔
''بیگم پہلی بار جیتنے کے لیے اتنی محنت کرنی پڑی ہے۔ پتہ نہیں کیسے کیسے لوگوں سے ملنا پڑا، کیسی کیسی بستیوں میں جانا پڑا، سیاست میں سب سے مشکل مرحلہ یہی ہے''۔
''کبیر ہے نا ڈیرے پر وہ......'' بشریٰ بیگم کی بات مکمل نہیں ہوئی تھی کہ اتنے میں فون بجا۔ چوہدری نے

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

جلدی سے فون ریسو کیا۔ اس کے ساتھ ہی اس کے چہرے کے نقوش بگڑ گئے۔ بشریٰ بیگم نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ پوچھا۔

''کیا ہوا؟''

''ہم ہار گئے بیگم! لیکن نہیں۔ میں نہیں ہاروں گا میں نے ہمیشہ جیت دیکھی ہے۔ ایسا نہیں ہو سکتا''۔ چوہدری جلال نے غصے میں خود پر قابو پاتے ہوئے کہا تو بشریٰ بیگم جلدی سے بولیں۔

''آپ آئیں! بیٹھیں۔ ابھی گنتی......''

''ہو چکی ہے، میں بھی ہار گیا ہوں اور کبیر بھی''۔ چوہدری جلال نے مشکل سے کہا اور دونوں افسردگی میں خاموش ہو گئے۔ کچھ دیر بعد بشریٰ بیگم اسے اٹھا کر اندر لے گئی۔

دونوں بیڈروم میں تھے۔ بشریٰ بیگم نے دھیمے سے پوچھا۔

''کیا سوچ رہے ہیں آپ؟''

''پہلی بار شکست کھائی ہے نا۔ جسے نہ دل مانتا ہے اور نہ ذہن۔ یہ سب کچھ فہد کی وجہ سے ہوا ہے۔ اب میں جو اس کے ساتھ کروں گا نا۔ وہ دنیا دیکھے گی۔ پھر کسی کو جرأت نہیں ہو گی۔ ہمارا سامنا کرنے کی''۔ چوہدری جلال نے دانت پیستے ہوئے کہا تو بشریٰ بیگم بولی۔

''چوہدری صاحب! یہ سیاست ہے۔ اس میں ہار جیت تو ہوتی ہی رہتی ہے۔ اسے دل پر کیوں لگاتے ہیں۔ اسے اپنی انا کا مسئلہ نہ بنائیں۔ اگر یہ سب فہد کی وجہ سے ہوا ہے تو سوچیں اس نے لوگوں کے دل کیسے جیتے۔ وہ کیسے کامیاب ہو گیا''۔

''یہ تو وقت بتائے گا نا کہ یہ جیت اُسے کتنی مہنگی پڑتی ہے۔ اسے شاید یہ علم نہیں کہ وہ سیاست کرتے کرتے عداوت بنا بیٹھا ہے۔ اور وہ بھی میرے ہی علاقے میں''۔ چوہدری جلال نے نفرت سے کہا۔

''جب آپ کے پاس طاقت تھی، تب وہ جیت گیا۔ اب تو آپ کے پاس کوئی طاقت نہیں۔ ذرا سوچیں؟''

''بس۔ بیگم بس۔ مجھے یہ مشورے مت دو کہ اس کے آگے سر جھکا دوں۔ جنہیں آج تک میں نے اپنی جوتی کے برابر سمجھا ہے۔ تم کیا سمجھتی ہو ہم صرف حکومتی طاقتوں کے بل بوتے پر یہاں حکمرانی کر رہے ہیں۔ نہیں ایسا نہیں ہے۔'' چوہدری جلال نے غرور سے کہا تو بشریٰ بیگم تحمل سے بولی۔

''آپ جو مرضی کریں، یہ آپ کو اختیار ہے لیکن آپ میری ایک بات ضرور مان لیں۔ خدا کے لیے۔ کبیر کو یہاں نہ رہنے دیں اسے باہر کسی بھی ملک بھجوا دیں۔ یہ وقت ٹل جائے تو ہم اسے بلا لیں گے''۔

''نہیں بیگم! اب اگر اسے یہاں سے بھیجا تو پورے علاقے میں یہی کہا جائے گا کہ میں نے اسے فہد کے ڈر سے بھگا دیا اور پھر ان حالات میں تو مجھے اس کی زیادہ ضرورت ہے۔ وہ یہیں رہے گا اور ان کمیوں کا مقابلہ کرے گا''۔ اس نے سوچتے ہوئے کہا تو بشریٰ بیگم بولی۔

''سوچ لیں چوہدری صاحب! وقت ہمارے ہاتھ میں نہیں ہے''۔

''اب وقت ہی کو تو اپنے ہاتھ میں کرنا ہے۔ انہیں ہی نہیں، عوام کو بھی بتانا ہے کہ حکمرانی کون کر سکتا ہے''۔ چوہدری جلال نے نخوت سے کہا

''وہ تو ٹھیک ہے، لیکن کبیر؟'' بشریٰ بیگم نے اشارے میں کہا تو چوہدری جلال بولا۔

''بس بیگم! اب زیادہ بحث نہیں کرو''۔

یہ کہہ کر وہ بیڈ پر لیٹ گیا اور آنکھیں بند لیں۔ بشریٰ بیگم اسے دیکھ کر سوچ رہی تھی کہ جیسے چوہدری جلال بھی وقت سے پہلے آنکھیں بند کئے ہوئے ہے۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

☆......☆......☆

نئے دن کا سورج طلوع ہونے کو تھا۔ قسمت نگر میں زندگی جاگ اٹھی تھی۔ فہد بستر پر لیٹا ہوا تھا۔ سلمٰی اس کے لیے چائے لے کر آ گئی۔ وہ اٹھ کر بیٹھا تو سلمٰی اسے کپ تھما کر اس کے پاس بیٹھ گئی۔ پھر اس کے چہرے پر دیکھ کر بولی

''فہد! میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ہمارے حالات یوں پلٹ جائیں گے۔ ان ظالموں سے چھٹکارا بھی مل سکتا ہے۔ اور میرے ہاتھوں ان کی مات ہوگی''۔

فہد نے اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

''تم بہت اچھی لگ رہی ہو۔ پہلے سے زیادہ خوبصورت''۔

''میں کچھ اور کہہ رہی ہوں اور آپ کوئی اور جواب دے رہے ہیں۔ کیا آپ مجھے بنا رہے ہیں؟'' سلمٰی نے حیرت سے کہا تو فہد پُرسکون انداز سے بولا۔

''نہیں، قدرت نے تمہیں اتنا مکمل اور خوبصورت بنا دیا ہے کہ مجھے بنانے کی کیا ضرورت ہے۔ خوشی ہے کہ تمہارے اندر بہت بڑی تبدیلی آ چکی ہے''۔

''میں شاید کچھ بھی نہیں رہی۔ میری ذات کی نفی ہو گئی ہے۔ اب تو بس آپ ہی آپ ہو۔ فہد۔ میں وہ وقت یاد کر کے بڑا عجیب محسوس کرتی ہوں جب آپ نے مجھے خواب دیکھنے کا کہا تھا''۔ سلمٰی یاد کرتے ہوئے بولی۔

''ابھی تو آدھے خواب پورے ہوئے ہیں۔ میرے خواب میں صرف تم اور میں نہیں، بہت سارے لوگ شامل ہیں۔ ہم نے جو نعرے لگائے، تقریریں کیں یہ فرضی، جھوٹی اور الیکشن جیتنے کے لیے نہیں کیں۔ ان پر عمل کر کے ہی ہم اپنے خواب کا سفر طے کریں گے''۔ فہد نے گہری سنجیدگی سے کہا۔

''آپ ساتھ ہیں نا میں خوابوں کے ہر جزیرے کو فتح کر لوں گی''۔ وہ محبت آمیز لہجے میں بولی۔

''میں تمہارے ساتھ ہوں''۔ فہد نے پُر اعتماد لہجے میں کہا۔

''یقین جانیں۔ پھر وقت بھی ہمارے ساتھ ہوگا۔ آپ چائے پئیں ٹھنڈی ہو جائے گی۔ میں ناشتہ بنا لوں۔ پھر باہر بیٹھ کر بھی ناشتہ کرتے ہیں''۔ اس نے کہا تو وہ ہاں میں سر ہلاتے ہوئے چائے پینے لگا۔ وہ اٹھ کر باہر چلی گئی۔

صبح کا سورج چڑھ آیا تھا۔ ماسٹر دین محمد، مائرہ، سلمٰی، صفیہ اور فہد بھی صحن میں بیٹھے چائے پی رہے تھے۔ ان سب کے چہرے دمک رہے تھے۔ ایسے میں مائرہ نے کہا۔

''ساری رات گذر گئی، ذرا سا بھی آرام کرنے کا موقعہ نہیں ملا، جیت کی خوشی اتنی ہے کہ نیند اب بھی نہیں آ رہی ہے''۔

''پتر! یہ کامیابی تم لوگوں کے حوصلے، یقین اور محنت کی وجہ سے ملی۔ یہ خوشی، فطری ہے، لیکن یہ کوئی منزل تو نہیں ہے۔ اصل امتحان تو اب شروع ہونا ہے۔ جس میں تم ایمانداری سے کامیاب ہو جاؤ۔ اصل کامیابی تو لوگوں کا دل جیت لینے میں ہے نا''۔ ماسٹر دین محمد نے کہا

''ہاں یہ دل''۔ مائرہ کہتے کہتے مسکرا دی۔

''خیر! گھر کے باہر سرکاری گاڑیاں آ گئی ہیں۔ پتہ ہے کیوں۔ پورے ملک میں ہماری سیاسی پارٹی جیت گئی ہے۔ حکومت کی لگامیں اب اسی سیاسی جماعت کے ہاتھوں میں ہوں گی''۔

''فہد، تم کچھ نہیں بول رہے ہو۔ خاموش کیوں ہو؟'' ماسٹر دین محمد نے پوچھا تو وہ بولا

''میں اس امتحان کے بارے میں سوچ رہا ہوں، جس سے اب گذرنا ہے، سلمٰی اس سے گذر بھی پائے گی یا نہیں''۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

''مائرہ ہے نا میرے ساتھ، جس طرح یہ کامیابی حاصل کر لی ہے۔ اسی طرح وہ کامیابی بھی مل جائے گی''۔ سلمٰی نے مائرہ کی طرف دیکھ کر کہا تو ماسٹر دین محمد

''یہ باتیں تو ہوتی رہیں گی۔ تم لوگ تھوڑا آرام کر لو''۔

''ابھی آرام نہیں ہے انکل۔ ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے۔'' مائرہ نے بڑے گھمبیر لہجے میں کہا تو فہد نے چونکتے ہوئے پوچھا۔

''کیا کرنا باقی ہے؟''

''بتاؤں گی۔ بہت جلد بتاؤں گی''۔ یہ کہہ وہ نارمل ہوتے ہوئے بولی۔ ''آپ لوگ چائے ختم کرو تو سلمٰی کے آفس جائیں وہاں بہت سارے لوگ آئے ہوئے ہیں''۔

یہ کہہ کر وہ جلدی جلدی چائے پینے لگی۔

مائرہ ابھی سلمہ کے آفس پہنچی ہی تھی کہ جعفر کا فون آ گیا۔ وہ قسمت نگر سے باہر اس کا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے سراج سے کہا اور اپنی گاڑی میں وہاں چلی گئی۔ کھیتوں کے پاس سڑک کنارے جعفر سادہ لباس میں کھڑا تھا۔ اس کے پاس سراج تھا۔

کچھ دیر بعد وہ تینوں کھیتوں کے کنارے سڑک پر کھڑے تھے۔ سراج ان کے ساتھ تھا۔ مائرہ نے رک کر اس سے پوچھا۔

''یہ وہ جگہ ہے، جہاں فہد فیکٹریاں لگانا چاہ رہا ہے''۔

''جی۔ یہی جگہ ہے''۔

''جگہ تو مناسب ہے''۔ یہ کہہ کر وہ اپنے سیل فون سے اس جگہ کی ویڈیو بنانے لگی۔ پھر اس سے پوچھا، ''سراج بھائی آپ کا کیا خیال ہے۔ یہاں فیکٹری لگ جانے سے یہاں کے عوام کو کتنا فائدہ ہوگا''۔

''فائدہ ہی فائدہ ہے۔ بے روزگاروں کو اور ان لوگوں کو جو چوہدریں کے کمی ہیں'' سراج نے کہا تو مائرہ سوچتے ہوئے بولی۔

''چلو چلتے ہیں''۔

وہ سراج کے ساتھ پلٹ کر گاڑی تک گئی۔ سراج واپس پلٹ گیا تو جعفر نے پوچھا

''مائرہ! الیکشن ہو چکا، حکومتیں بننے، حلف اٹھانے میں تو ابھی کئی دن لگ جائیں گے۔ کب واپس جانا ہے تم نے؟''

''کیوں اتنی جلدی اکتا گئے ہو مجھ سے''۔ مائرہ نے خوشگوار لہجے میں کہا تو جعفر بولا۔ ''میں اور تم سے اکتا جاؤں بلکہ مجھے بہت اچھا لگ رہا ہے۔ کاش تم اسی طرح میرے ساتھ زندگی کی راہوں پر چلو''۔ وہ مسکراتے ہوئے بولا

''سیدھے کیوں نہیں کہتے کہ تم یہاں سے اب جانا چاہ رہے ہو''۔ مائرہ نے کہا

''اور تم سیدھا جواب کیوں نہیں دیتی ہو کہ یہاں پر کیوں پڑی ہوئی ہو۔ میرے ساتھ چلو نا نور پور، وہاں کچھ دن رہو میرے ساتھ۔ وہاں بھی تو......''

''مجھے بھی معلوم ہے آج ہی چلتے ہیں، آؤ چلیں''۔

یہ کہہ کر وہ گاڑی کی جانب بڑھی تو جعفر بھی چل دیا۔

سراج اپنی بائیک پر چوراہے میں آیا تو چاچا سوہنا، حنیف دُکاندار کے ساتھ اور کئی لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ سب خوش تھے۔ باتیں کر رہے ہیں۔ سراج اپنی بائیک سے اتر کر ان کے پاس گیا، ہاتھ ملاتا ہوا ان میں بیٹھ گیا تو حنیف دوکاندار نے کہا۔ ''یہ تو انقلاب آ گیا یار۔ چوہدریوں کو اس قدر شکست ہوئی، سوچا بھی نہیں جا سکتا۔ یہ فہد نے کیا جادو کر دیا ہے۔ سمجھ نہیں آ رہی''۔

''انقلاب جادو ٹونے سے نہیں آتے، ہمت،

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

حوصلے اور یقین سے آتے ہیں۔ عوامی شعور سے آتے ہیں۔ تمہیں سمجھ اس لیے نہیں آ رہی ہے کہ تمہیں عوام کی قوت کا اندازہ ہی نہیں ہے۔ عوام ہی ایسی قوت ہیں جو ظالموں کو بے بس کر کے رکھ دیتی ہے"۔ سراج نے کہا تو ایک آدمی ہنستے ہوئے بولا۔

"تم تو اچھی بھلی تقریر کرنے لگ گئے ہو یار"۔

"آخر فہد کا اثر جو ہے۔ اس نے ایک عام سی لڑکی کو کہاں سے کہاں تک پہنچا دیا۔ انہیں کیا پتہ سراج، آزاد فضاؤں میں سانس لینا کیسا ہوتا ہے۔ ابھی انہیں آزاد اور صاف فضا میں سانس لینے کا موقع ہی کہاں ملا ہے۔ وقت لگے گا۔ پھر انہیں ساری عقل سمجھ آ جائے گی"۔ چاچا سوہنا حسرت سے بولا تو سراج نے کہا۔

"تم نہ سہی چاچا، ہم نہ سہی لیکن آنے والی نسلیں تو صاف اور آزاد فضا میں سانس لیں گی نا"۔

"یہ ہوتا ہے اصل بدلہ۔ چوہدریوں کی وہ رگ ہی کاٹ دی، جس کی وجہ سے وہ ظلم کرتے تھے۔ پتر ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ یہ سارا علاقہ اب تم لوگوں کے ساتھ ہے"۔ چاچے سوہنے نے جذباتی ہوتے ہوئے کہا تو سراج اٹھ گیا۔

☆......☆......☆

حویلی کے ڈرائنگ روم میں چوہدری جلال اور منشی کے ساتھ تھانیدار بیٹھا ہوا تھا اور ان میں بات جاری تھی۔

"چوہدری صاحب! آپ انکار کر دیں تو یہ الگ بات ہے۔ ورنہ جس بندے نے فہد پر قاتلانہ حملہ کیا تھا۔ اسے یہاں دیکھا گیا ہے۔ وہ آپ کی الیکشن مہم میں آپ کے ساتھ تھا۔ اس کے ثبوت، فوٹو اور ویڈیو کلپس کی صورت میں ہمارے پاس پہنچ چکے ہیں۔ مدعی بھی اسے پہچان چکے ہیں۔ آپ اپنی ساکھ بچائیں اور قانون کا ساتھ دیتے ہوئے اسے ہمارے حوالے کر دیں"۔ تھانیدار نے منت بھرے لہجے میں کہا تو چوہدری جلال مسکراتے ہوئے بولا۔

"حکومت کیا بدلی، تم لوگ کیا سمجھتے ہیں کہ ہماری ساکھ تباہ ہو جائے گی۔ ہم سدا بہار ہیں اور رہیں گے۔ باقی جہاں گڑ ہوتا ہے نا۔ وہاں ہزاروں مکھیاں بھنبھناتی ہیں۔ گڑ ختم، مکھیاں غائب، اب میں کسے کہاں تلاش کرو۔ یہ تم لوگوں کا کام ہے"۔

"دیکھیں۔ آپ اب تعاون کریں۔ میں سرکاری ملازم ہوں، سرکار ناراض ہو گئی تو میری نوکری چلی جائے گی"۔ تھانیدار لجالت سے بولا۔

"مگر میں اسے کہاں سے لاؤں۔ جس کا ذکر تم کر رہے ہو۔ رات گئی، بات گئی، دو چار چھاپے مارو، روزنامچہ کالا کرو، اسے اشتہاری قرار دے کر فائل بند کر دو۔ اب یہ بھی سبق مجھے پڑھانا پڑے گا۔ پہلے ہی تمہاری وجہ سے میرے بیٹے کبیر کا معاملہ بھی لٹک گیا ہے"۔ چوہدری جلال نے ناراضگی سے کہا تو تھانیدار بولا

"ناں چوہدری صاحب! ناں، میں نے اپنے اختیارات سے کہیں زیادہ نکے چوہدری کو تحفظ دیا اب ہماری وردی کسی کی قسمت سے تو نہیں لڑ سکتی نا"۔

"کہاں تحفظ دیا۔ وہ کیس تو عدالت میں ہے۔ تم تعاون کرتے تو سارا معاملہ تھانے ہی میں رفع دفع ہو گیا ہوتا۔ پھر کوئی نہ کوئی حل ضرور نکل آتا۔ اب جاؤ، سر نہ کھاؤ"۔ چوہدری جلال نے اکتاتے ہوئے کہا تو تھانیدار نے پھر منت کرتے ہوئے کہا

"نہیں چوہدری صاحب ایسے نہیں کوئی نہ کوئی حل تو ہو۔ وہ بندہ مجھے چاہئے آپ کو معلوم بھی ہے کہ یہ پیچیدہ قانونی معاملہ ہے۔ اس وقت لوگوں کے جذبات بھڑکے ہوئے ہیں۔ حالات آپ کا ساتھ نہیں دے رہے ہیں۔ پھر بھی وہ بندہ آپ پولیس کے حوالے کرنے کو تیار نہیں۔ اسے دیں اور اپنی جان چھڑائیں"۔

"اس نے میرا کام کیا ہے۔ پولیس کے حوالے کر

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

دیا تو میرا نام بک دے گا۔ ڈوبتے ڈوبتے مجھے بھی لے ڈوبے گا‘‘۔ چوہدری جلال نے اسے سمجھایا۔

’’پھر کیا ہوگا! تعاون کریں گے تو کچھ نہیں ہوگا۔ پولیس آپ کو گرفتار کرنے سے تو رہی۔ میں معاملہ ہی گول کردوں گا۔ آپ کا کہیں نام نہیں آئے گا‘‘۔ تھانیدار نے صلاح دی تو چوہدری جلال نے بھڑکتے ہوئے کہا۔

’’یعنی سر جھکا دوں ابھی سے چھوڑو اور جاؤ اپنا کام کرو‘‘۔

’’میں تو اے ایس پی صاحب کے کہنے پر آپ کے پاس آیا تھا لیکن خیر میں چلتا ہوں‘‘۔ یہ کہتے ہوئے تھانیدار اٹھا اور ان سے ہاتھ ملا کر چل دیا۔ چوہدری اس کی طرف دیکھ کر دھیرے سے مسکرا دیا۔

رات کے پہلے پہر کے سناٹے میں چوہدری کے ڈیرے پر چوہدری کبیر اور کاشی باتیں کر رہے تھے۔ کاشی نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔

’’میں نے تو اپنا کام کر دیا تھا۔ اب یہ اس کی قسمت ہے کہ ابھی اوپر والے نے اس کا ویزہ نہیں منظور کیا۔ چوہدری صاحب سے پوچھو، آگے کیا کرنا ہے، اسے ختم کروں یا پھر وہ مجھے یہاں سے نکالتے ہیں‘‘۔

’’میری اس معاملے میں بابا سے بات ہوئی تھی۔ وہ فی الحال اسے چھیڑنا نہیں چاہ رہے ہیں۔ آج رات تم جب چاہو چلے جانا تیری رقم تجھے مل گئی ہے‘‘۔ چوہدری کبیر نے سکون سے کہا تو کاشی بولا۔

’’ٹھیک ہے، میں آج رات ہی نکل جاؤں گا۔ تم چوہدری صاحب سے پوچھ لو‘‘۔

’’کاشی! تمہیں نوٹوں کی ضرورت تو ہو گی۔ میں تمہیں ڈالر دوں گا۔ ایک کام کرو میرا جاتے جاتے‘‘۔ چوہدری کبیر نے حسرت آمیز لہجے میں کہا تو وہ بولا۔

’’بولو، کیا کام ہے‘‘۔

’’سلمٰی نے اگر اسمبلی میں جا کر حلف اٹھا لیا تو سمجھ، ہمارا ہونا نہ ہونا برابر ہے اسے نہیں رہنا چاہئے‘‘۔ چوہدری کبیر نے بے بسی سے کہا تو کاشی بولا۔ ’’وہ تو بہت آسان شکار ہے۔ کہو تو آج رات ہی پار کردوں‘‘۔

’’جب تمہارا دل چاہے۔ نہ وہ ہو گی، نہ حلف اٹھائے گی۔ کام ہوتے ہی تمہیں ہمارے بندے لے کر نکل جائیں گے‘‘۔ وہ دانت پیستے ہوئے بولا تو کاشی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

’’تم اپنے بندے تیار رکھو میں آتا ہوں ابھی‘‘۔

یہ کہہ کر اس نے اپنا پسٹل نکال کر چیک کیا اور اٹھ کر چل دیا۔

رات کے گہرے اندھیرے میں ڈیرے کے باہر پولیس وین آ کر رکی۔ اس میں سے پولیس والے تیزی سے باہر نکل کر پھیل گئے۔ ان کے ساتھ جعفر اور اس کے پیچھے تھانیدار تھا۔ اس کے ساتھ ہی چینل کی وین آ کے رکی۔ اس میں سے مائرہ اور کیمرہ مین نکل کر وہ بھی پھیل گئے۔ تبھی اندر سے ایک فائر ہوا تو باہر سے فائرنگ ہونے لگی۔ اچانک ہی ان میں مقابلہ شروع ہوگیا۔ کچھ پولیس والے زخمی ہوئے لیکن ڈیرے پر موجود کافی بندے خون میں لت پت پڑے تھے۔ کیمرہ مین انہیں کور کر تھا۔ پولیس والوں کی تعداد کہیں زیادہ تھی۔ اس لئے چند منٹوں ہی میں ان پر قابو پا لیا۔ اچانک تھانیدار اور کبیر ایک دوسرے کے سامنے آگئے تو تھانیدار نے کہا

’’خبردار کبیر اپنے آپ کو قانون کے حوالے کردو۔ ورنہ گولی مار دوں گا‘‘۔

’’تم۔ تم مجھے گولی مارو گے۔ کل تک ہمارا کھانے والا آج ہمیں دھمکی دے رہا ہے۔ چل مجھے یہاں سے باہر نکال۔ تجھے مالا مال کردوں گا‘‘۔ کبیر نے حقارت سے کہا تو تھانیدار بولا

’’نہیں چوہدری اب تیرا کھیل ختم ہوگیا ہے تجھے مرنا ہوگا۔ ورنہ میں مر جاؤں گا۔ تیرے کھاتے میں قتل ہی

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

بہت ہیں"

کبیر نے اسے شدید حیرت سے دیکھا۔ لیکن تھانیدار نے لحہ بھر بھی تاخیر نہیں کی اور اس پر فائر جھونک دیئے۔ گولیاں کبیر کے لگیں تو وہ گرتا چلا گیا۔ ایسے میں ایک فائر تھانیدار کے آ لگا۔ اسے کاشی نے گولی ماری تھی۔ کاشی نے گھبرا کر نکلنے کی کوشش کی تو پولیس والے نے اسے پکڑ لیا۔ پھر پکڑ دھکڑ شروع ہوگئی۔ کیمرہ مین کور کرتا رہا۔

چوہدری کی حالت انتہائی خستہ تھی۔ قریب بیٹھی بشریٰ بیگم سکتے کی سی کیفیت میں تھی۔ قریب ہی فون سیٹ کا ریسیور ایک طرف پڑا ہوا تھا۔

"وقت بدل گیا تو سارا زمانہ ہی بدل گیا۔ میں نے ایسا کبھی سوچا بھی نہیں تھا"۔ چوہدری جلال نے انتہائی یاسیت سے کہا تو بشریٰ بیگم روتے ہوئے بولی۔

"میرا پتر۔ تمہاری جھوٹی انا اور انتقام کی سیاست کی نذر ہوگیا۔ تم میرے بچے کے قاتل ہو"۔

"نہیں بیگم نہیں، کبیر کو خدانخواستہ ایسا ویسا کچھ نہیں ہوا۔ اس کے صرف زخمی ہونے کی اطلاع ہے وہ ابھی زندہ ہوگا"۔ چوہدری جلال نے تڑپ کر کہا

"وہ زندہ بھی ہوا تو پولیس اسے مار دے گی"۔ بشریٰ بیگم نے پاگلوں کی طرح کہا اور ایک دم سے اٹھ کر باہر جانے کو لپکی۔ چوہدری جلال نے تیزی سے پوچھا۔

"کہاں جارہی ہو تم۔ تجھے ہو کیا گیا ہے؟"

"میرا بیٹا مر رہا ہے اور تم مجھ سے پوچھ رہے ہو کہ میں کہاں جارہی ہوں"۔ بشریٰ بیگم نے ہذیانی انداز میں کہا تو چوہدری جلال سختی سے بولا۔

"تم ادھر رکو میں جا رہا ہوں نا میں سب سنبھال لوں گا"۔

"تمہاری بات کسی نے نہیں سنی، کہاں گیا تمہارا رعب اور دبدبہ۔ تم تو ایم این اے تھے۔ اتنا غرور کدھر گیا۔ تمہاری کسی نے مدد نہیں کی، کہاں گئی تمہاری سیاسی پارٹی"۔ بشریٰ بیگم نے پاگلوں کی طرح چیختے ہوئے کہا چوہدری جلال بے بسی سے بولا

"سب آنکھیں پھیر گئے ہیں، سب"۔

"صرف ایک صورت ہے اپنے بیٹے کو بچانے کی۔ کسی طرح فہد کو جا کر منا لو میرا کبیر بچ جائے گا۔ ورنہ ...... اگر اب بھی تم میں کوئی غرور باقی ہے تو میں خود جارہی ہوں اس کے پاس میں کرلوں گی اس سے التجا"۔

"نہیں۔ بیگم، تم نہیں، میں خود جاؤں گا"۔ چوہدری جلال نے کہا تو بشریٰ بیگم نے منت بھرے انداز میں کہا۔ "تو جاؤ، میرے بچے کو لے آؤ"۔

چوہدری نے سر جھکا دیا۔

☆......☆......☆

فہد اپنے گھر میں سویا ہوا تھا۔ فون بجنے پر اس کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے اسکرین دیکھ کر فون رسیو کیا۔

"ہاں جعفر کیا بات ہے اتنی رات گئے خیریت تو ہے نا"۔

"خیریت ہی ہے۔ اگر آ سکتے ہو تو نور پور تھانے میں آ جاؤ۔ ہم وہیں جارہے ہیں"۔

"تھانے؟ وہیں جارہے ہیں؟ بات کیا ہے تم اس وقت کہاں ہو؟" اس نے الجھتے ہوئے کہا تو جعفر نے بتایا

"چوہدری جلال کے ڈیرے کے پاس ہوں اس وقت، ہم نے یہاں چھاپا مارا ہے، کافی فائرنگ بھی ہوئی ہے، وہ بندہ پکڑا گیا ہے، جس نے تم پر قاتلانہ حملہ کیا تھا۔ کئی دوسرے اشتہاری بھی ہیں۔ چوہدری کبیر کے گولی لگی ہے۔ وہ زخمی ہے، اسے ہسپتال لے گئے ہیں"۔

"اوہ! تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا، تم فوراً"۔ اس نے کہنا چاہا تو وہ بولا۔

"مجھے ماہرہ نے منع کیا تھا۔ وہ بھی یہاں موجود ہے اپنی صحافی ٹیم کے ساتھ، جس نے یہ ساری کاروائی ریکارڈ

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

کی ہے۔ان سب کو پولیس تھانے لے جارہی ہے۔تم آ جاؤ آسکتے ہو تو"۔

"یار یہ تم لوگ کیا کررہے ہو۔تم فوراً مائرہ کو ادھر بھیجو پھر سب دیکھ لیتے ہیں"۔فہد نے پریشانی میں کہا تو جعفر۔نے کہا۔

"وہ ماننے والی چیز ہے تو نہیں، میں اسے کہہ دیتا ہوں۔وہ جانے اور......"

فہد نے سن کر فون بند کردیا اور تیزی سے مائرہ کے نمبر ملائے۔مائرہ مصروف تھی۔فون بیل بجی تو اس نے مسکرا کر کہا

"مجھے معلوم تھا کہ تمہارا فون آئے گا۔گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔اب یہاں کوئی خطرہ نہیں ہے۔میں آ رہی ہوں، دل پر ہاتھ رکھو"۔

یہ کہہ کر دوسری طرف سے کچھ سنے بغیر فون بند کر دیا۔

صبح سویرے ابھی نور کا تڑکا تھا۔فہد اس وقت ماسٹر دین محمد کے گھر جا پہنچا تھا۔فہد اور سلمیٰ صحن میں تھے۔صفیہ ان کے پاس تھی۔تبھی مائرہ اور سراج گھر میں آگئے، مائرہ ان کے قریب آکر بیٹھ گئی تو فہد نے کہا۔"مجھے توقع نہیں تھی کہ تم یوں اپنی زندگی خطرے میں ڈالو گی، یہ سب کیسے؟"

"فہد، تم اچھی طرح جانتے ہو۔اس چوہدری کا زہر نہ نکالا جاتا تو یہ پھر ڈستا۔ابھی رات کے دوسرے پہر اس نے ایک بندے کو یہاں بھیجا۔سلمیٰ کو ختم کرنے کے لیے۔وہ تو جعفر کی پلاننگ تھی چھاپہ مارنے کی تا کہ کبیر کو پکڑ سکے، ہر طرف سیکورٹی کے باعث وہ کاشی بھی پکڑا گیا"۔

"کاشی؟ وہی جو......" سلمیٰ نے کہا تو فہد نے بتایا۔"ہاں، وہی جس نے مجھ پر قاتلانہ حملہ کیا تھا۔اور کبیر بھی بہت زخمی ہے"۔

"آؤ! تھانے چلتے ہیں۔وہاں بہت سارے کام ہیں۔رستے میں بتا دیتی ہوں کہ میں نے یہ سب کیسے اور کیوں کیا۔اور پھر میں نے وہیں سے ہی نور پور جانا ہے۔میں تمہیں لینے آئی ہوں"۔مائرہ نے اس سے کہا تو سلمیٰ نے حیرت سے کہا۔

"یوں آناً فاناً؟"

"بہت سارے کام کرنے ہیں وہاں، اس سے پہلے کہ یہ گرفتار لوگ اپنے تعلق آزمالیں۔مجھے ان کا سب کچھ آن ائیر کرنا ہے"۔

اتنے میں ماسٹر دین محمد اندر داخل ہوا۔اس کے چہرے پر خوشی اور خوف کا تاثر تھا۔اس نے آتے ہی بتایا

"وہ چوک میں، مسجد کے پاس بہت سارے لوگ جمع ہیں چوہدری کے ڈیرے پر چھاپے کی اطلاع پورے علاقے میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی ہے۔لوگ خوش ہیں"۔

"ہم چلیں! صفیہ سامان رکھ دیا گاڑی میں"۔مائرہ نے کہا تو ماسٹر دین محمد نے پوچھا۔

"کیا بیٹی جارہی ہو تم؟"

"ہاں۔انکل مجھے بہت جلدی جانا ہے۔میں پھر آؤں گی اور اسی طرح ڈھیر سارے دن رہوں گی"۔مائرہ نے معذرت خواہانہ انداز میں کہا اور فہد کی جانب دیکھا۔

وہ افسردہ تھا۔تب ماسٹر محمد دین نے کہا

"بیٹا، ناشتہ تو کر کے جانا"۔

"میں چائے پی لیتی ہوں"۔یہ کہہ کر وہ فہد کے سامنے بیٹھ گئی۔وہ سب چائے پی رہے ہیں کہ فہد کا فون بج اٹھا ہے۔فہد اسکرین دیکھ کر مسکرادیا۔وہ فون کان سے لگا کر بولا

"ان حالات میں آپ کا فون آنا ہی تھا وکیل صاحب، بتائیں، کیا کرسکتا ہوں میں آپ کے لیے"۔

"آپ بہت کچھ کر سکتے ہیں۔میں نے صلح کی

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

کوشش کی تھی۔ مگر چوہدری کو اپنی طاقت اور دولت پر گھمنڈ تھا۔ اب نتیجہ بھگت رہا ہے۔ میں نے فون اس لیے کیا ہے کہ وہ آپ کی ہر شرط ماننے کو تیار ہے"۔ وکیل نے کہا تو فہد بولا۔

"وہ اب بھی نہیں مانے گا"۔

"میں جو کہہ رہا ہوں اس نے ابھی مجھے خود فون کیا ہے۔ یہ وقت ہے، اس سے ہر شرط منوانے کا اور......" وکیل نے کہنا چاہا تو فہد بولا۔

"مجبوری میں مانی گئی کوئی شرط، شرط نہیں ہوتی خیر! اسے کہیں وہیں آ جائے جہاں آج سے کئی برس پہلے، اس نے استاد جی کا راستہ روکا تھا، وہیں بات کرتے ہیں"۔

"میں کہہ دیتا ہوں"۔ وکیل نے کہا تو فہد نے فون بند کر دیا۔ پھر ماسٹر دین محمد کی طرف دیکھ کر بولا، "آئیں استاد جی، اسی جگہ پر ببول کے نیچے سڑک پر، جہاں ہمارا تانگہ روکا گیا تھا"۔

اس نے کہا تو وہ واقعہ ایک لمحے میں اس کی نگاہوں میں گھوم گیا۔ وہ فقرہ پوری قوت کے ساتھ اس کی سماعتوں میں ابھرا کہ میں ان کمی کمینوں سے بات نہیں کرتا۔ ماسٹر جی کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

صبح سویرے مختلف گلیوں سے گاڑیاں نکل کر چوراہے سے گذریں۔ چاچے سوہنے نے کھڑے ہو کر انہیں سلام کیا۔ عوام ان کے پیچھے چل دی۔ سراج اور چھاکے نے چند لڑکوں کو بتایا کہ چوہدری معافی مانگنے آ رہا ہے۔ یہ خبر پورے قسمت نگر میں پھیل گئی۔ سیل فون نے لمحوں میں سب کو باخبر کر دیا تھا۔ اسی لئے عوام امنڈ آئی تھی۔

وہ اسی سڑک پر آ گئے۔ جہاں ببول کا درخت اب بھی کھڑا تھا۔ وہاں آ کر انہوں نے گاڑیاں روکیں اور ان میں سے باہر نکل آئے۔

فہد کو ایک ایک لمحہ یاد آنے لگا جب انہیں مارا گیا تھا۔ دوسری طرف سے چوہدری جلال اور کئی لوگ آ گئے۔ وہ قریب آئے تو فہد نے اونچی آواز میں کہا۔ "ابھی وہیں کھڑے رہو چوہدری جلال۔ میں نے تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں"۔

"میں تمہارے ساتھ صلح کرنے آیا ہوں۔ باتیں تو ہوتی رہیں گی"۔ چوہدری جلال نے صلح جو انداز میں کہا۔

"ہاں، جانتا ہوں۔ تمہیں یاد ہے یہیں کھڑے ہو کر تم نے کہا تھا میں کمی کمینوں سے بات نہیں کرتا؟"

"ہاں ہاں مجھے یاد ہے مگر......" چوہدری جلال نے کہنا چاہا تو فہد نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

"اس وقت تم مجبور ہوئے ہو تو یہاں آئے ہو۔ ورنہ تیرے جیسا ظالم اور مغرور آدمی یہاں کبھی نہ آتا۔ اس بیٹے کے لیے تم نے میری خوشیاں برباد کیں۔ میرے والدین کو در بدر کیا۔ میرے شریف باپ کو چور بنا دیا۔ اب بتاؤ۔ وہ چور تھا یا سادھ؟"

"فہد پتر! یہ وقت ان باتوں کا نہیں ہے۔ تم" چوہدری جلال نے عوام کی طرف دیکھ کر لجالت سے کہا تو فہد بولا۔

"نہیں چوہدری، یہی وقت ہے۔ تم آج تک انہیں چور کہتے رہے لیکن سب سے بڑے چور تم ہو۔ حرام کھاتے ہو۔ زمینوں پر ناجائز قبضے کرتے ہو۔ پنچائتوں سے نفع کماتے ہو۔ مال ڈنگر کھلواتے ہو۔ بے گناہ غریبوں کے خون سے ہاتھ رنگتے ہو۔ کون سا جرم ہے جو تمہارے کھاتے میں نہیں"۔

چوہدری جلال نے کچھ کہنا چاہا لیکن کہہ نہیں پایا فہد نے اپنی بات جاری رکھی۔

"میں اپنا ہر نقصان تمہیں معاف کر دیتا ہوں لیکن تم نے جو میرے استاد جی کی شان میں گستاخی کی تھی۔ یہ جرم نا قابل برداشت ہے۔ ساری زندگی میں نے اسی آگ

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

میں جلتے ہوئے گزاری ہے چوہدری"۔
"مجھے معاف کر دو بیٹا"۔ چوہدری جلال نے ٹوٹے ہوئے لہجے میں کہا تو فہد بولا۔
"چوہدری میرے استاد کو راضی کر لو۔ میں راضی ہو جاؤں گا"۔
"اگر تمہاری خوشی اسی میں ہے تو میں ایسا کر لیتا ہوں مگر خدا کے لیے میرے بیٹے کو بچاؤ وہ زخمی ہے۔ میں اسے یہاں سے دور بھجوا دوں گا وہ دوبارہ کبھی یہاں نظر نہیں آئے گا"۔ یہ کہتے ہوئے وہ آگے بڑھا اور ماسٹر دین محمد کے آگے ہاتھ جوڑ دیئے تو ماسٹر دین محمد نے کہا۔
"بس چوہدری۔ میں کون ہوتا ہوں معاف کرنے والا، جاؤ۔ سوہنے رب کے حضور جھک کر توبہ کرو۔ وہ معاف کرنے والا ہے"۔ پھر رُوئے سخن فہد کی طرف کر کے بولا "فہد بیٹے! ہمارے پیارے نبی ﷺ نے مکہ فتح کیا تھا نا۔ تو سب کو معاف کر دیا تھا۔ یہ سنت اپناؤ پتر۔ معاف کر دو میں نے معاف کیا"۔
"لوگ کہتے تھے آج انتقام کا دن ہے۔ مگر میرے سوہنے نبیؐ نے فرمایا آج معافی کا دن ہے۔ جا! معافی کا یہی کشکول تھام اور صفیہ بی بی کے در پر چلا جا جس کے سہاگ کو تیرے فرعونی مزاج بیٹے نے اجاڑ کر اس کے بچوں کو یتیم کر دیا۔ جا چلا جا۔ اس سے پہلے کہ میرا خون جوش مار جائے۔ میں نے تمہیں معاف کیا"۔
چوہدری واپس پلٹا ہی تھا کہ جعفر کی پولیس گاڑی وہاں آ گئی۔ سب اس کی طرف دیکھنے لگے۔ تبھی وہ چوہدری کے پاس آ کر بولا
"بہت افسوس ہوا چوہدری صاحب۔ تیرا پتر بہت ہی بزدل نکلا۔ اس نے ہسپتال میں دم توڑ دیا ہے۔ ہم اسے بچا نہیں سکے"۔
چوہدری کچھ نہیں کہہ پایا۔ پہلے ہونقوں کی طرح اسے دیکھتا رہا پھر دل پکڑ کر وہیں بیٹھ گیا۔ اس کے ساتھ آئے لوگ اسے جلدی سے اٹھا کر لے گئے۔
وہاں صرف سلمیٰ، مائرہ، فہد اور جعفر رہ گئے تھے۔ باقی سب لوگ چلے گئے تھے۔ تبھی مائرہ نے فہد سے کہا
"فتح مبارک ہو"۔
"تمہیں احساس ہے کہ ذات کا دکھ کیا ہوتا ہے۔ کئی برس پہلے یہاں میں نے اپنے آپ سے عہد کیا تھا کہ میں ظلم کے خلاف لڑوں گا۔ اور فتح تک لڑتا رہوں گا۔ کیا یہ انقلاب نہیں ہے۔ اس فتح میں تم بھی میرے ساتھ شامل ہو مائرہ"۔
"ہاں! آئندہ بھی رہوں گی۔ فہد میں تمہیں ایک خوبصورت تحفہ دینا چاہتی ہوں"۔ یہ کہہ کر اس نے سلمیٰ کا ہاتھ تھام کر اس کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔ "میں چاہوں گی کی تم سلمیٰ سے شادی کر لو"۔
"یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟" فہد نے پوچھا۔
"تم اور سلمیٰ بہت سارے لوگوں کے خوابوں کی تعبیر ہو۔ میری محبت تو رہے گی۔ مگر میں دوسروں کی محبت میں حائل نہیں ہو سکتی"۔ یہ کہتے ہوئے مائرہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ پھر قریب کھڑے جعفر کا ہاتھ یوں تھام لیا جیسے وہ فہد کو بتانا چاہتی ہو کہ اس نے اپنا ساتھ جعفر کو چن لیا ہے۔ "یہ ہے نا میرے ہر دکھ سکھ میں میرا ساتھ نبھانے والا میرا دوست"۔
جعفر نے اس کی طرف بہت غور سے دیکھا پھر اس کی آنکھوں میں آئے آنسو صاف کر دیئے۔ وہ چند لمحے اسے دیکھتے رہے پھر پلٹ کر گاڑی کی جانب چلے گئے۔ گاڑی میں بیٹھ کر انہوں نے ہاتھ ہلایا۔ اور گاڑی چل دی۔ فہد اور سلمیٰ نے ان کے ہاتھ ہلانے کا جواب دیا پھر ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور قسمت نگر کی طرف پلٹ گئے۔ وہ دور تک جاتے ہوئے دکھائی دیئے۔

ختم شد

WWW.PAKSOCIETY.COM